معروف بہ

فتاویٰ اتراکھنڈ

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
نوری دارالافتاء، مدینہ مسجد محلہ علی خان کاشی پور

الفیوضات النبویہ فی
الفتاوی الحنفیہ

معروف بہ

فتاویٰ اُتراکھنڈ

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلّہ علی خاں کاشی پور

انتساب

میں اپنی اس ادنی سی کاوش کو **افقہ الفقہاء امام المحدثین والمجتہدین شمس الاولیاء والاصفیاء مقدام العلماء والفقہاء الی یوم القیامہ حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ** علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ بابرکات سے منسوب ومعنون کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں جو بشارت نبوی

"لوکان الایمان عندالثریالذھب بہ رجل من ابناء فارس حتی یتناولہ" (اگرایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو مردان فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اوراسے حاصل کرلے گا) کے اصل مصداق ہیں۔ اورقیامت تک آنے والے ان کے ہر پیروکار کے لئے اللہ رب العزت کی بارگاہ سے مژدۂ مغفرت عطا ہو چکا ہے۔جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے کہ ہاتف غیبی نے آواز دی **"یاابا حنیفۃ قدعرفتنا حق المعرفۃ وخدمتنا فاحسنت الخدمۃ قدغفرنالک ولمن تبعک ممن کان علی مذھبک الی یوم القیامۃ"** (اے ابوحنیفہ تم نے ہمیں جس طرح پہچاننا تھا پہچان لیا اور ہمارے دین کی بہترین خدمت کی لہذا ہم نے تمہاری اورقیامت تک آنے والے تمہارے ہر پیروکار کی مغفرت فرمادی۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

امیدوار کرم

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

غفرلہ ولوالدیہ

تفصیلات

کتاب : فتاوی اُتراکھنڈ
مصنف : مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
نظر ثانی : علامہ مفتی قاضی شہید عالم صاحب دام ظلہ
جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف
علامہ مفتی محمد سلیمان صاحب قبلہ برکاتی مدظلہ
دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد
صفحات : ۴۰۳
اِشاعت : ۲۰۱۳ء - ۱۴۳۵ھ
ناشر : نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلّہ علی خاں کاشی پور

رابطہ : zulfaqarkhan917@yahoo.co.in

کتاب ملنے کے پتے

رضوی کتاب گھر قلعہ بازار کاشی پور
کتب خانہ نعیمیہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد
نعیمی کتب خانہ دیوان بازار مرادآباد

ھدیہ تشکر

حدیث شریف میں ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ

جولوگوں کا شکرگزار نہیں وہ اللہ کا شکرادا نہیں کرسکتا۔

میں ممنون ہوں ان تمام حضرات کا جنہوں نے اس مجموعہ کے منظر عام تک لانے میں میرے ساتھ تعاون کیا

☆ اپنے اساتذہ کرام خصوصاً حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ روناہی فیض آباد)، حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان صاحب (جامعہ نعیمیہ مراد آباد) کا۔ جنہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔

☆ اکابر علماء کرام خصوصاً حضرت علامہ قاضی شہید عالم صاحب (شیخ الحدیث والافتاء جامعہ نوریہ بریلی شریف)، حضرت العلام مفتی صالح صاحب (شیخ الحدیث الجامعۃ الرضا بریلی)، حضرت العلام مفتی شاہد حسین صاحب (مفتی شہر رامپور)

مفتی مکرم صاحب (مفتی شہر دہلی)، مفتی محمد عاقل صاحب (پرنسپل منظر اسلام بریلی شریف) اور مفتی مطیع الرحمٰن صاحب (الجامعۃ الرضا بریلی شریف)۔ جنہوں نے میرے فتاوی کو شرف مطالعہ سے نوازا اور دعائیہ کلمات تحریر فرما کر میرے فتاوی کو اپنی بارگاہ سے سند قبولیت کا درجہ عطا فرمایا۔

☆ محبان گرامی وقار مفتی محمد حسین قادری صاحب اور مفتی محمد کاشف رضوی

صاحب کا بھی ممنون ہوں- جنہوں نے میرے اس فتاوی پر مبسوط مقدمہ لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی۔

☆ عزیزان گرامی محترم محمد ثاقب رضا قادری اور محمد ناظم منصوی مرادآبادی- جنہوں نے اپنے مفید مشوروں سے نواز کر صحیح طور حق دوستی نبھایا۔

☆ آخر میں جملہ اراکین کمیٹی نوری دارالافتاء مدینہ مسجد اور اہلیان کاشی پور اور اس کتاب کی اشاعت میں تعاون کرنے والے سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی بے پناہ محبتوں اور بے لوث تعاون کے طفیل یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔

اللہ عزوجل ان سب معاونین کو دارین کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

احقر العباد

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی عفی عنہ

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خان کاشی پور

میرے مضمون کو سند پذیرائی عطا فرمائی اور دعاؤں کے ساتھ مجھے وہ مضمون ماہنامہ اشرفیہ کے لئے ارسال کرنے کا حکم دیا میں نے وہ مضمون محترم قاری محمد رفیق صاحب کے توسط سے ماہنامہ کے پتہ پر روانہ کر دیا اور اگلے ہی ماہ جولائی ۲۰۰۵ء میں میرا مضمون رسالہ میں شائع ہو گیا۔

اساتذۂ کرام کی شفقت سے سفرِ قلم جاری رکھنے کی ہمت بندھی، چنانچہ دوران تدریس مفتی ارشد جمال اشرفی کچھوچھہ شریف کی ایک کتاب **''عمامہ اور ٹوپی کی شرعی حیثیت''** کا مطالعہ کیا- اس کتاب میں انہوں نے عمامہ اور ٹوپی کو مستوی العمل قرار دیا اور جا بجا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر تنقید بے جا بھی کی، بات یہیں تک محدود نہیں رکھی بلکہ عمامہ کی فضیلت پر جو احادیث فتاوی رضویہ میں نقل ہوئیں- موصوف نے اُن سب احادیث کو موضوع و باطل قرار دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی تشریحات کو غلط قرار دینے کی سعی کی۔احقر نے اس کتاب کا رد بنام **'' دفع الخمامہ عن احادیث العمامہ ''** تحریر کیا، ۱۴۳۰ھ میں عوام الناس کے لئے ایک مختصر کتاب **''سیرت رسول عربی- تاریخ کے آئینہ میں''** تحریر کی۔ اس کے بعد صدرالافاضل کی کتاب **''فیضان رحمت''** (جو تقریباً سوسال قبل شائع ہوئی تھی) پر **حاشیہ وتخریج وتقدیم** کا کام کیا، علامہ سید وجاہت رسول صاحب قبلہ پاکستان نے اس پر دس صفحات پر مشتمل تبصرہ بھی تحریر فرمایا جو غلطی سے کتاب میں شامل نہ ہو سکا ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں شامل ہو جائے گا۔ یہ کتاب حضرت مولانا محمد ایوب اشرفی صاحب جامع مسجد ادارہ ترویج واشاعت بولٹن کے مالی تعاون سے مکتبہ نعیمیہ (مرادآباد) سے شائع ہو چکی ہے، پاکستان میں مکتبہ برکات المدینہ، کراچی بھی اسے شائع کر چکا ہے۔

ایک سہ ماہی جریدہ بنام **''جام شرافت''** کا اجراء کیا، جس کے چند شمارے شائع ہوئے- یہ رسالہ بھی اکثر میرے ہی مضامین پر مشتمل رہا۔

تحدیث نعمت

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

تبلیغ دین کے یوں تو بہت سے ذرائع ہیں لیکن قلم دین کی تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے زبان کی نسبت قلم سے زیادہ کام لینے کی کوشش کی ہے۔ احقر نے بھی علماء کی تقلید میں ہمیشہ قلم کو ہی ترجیح دینا مناسب جانا، دور طالب علمی ہی سے دین کے کسی نا کسی گوشہ پر لکھنا شروع کر دیا۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا چلوں کہ جب میں ملک کے مشہور ادارہ الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد میں ثالثہ جماعت کا طالب علم تھا اس وقت ایک کتاب بنام **''معراج المومنین''** لکھی، مفتی قاضی شہید عالم صاحب نے اس کی تصحیح فرمائی اور تقریظ بھی تحریر فرمائی جس نے میرے حوصلوں کو بے پناہ قوت و توانائی عطا فرمائی۔

جامعہ نعیمیہ کے ایام طالب علمی میں طلباء کو اساتذہ کی جانب سے **''علماء کرام اور موجودہ سیاسی تقاضے''** کے موضوع پر مضمون لکھنے کا حکم ہوا، اور کہا گیا کہ تمام طلبہ میں جس کا مضمون اساتذہ کو پسند ہوگا وہی ماہنامہ اشرفیہ (مبارک پور) میں اشاعت کے لیے بھیجا جائے گا۔ سبھی طلبہ مضمون لکھنے میں مصروف ہو گئے احقر نے بھی اوراق گردانی شروع کی اور ایک دو دن ہی میں چار پانچ صفحات پر مشتمل مضمون لکھ کر اساتذہ کو پیش کر دیا۔ مجھ سے پیشتر اور بعد کئی طلبا نے مضامین اساتذہ کرام کی بارگاہ میں پیش کئے۔ لیکن میرے مشفق اساتذہ خصوصاً مفتی ایوب صاحب، علامہ ہاشم صاحب۔ مفتی ممتاز صاحب علیہ الرحمہ اور مفتی سلیمان صاحب قبلہ نے

ابھی دو ماہ پیشتر عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ایک نایاب فتوی پر تخریج تحشیہ و تقدیم کا کام کیا جو **''انبیاء کرام گناہ سے پاک ہیں''** کے نام سے **ادارہ تحفظ عقائد اہل سنت** (پاکستان)، **مکتبہ نعیمیہ** (دہلی) اور **نوری مشن** (مالیگاؤں) سے چھپ چکا ہے۔

صدر الافاضل کی سند المسمی بالکتاب المستطاب **''المحتوی علی الاسانید الصحیحۃ''** (عربی) پر کام کیا، دو سو سے زائد راویوں کی تحقیق پیش کی عربی زبان میں اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا نیز **''اسانید صدر الافاضل''** کے نام سے اردو میں بھی ترجمہ بھی کیا۔

صدر الافاضل کی ایک کتاب بنام **''حق کی پہچان''** پر تخریج کا کام کیا۔

یہ کتابیں ۲۷ رمئی ۲۰۱۳ء کو منظر عام پر آ گئی ہیں۔

مزید درج ذیل کتب زیر ترتیب ہیں:

☆ سوانح صدر الافاضل

☆ شدھی تحریک اور صدر الافاضل

☆ محاسبۂ قادیانیت (سنی صحافت کی روشنی میں)

☆ تحریک التوائے حج

☆ رکعات نماز کا ثبوت احادیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں

☆ اعلیٰ حضرت کا ایک تاریخی مناظرہ

علاوہ ازیں پاک و ہند کے موقر جرائد و رسائل میں مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مؤرخہ ۱۵ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ سے سرزمین **کاشی پور** میں فتوی نویسی کا کام شروع کیا اور اب تک یہ خدمت جاری ہے، ان دو ڈھائی سالوں میں جو فتاوی تحریر ہوئے ان کا مجموعہ پیش نظر کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے اپنی کم مائیگی اور علمی بے بضاعتی کا بھر پور احساس ہے۔ یہ سب میرے پاک پروردگار کا فضل و احسان اور اس کے پیارے حبیب نبی مکرم نور مجسم رحمت عالم شاہ بنی آدم ﷺ کی عنایت خسروانہ ہے کہ مجھ ناچیز کو اس خدمت کی توفیق میسر آئی۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے تمام عمر دین متین کی خدمت کی سعادت عطا فرمائے اور علم نافع عمل صالح اور اخلاص کی دولت نصیب ہو۔

میں اللہ جل مجدہ، رسول رحمت ﷺ، اولیاءِ اُمت وعلمائے ملت کی ذوات علیا کے سہارے تحریر و تحقیق کی اس دشوار گزار راہ میں حصول منزل کی جستجو لیے سرگرداں ہوں۔

میں قطرہ ہو کے بھی طوفان سے جنگ لیتا ہوں
مجھے بچانا سمندر کی ذمہ داری ہے

ارباب علم و دانش مفکرین قوم وملت علماء اہل سنت کی خدمت میں بصد ادب و احترام عرض ہے کہ اگر کہیں لغزش پائیں تو طعن و تشنیع سے اپنی زبان وقلم کو پراگندہ نہ فرمائیں بلکہ اپنے مناصب جلیلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے درگزر فرمائیں اور اغلاط پر بنظر اصلاح تنبیہ فرمائیں۔

اُمیدوار کرم

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر

باب النکاح ١٨٠

باب الطلاق ٢٠٧

باب البیوع ٢٥٣

باب الذبائح ٢٥٨

باب الاضحیہ ٢٦٠

باب الحظر والاباحۃ ٢٦٢

⊙⊙⊙

دعائیہ کلمات

البحرالزاخرمن المعقول والغیث الماطرمن اسرار المنقول

علامہ مفتی شبیرحسن رضوی صاحب قبلہ دام بالمفاخر والمعالی

(شیخ الحدیث وزیب مسند افتاء الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ روناہی ضلع فیض آباد)

باسمہ تعالیٰ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد! عزیزی موصوف (مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی) ایک باصلاحیت عالم دین وشرع متین ہیں درس وتدریس کے ساتھ فتاوی کا کام بھی انجام دیتے ہیں ضرورت پروہ اس رضوی فقیر سے استصواب رائے بھی کرتے رہتے ہیں ان کے کچھ فتاوی بھی نظر سے گزرے انہیں دیکھ کر بہت مسرت ہوئی کافی محنت ومطالعہ کتب دینیہ فقہیہ سے کام لیا ہے مولی تعالی عزیزی موصوف کو مزید ترقیوں سے ہمکنار فرمائے اوراس طرح کی دینی خدمات کی زیادہ سے زیادہ توفیق رفیق عطافرمائے اور مسلک رضوی کا سچا مبلغ وناشر مروج بنائے اورانہیں اور ہم سب اہل سنن کو امام اہل سنن قدس سرہ کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے اوردارین کی سعادتوں، برکتوں سے سرفراز فرمائے آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی المولی تعالی علیہ وسلم۔ فقط

شبیرحسن رضوی

الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد

تقریظ منیر

غواص بحار العلوم کشاف دقائق المنطوق والمفہوم مقدام العلماء

حضرت العلام المفتی سید شاہد علی حسنی رضوی

شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، قاضی شرع ومفتی ضلع رامپور دام ظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ
وصحبہ وحزبہ وعلماء امتہ وشہداء محبتہ اجمعین.

امــا بــعــد : محبّ محترم ذی المجد والکرم ذی الطبع السلیم والفکر القویم اخی فی الدین حضرت مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی سلمہ المنان وحفظہ الرحمٰن اہلسنت وجماعت کی ایک عظیم مرکزی درسگاہ جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مرادآباد کے ہونہار، ہوشیار، ذی شعور وباکردار، وقت اور حالات کے نباض، احوال زمانہ سے واقف کار، نوجوان عالم وفاضل ہیں، ساتھ ہی محقق و مدقق، مؤرخ ومفکر، ادیب وصحافی، مصنف ومؤلف، خطیب ومناظر، صالح ومصلح، ہادی ومہدی اور ذی استعداد وباصلاحیت مستند ومعتمد مفتی بھی ہیں۔

نعیمیات پر زبردست کام کر رہے ہیں اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر اچھا عبور ہے۔ ان کا علمی اور تحقیقی کام دیکھ کر دل مسرور ہوتا ہے اور زبان پر داد وتحسین کے ساتھ اپنے پیرومرشد آقائے نعمت تاجدار اہلسنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت امام الفقہاء قطب عالم حضور مفتی اعظم عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کا مندرجہ ذیل شعر بطور دعا موصوف کے لئے برجستہ لبوں پر آرہا ہے گویا نعیمی صاحب بطور دعا اپنے لئے بزبان حال کہہ رہے ہیں:

ع خدا ایسی قوت دے میرے قلم میں
کہ بدمذہبوں کو سدھارا کروں میں

تقریظ جلیل

جامع معقول ومنقول مقدام العلماء الفحول بقیۃ السلف عمدۃ الخلف

حضرت العلام مفتی محمد صالح قادری صاحب دام بالمفاخر والمعالی

شیخ الحدیث، مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعض احباب سے سن کر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی ذوالفقار صاحب نعیمی ایک اچھے عالم دین و وقیع مفتی ہیں اور بڑی علمی عملی خوبیوں کے جامع ہیں گویا جواں سالی میں شیخ کبیر ہیں۔ حسن افتا، کثرت مطالعہ، زودنویسی، ملت کی خیرخواہی وغیرہ صفات حمیدہ سے متصف ہیں۔ اس خبر سے مجھے بڑی مسرت ہوئی اور ہرسُنی کو ہونی چاہئے۔ مولائے کریم رب قدیر حضرت مفتی صاحب موصوف کی دینی کاوشوں کو مشکور فرمائے اور قوم وملت کو ان کی ذات و کارکردگی سے خوب نفع بخشے۔ آپ کا مجموعہ فتاویٰ جو زیر کتابت وطباعت ہے اگرچہ میں نے نہیں دیکھا ہے مگر بعض احباب کی تقریظات مشعر ہیں کہ ایک قابل قدر ولائق اعتماد کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے مقبول عام کرے۔ بحرمت نبی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم والحمد للہ رب العٰلمین فی الاولیٰ والآخرۃ۔

راقم الحروف پُرقصور
محمد صالح قادری بریلوی غفرلہٗ
خادم الطلبہ بجامعۃ الرضا، بریلی شریف
۱۳/صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

موصوف کاعلم حاضر، ذہن رساں، دماغ تازہ اور قلم رواں دواں ہے۔نعیمی صاحب سلمہ کی بعض تحریرات اوران کے لکھے ہوئے چند فتاوی فقیرنوری غفرلہ کی نظر سے گزرے میں نے ان کو بغور پڑھا اور سمجھا ماشاء اللہ بہت خوب ہیں قرآن وحدیث، اجماع امت، فقہی جزئیات اوراقوال سلف صالحین سے مدلل ومبرہن ہیں۔موصوف نے اپنے ان فتاوی میں مخالفین ومعترضین کے اقوال وتحریرات پیش کر کے بہت اچھوتا انداز اختیار کیا ہے جوان کا دندان شکن جواب بھی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ حضرت مولا نامفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی سلمہ المنان وحفظہ الرحمٰن نے صرف دوسال کی محنت وعرق ریزی کے بعد اپنے مستند ومعتمد ومدلل فتاوی کاایک مجموعہ بنام **''الفیوضات النبویہ فی الفتاوی الحنفیہ''** تیار کر کے قوم کے سامنے پیش کیا جواس وقت ہمارے سامنے ہے میں اپنے علم ویقین کی حدتک کہہ سکتا ہوں کہ موصوف اپنے علم وتقوی بصیرت وذکاوت اورعشق ووجدان کی لطافتوں،طہارتوں اورسعادتوں کے اعتبار سے قطعاًاس خدمت کے اہل ہیں اور بلاشبہ ان کی یہ خدمت احترام واعتماد کی نظر سے دیکھی جانے کے قابل ہے۔رسم معہود کے مطابق عزیز گرامی وقار نے اپنے اس گرانقدر مجموعۂ فتاویٰ پر کچھ لکھنے کے لئے مجھ جیسے بے بضاعت وناسزاوار سے فون پر کہااور اپنے دومخلص شاگردوں کو فتاوی کا کچھ حصہ برائے مطالعہ دے کر بھیجا کہ اب معذرت کی گنجائش باقی نہ رہی ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم خدمت کا میں اہل نہیں ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کواس گرانمایہ دینی خدمت پر اجر جزیل عطا فرمائے اوراس مجموعۂ فتاوی کو قبول عام وخاص فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونورعرشہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

فقیرنوری سید شاہد علی حسنی رضوی جمالی

مرکزی درسگاہ اہل سنت الجامعۃ الاسلامیہ رامپور

تقریظِ جلیل

الصندید المعظم والمسقع المفخم حضرت العلام

مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی دام فیضہ

مسند نشین مفتی اعظم دہلی وشاہی امام فتح پوری مسجد دہلی

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد: فقیہ اعظم مفتی اعظم امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں ''لولا الخوف من اللہ تعالیٰ ان یضیع العلم ماافتیت'' (اگرعلم کے ضائع ہونے پر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں فتویٰ نہ دیتا)

امام کے مذکورہ بالاقول مبارک سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ فتویٰ نویسی نہایت ہی کٹھن اوراہم کام ہے اس کام میں،سوجھ بوجھ،علم،استقامت،اصابت رائے، تقویٰ، حالاتِ زمانہ سے واقفیت، دینی مسائل کا استحضار جیسی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی شامل حال ہونا ازحد ضروری ہے،حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی مدظلہ العالی ماشاء اللہ صاحب نسبت اورفقیہانہ ذوق کے حامل ہیں ان کے لکھے ہوئے چند فتاوی میں نے بالاستیعاب دیکھے موصوف کے فتاویٰ مفصل جامع اورمدلل ہوتے ہیں اپنے اسلاف سے اوراساتذہ کرام سے جو کچھ حاصل کیا ہے اسے عوام وخواص تک پہنچانے میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اجرِ جزیل عطا فرمائے آمین۔ وماتوفیقی الاباللہ العلی العظیم۔

محمد مکرم احمد نقشبندی

۲؍جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

العالم الالمعی والفاضل اللوذعی حضرت العلام

مفتی محمد سلیمان صاحب نعیمی برکاتی عم فیضہ

نائب مفتی دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد

نحمده و نصلی علیٰ حبیبه الکریم

اصطلاحِ شرع میں افتاء کے معنی شرعی حکم اور فیصلہ سنانا ہے علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں ''الافتاء فانه افادة الحکم الشرعی ''فتوی دینے کا مطلب حکم شرعی سے آگاہ کرنا ہے اور امام عشق و محبت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے اس کی تعبیریوں بیان فرمائی ہے: انما الافتاء ان تعتمد علیٰ شیء وتبین لسائلک ان هٰذا حکم شرعی ''فتوی دینے کے معنی پورے اعتماد کے ساتھ سائل کو اس کے سوال کا حکم شرعی بتانا ہے [فتاویٰ رضویہ، جلد اوّل] ان اقوال سے یہ بات اظہر من الشمس واجلیٰ من القمر ہے کہ فتوی اور افتاء کو مذہب اسلام میں ایک عظیم مقام حاصل ہے ہر دور میں مفتیانِ کرام وفقہاء عظام نے سائلین مسائل شرعیہ کو تسلی وتشفی بخش جواب عطا فرما کر سیرابی وآسودگی عطا فرمائی ہے، اور گمراہیت ولادینی سے نکال کر صراطِ مستقیم پر چلنا سکھایا ہے آج اس دور الحاد وفتن میں جبکہ قحط الرجال ہے حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی فاضل جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مرادآباد نے درجۂ تخصص سے اعلیٰ کامیابی جامعہ سے حاصل کی۔ اور اوّل نمبر پر دستارِ افتاء سے نوازے گئے۔ اور بعد فراغت انہوں نے کافی تعداد میں آنے والے سوالات کے تحقیقی جوابات لکھے جو آپ کے پیش نظر ہیں۔ میں نے بالاستیعاب تمام جوابات پڑھے بحمد اللہ تعالیٰ دلائل وبراہین سے مزین پایا اور مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومسلک اعلیٰ حضرت کے

تقریظِ جلیل

بحرِ ذخار علومِ عقلیہ ونقلیہ

حضرت علامہ مفتی قاضی شہید عالم رضوی دامت برکاتھم القدسیہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

باسمه و حمده تعالیٰ

فاضل نوجوان حضرت مولانا مفتی ذوالفقار خان صاحب نعیمی ایک بالغ نظر عالم، باریک بیں مفتی اور کثیر المطالعہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی فعال اور متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔

موصوف کے فتاویٰ کا مجموعہ باصرہ نواز ہوا- دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، اس نوعمری میں ہی موصوف نے اس منزل کو پالیا ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے کسی ماہر فقیہ کے زیر سایہ ایک طویل مدت تک مشاقی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مجموعہ فتاویٰ ایک بیش قیمت علمی خزانہ ہے۔ سوال فہمی، سوال کے ہر پہلو کا احاطہ، قوت استدلال، استحضار جزئیات ہر پہلو سے موصوف کا مجموعہ فتاویٰ قابل ستائش ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس مجموعہ کو قبولیت عام عطا فرمائے اور موصوف کو ایک متبحر عالم اور فقیہ بنائے اور اسی طرح زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کرتے رہنے کا جذبہ وحوصلہ مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

قاضی شہید عالم رضوی

جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

مؤرخہ ۷رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ

مطابق پایا۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل مفتی موصوف کو مزید توفیق عطا فرمائے اور احقاق حق وابطال باطل کا جذبۂ کامل عطا فرمائے اور آپ کی عمر وعلم وعمل میں برکتیں فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم،

محمد سلیمان نعیمی برکاتی

خادم التدریس والافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد

مورخہ ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

العالم الکامل فاصل بین الحق والباطل حضرت علامہ مفتی محمد عاقل دام فیضہ
صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبّ مکرم فاضل نوجوان حضرت مولانا محمد ذوالفقار صاحب نعیمی دام ظلہ دینی لگن، مذہبی حمیت، علمی فکر جیسے اوصاف جلیلہ میں اپنے ہم عصر نوجوان علماء میں انفرادی شخصیت کے حامل ہیں۔

یہ تلخ حقیقت ہے کہ آج کل نئی نسل کے علماء میں کبر ونخوت، تن پروری، آرام پسندی، مسلکی بے رہ روی کے گھٹیا رجحانات پائے جارہے ہیں، جو خود ان کے لئے نیک فال نہیں ہیں، ان حالات میں مولانا موصوف کا کردار وعمل اور ان کی مسلکی خدمات کا وسیع دائرہ ان کے لئے مشعل راہ ہے، یہ جہاں رہتے ہیں دینی کام میں لگے رہتے ہیں بلکہ شب وروز ان کی انتھک کوششوں سے میدان عمل ہموار کرتے ہیں، ان کی تمام تر کدو کاوش، محنت و جانفشانی کا محور مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت ہے اس سے پہلے بھی ان کے کئی مضمون اور ایک دو مستقل تصنیف نگاہ سے گذری، بہت اچھا اور علمی انداز میں لکھنے کے عادی ہیں اب مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوتی ہے کہ معتمد علماء کی نظر ثانی کے بعد اپنے فتاویٰ کا مجموعہ شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کے گراں قدر علمی فتاویٰ کا مجموعہ (العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ) اہل سنت کا سرمایۂ افتخار ہے جس کا عشر عشیر بھی کسی جماعت کے پاس نہیں۔ فتاویٰ میں قرآن وسنت سے ندرت استدلال کی کثرت، کلام فقہاء سے مسائل جدیدہ کا حسن استنباط، ائمہ کے مختلف اقوال میں واضح تطبیق اپنے موقف

کی تائید میں مضبوط دلائل کی فراوانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر عظیم فقیہ ماضی قریب میں کوئی دوسرا نہیں گذرا۔

اعلیٰ حضرت کا علمی فیضان اور فتاویٰ رضویہ کی کرامت کہیے کہ آج فتاویٰ امجدیہ، فتاویٰ حامدیہ، فتاویٰ مصطفویہ، فتاویٰ فیض الرسول، فتاویٰ شارح بخاری جیسا قیمتی سرمایہ اہل سنت کے ہاتھوں میں ہے۔

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو
ہے یہ بھی اس جرس کی آواز دوستو

میں اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے مولانا موصوف کے فتاویٰ کا مطالعہ تو نہ کر سکا البتہ ان کی قلمی ثقاہت، علمی لیاقت اور سابقہ تحریروں سے امید ہے کہ ان کے گراں قدر فتاویٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلک اعلیٰ حضرت کی آئینہ دار ہونگے۔ اور انہیں علمی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ اللہ رب العزت جل جلالہٗ مولانا موصوف کی اس علمی کاوش کو قبولیت کا اعزاز بخشے اور ان کے قلم میں مزید پختگی، فکر میں بلندی اور حوصلوں میں مزید بلندی عطا فرمائے ہمیشہ ان کے قلم کی سیاہی جادۂ مستقیم پر گامزن رہے دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ نبیہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محمد عاقل رضوی غفرلہٗ
خادم جامعہ رضویہ منظر اسلام سوداگران بریلی شریف

۵؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

اردو کتابوں کا مطالعہ بھی اتنا وسیع ہے کہ بآسانی سائلین کے سوالات حالات حاضرہ کے تناظر میں سمجھ کر برجستہ جوابات استحضار جزئیات کی روشنی میں سپرد قرطاس کرتے ہیں۔

کچھ سوالات تو ان سے ایسے بھی کئے گئے جس سے خواہی نخواہی ذہنی الجھنیں پیدا ہو جانا لازمی وضروری ہے اور کم علمی کی بناء پر فساد عقیدہ کا بھی امکان نظر آتا ہے۔ مگر موصوف نے ایسے واہیات ذہنیت رکھنے والوں کے سوالات کے بھی جوابات اپنی بالغ علمی اور دقت نظری کا سہارا لے کر فقہا ومشائخ کے علمی فیضان کی روشنی میں تحریر فرما کر عوام کو ضلالت وظلمت اور شیطانی فتنوں سے بچالیا، اللہ تعالیٰ موصوف کو مزید علم وعمل فکر ونظر اور تفقہ فی الدین کی لازوال نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

مجموعہ فتاویٰ میں ۲/۳ سوالات پر میری نظر پڑی جو پریشان کن تھے جیسے:

۱۔ ''لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ'' کا سوال

۲۔ ''کرشن کنہیا'' کا مسئلہ

۳۔ اور ''ایک معنی خیز شعر'' سے متعلق

مولانا المکرّم مفتی ذوالفقار حفظہ الغفار صاحب نے ان سوالات کے مسکت جوابات درج فرمائے اور یہ بھی واضح کردوں کہ ایسے واہیات سوالات مذاہب باطلہ فرق عاطلہ ضالہ مضلہ کے لوائے شیطانیت کے سایہ میں زندگی گذارنے والوں ہی کے طرف سے اکثر ہوا کرتے ہیں موصوف سے میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب انہیں لوگوں کی خباثت ہے۔

مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ موصوف کثیر المطالعہ ہونے کے باوجود امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی مدظلہ العالی کے فقہی انسائیکلوپیڈیا العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ کے مطالعہ اور امام اہل سنت کی تحقیقات وتنقیحات پر وسیع نظر رکھتے ہیں اور اسی کو حرف آخر اور معیار افتا جانتے ہیں۔

تقریظ جلیل

الادیب اللبیب الفاضل النسیب
حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن نظامی مدظلہ العالی

زیب مسند تدریس وافتاء مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا
مرکز نگر متھرا پور، بریلی شریف

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

سبحانہ ما اعظم شانہ یضل من یشاء و یھدی من یشاء والصلوٰۃ والسلام علیٰ من شید الایمان و رفع درجات الذین اوتوالعلم والاتقان وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین ایدوالاسلام والایمان والسلام علیٰ الذین استنبطوا المسائل من الاحادیث والقرآن یبتغون فضلا من اللّٰہ والرضوان.

اما بعد! قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔

پیش نظر مجموعہ فتاویٰ کی کتاب مستطاب محبّ گرامی وقار مرجع عوام وخواص کاشی پور حضرت العلام مولانا المکرّم ذوالللطف والکرم مفتی محمد ذوالفقار خان ایدہ الرحمٰن بفضل سید الانس والجان صاحب کا گراں مایہ بیش بہا علمی سرمایہ اور صرف دو(۲) سالہ محنت کا عظیم ذخیرہ ہے۔ اس حقیر فقیر غفرلہٗ القدیر نے بھی موصوف کے مجموعہ فتاویٰ کا مطالعہ کیا ہر فتویٰ زیور دلائل وبراہین اور جزئیات سے آراستہ پایا جو افتا کی اک شان ہے اور تحقیقات وتنقیحات سے مزین جو فتویٰ نویسی کا اعلیٰ معیار ہے ہر زاویہ سے موصوف کی کاوش سراہے جانے کے لائق اور قابل صد ستائش ہے۔

موصوف محترم نوجوان مفتیانِ کرام میں اپنی الگ ہی پہچان رکھتے ہیں عربی فارسی اور

الغرض تحریری وتقریری طور پر مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں ہمہ دم کوشاں رہتے ہیں اور گستاخان رسول کا دنداں شکن جواب دیتے ہیں۔ **جزاہ اللّٰہ فی الدین والدنیا وللّٰہ الحمد فی الاولیٰ والآخرہ ھو اھل التقویٰ والمغفرۃ جعل اللّٰہ سعیہ مشکورا و ذنبہ مغفورا وعدوہ فی الدین مقھوراً ولقی السنۃ نضرۃ وسرورا و رزقہ فی الدارین فضلا و نوراً.**

فقیر اپنے تمام برادران اہل سنت سے سفارش کرتا ہے کہ اس کا مطالعہ کریں اور ضروری مسائل سے واقفیت حاصل کریں۔ امید ہے کہ اس کو مطالعہ کی میز کی زینت بنانے کی ہماری اس سفارش کو قبول فرما کر دارین کی سعادت حاصل کریں گے اور ہمیں بھی حصہ دار بنائیں گے۔ **من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا فی الاولیٰ والآخرۃ و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سید المرسلین وآلہ الطیبین واصحابہ المطھرین وائمتہ المجتھدین والعلماء الکاملین والفقھاء المستنبطین الیٰ یوم الدین، وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین.**

فقیر سراپا تقصیر محمد مطیع الرحمٰن نظامی

خادم التدریس والافتاء مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا
مرکز نگر متھرا پور، بریلی شریف
۱۳/صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقدیم

فاضل جلیل حضرت العلام

مفتی محمد حسین صاحب قبلہ دام ظلہ العالی

زیب مسند افتاء کنز الایمان کراچی پاکستان

الحمدللّٰہ الحمید المجید، والصّلوة علی من امر بتبلیغ ما انزل الیہ من ربہ المنیب ھو اول من قام بھذا المنصب الشریف فکان یفتی بوحیہ تعالیٰ فکانت فتاواہ ﷺ جوامع الاحکام سیدنا محمد سید المرسلین و خاتم النبیین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم واصحابہ والسّلام علیٰ ابی حنیفة واحبابہ،

امابعد! اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو ہر معاملے میں مکمل رہنمائی دیتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر اس کا حکم نافذ ہے، ہر کام کے قوانین موجود ہیں، جہاں عبادات کے طریقے بتاتا ہے وہیں معاملات کے متعلق بھی پوری روشنی ڈالتا ہے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ اسلام میں اس کے لئے رہنمائی نہ ہو۔ اسلام کا یہ نہ صرف دعویٰ ہے بلکہ تاریخ اس بات کی شاہد و مصدق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام تمام ادیان میں انفرادی اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کے تمام ملل و ادیان میں دین اسلام ہی ہے جس نے اپنے ہر ماننے والے کے لئے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ اسلام کے پاس فقہ و قانون کا جو ذخیرہ ہے وہ مصالح کی رعایت اور انسانی فطرت سے ہم آہنگی کا ایک شاہکار ہے جس کے مقابل دنیا کا کوئی قدیم و جدید قانون بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ دعویٰ یوں بھی ممکن ہوا کہ ائمہ دین اور فقہائے مجتہدین نے احکام قرآن وسنت میں گہری نظر اور طویل غور وخوض کے نتیجے میں فقہ کے ایسے اصول وقواعد وضع کئے کہ جن کی روشنی میں نہ صرف بے شمار جزئیات مستنبط کیے بلکہ انہوں نے

کرام کا ایک طویل سلسلہ ہے ابوالحسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب ''المعتمد فی اصول الفقہ'' میں صحابہ کرام کے فتاویٰ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ پانچویں صدی ہجری تک پائے جاتے تھے۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور فقہ اسلامی کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ ان کے بعد کے فقہاء نے بھی ان فتاویٰ سے خاص طور پر استفادہ کیا مکہ مکرمہ میں امام مجاہد اور عطاء بن رباح مدینہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ کی شاگردہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر امصار و بلاد میں مختلف تابعین و تبع و تابعین کے فتاویٰ کو بام عروج حاصل تھا۔ اس کے بعد دوسری صدی ہجری میں ایسے ایسے ائمہ مجتہدین پیدا ہوئے جنہوں نے اس باب میں نہایت اہم کارنامے انجام دئے اور آنے والے فقہاء کے گروہ انہیں ائمہ کی تقلید کے پابند رہے۔ ان میں اہل سنت کے چاروں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنھم سرفہرست ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مختلف بلاد و امصار میں ارباب افتاء موجود تھے۔

یاد رہے کہ تبع تابعین کے دور میں اس علم کی خدمت میں اہل قضاۃ پیش پیش تھے کہ ان کے پاس روز مقدمات پیش ہوتے جن کے وہ فیصلے صادر فرماتے اور ان فیصلوں کو محفوظ بھی رکھتے تھے ایک ایسا ہی مجموعہ امام ابو یوسف کی طرف بھی منسوب ہے۔ کتب فتاویٰ کی تاریخ بہت قدیم ہے جس کی تفصیل حاجی خلیفہ کی کشف الظنون اور اسماعیل پاشا کی ہدیۃ العارفین میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اب مختصراً ایک نظر فقہ اور فقیہ کے حوالے سے ڈالتے ہیں کہ فقہ کیا ہے اور فقاہت کسے کہتے ہیں۔

فقہ کی تعریف:

بحر المحیط میں ہے ''الفقہ العلم بالشیء والفھم لہ'' کسی شے کے علم اور اس کی سمجھ کو فقہ کہتے ہیں۔

انسانی زندگی کے جزئیات کا اس قدر احاطہ کیا کہ بجا طور آج اس دنیا میں کم ہی مسائل ایسے ملیں گے کہ جس کے لئے فقہ اسلامی ذخیرہ میں کوئی نظیر موجود نہ ہو۔ فقہ اسلامی کا انسان کی زندگی میں ایک اہم حصہ ہے کہ اس کے بغیر ہماری عبادت، تجارت، معاشرت کی صالح تعمیر نہیں ہوسکتی اور یہ علم عطیہ ربانی ہے کہ خدائے بحر و بر جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے اس نعمت سے نوازتا ہے۔

تاریخ فتوی نویسی:

اسلام میں سب سے پہلے افتاء کے منصب پر فائز ہونے والے میرے آقا ﷺ ہیں جیسا کہ ابن قیم نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھا ''**اول من قام بھذا المنصب الشریف سیدالمرسلین ﷺ و امام المتقین..الخ**'' [اعلام الموقعین، ۱/۱۱، دار الجیل بیروت]

عہد رسالت میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے صحابہ کرام علیھم الرضوان بھی فتوی دیا کرتے تھے جن میں سے بعض صحابہ وہ تھے جنہیں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے کسی خطہ میں دینی اور انتظامی امور کی ذمہ داری سونپی تھی جیسے علی المرتضی، معاذ بن جبل وغیرھما رضی اللہ تعالی عنہما اور بعض صحابہ کرام خود ہی فتوی دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہم عہد رسالت میں بھی فتوی دیا کرتے تھے۔ [طبقات ابن سعد ۲/ ۳۷۹، نفیس اکیڈمی کراچی]

اس کے علاوہ بھی مختلف صحابہ کرام علیھم الرضوان کی فتوی نویسی کے بارے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں مگر حضور ﷺ کے وصال ظاہری کے بعد کثیر صحابہ کرام نے فتوی دینے سے اجتناب کیا جس کی مختلف وجوہات کتب میں ملتی ہیں ایک یہ کہ فتوی دینے میں احتیاط کا بڑا دخل ہے دوسرا اصلاحیت و استعداد میں تفاوت اور تیسرا کام کو، کیوں کہ صحابہ کرام تعلیم و تعلم، دعوت و جہاد اور انتظام انصرام کی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے تھے جس کی وجہ سے ایک محدود تعداد علم و تحقیق اور قضاء و افتاء کے کام میں مشغول ہوئی۔ صحابہ کرام کے عہد سے لے کر اب تک فقہائے

لسان العرب کے اندر بھی فقہ کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

مستصفی میں ہے ''**الفقہ عبارۃ عن العلم والفھم فی اصل الوضع**'' اصل وضع میں فقہ علم و فہم سے عبارت ہے۔ فصول الحواشی میں ہے: ''**الفقہ لغۃ فھم غرض المتکلم من کلامہ**'' لغت میں متکلم کے کلام سے اس کی غرض کو سمجھنے کا نام فقہ ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف:

صدر اوّل سے قبل فقہ فی الدین کا لفظ کافی وسیع معنی میں بولا اور سمجھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ امام اعظم سے ''**معرفۃ النفس مالھا وما علیھا**'' کے الفاظ کے ساتھ فقہ کی تعریف منقول ہے جو علم فقہ کے علاوہ علم کلام اور علم اخلاق کو بھی شامل تھی لیکن صدر اول میں جب حوادث کی بنا پر اجتہاد کی ضرورت پیش آئی اور مجتہدین کا ظہور ہوا اور اصول فقہ کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی اس وقت ائمہ اصول نے فقہ کی تعریف میں یہ اضافہ فرمایا۔ فتاوی شامی میں علامہ ابن عابدین نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے: ''**العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلۃ التفصیلیۃ**'' یعنی شرعی معمولات کے احکام کو تفصیلی دلائل سے جاننا فقہ ہے۔

بحر الرائق میں بعض فقہاء کی بڑھائی ہوئی اس قید کا بھی ذکر ہے: ''**المکتسبۃ من ادلتھا التفصیلیۃ بالاستدلال**'' یعنی شریعت کے عملی احکام کو ان کے ماخذ اور تفصیلی دلائل جو بذریعہ استدلال حاصل ہوں کے ذریعہ جاننے کا نام فقہ ہے۔

مفتی و فقیہ کی خصوصیات:

فقہ کی ان تعریفات سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ مفتی و فقیہ مجتہد ہی ہوسکتا ہے۔ کہ مفتی کے اندر اجتہادی بصیرت کا پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے: ''**فلیس الفقیہ الا المجتھد عندھم واطلاقہ علی المقلد الحافظ المسائل مجاز**'' فقہاء کے نزدیک فقیہ صرف مجتہد ہی ہے مگر مقلد فقہی جزئیات و مسائل کے حافظ و عالم پر مجازا اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

علامہ شامی نے فتاوی شامی میں فقیہ کی تعریف یوں بیان کی ہے:''وقد استقر رأی الأصولین علی ان المفتی هو المجتهد فاما غیر المجتهد ممن یحفظ اقوال المجتهد فلیس بمفت، والواجب علیه اذا سئل ان یذکر قول المجتهد کالامام علی وجه الحکایة فعرف ان مایکون فی زماننا من فتوی الموجودین لیس بفتوی بل هو نقل کلام المفتی لیاخذ به المستفتی'' یعنی اصولیین کی ثابت شدہ رائے یہ ہے کہ مفتی صرف مجتہد ہوتا ہے اور غیر مجتہد جو اقوال مجتہد کا حافظ ہو (حقیقتا) مفتی نہیں ہوتا ایسے شخص پر واجب ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو بطور حکایت کسی مجتہد جیسے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کر دے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے فقہاء کا فتوی حقیقتا فتوی نہیں بلکہ مفتی مجتہد کے کلام کو سوال کرنے والے کے لئے نقل کرنا ہے تاکہ وہ اس کی روشنی میں شرعی حکم پر عمل کر سکے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، ۱/۱۶۲، دار المعرفۃ بیروت)

سرکارِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فتاوی رضویہ میں فتوی کے حوالے سے فرماتے ہیں:''الفتوی حقیقة وعرفیة

فالحقیقة: هو الافتاء عن معرفة الدلیل التفصیلی واولئک الذین یقال لهم اصحاب الفتوی ویقال بهذا افتی الفقیه ابو جعفر والفقیه ابو اللیث واضرابهما رحمهم الله تعالی،

والعرفیة: اخبار العالم با قوال الامام جاهلا عنها تقلیداله من دون تلک المعرفة کما یقال فتاوی ابن نجیم والغزی والطوری والفتاوی الخیریة وهلم تنزلازمانا ورتبة الی الفتاوی الرضویة جعلها الله تعالی مُرضیة مرضیة اٰمین''

ایک حقیقی فتوی ہوتا ہے اور ایک عرفی فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتوی دیا جائے۔ یہی وہ لوگ جن کو اصحاب فتوی کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہ بولا جاتا ہے

توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامن ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہ تنقیح لیتا ہے توفیق ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہوجاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالف کی بدلیاں چھنٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے، الحمد للہ فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی۔

ولله الحمد تحدیثا بنعمة الله وما توفیقی الا بالله، وصلی الله تعالیٰ علی من امدنا بعلمه وایدنا بنعمه وعلیٰ اله وصحبه وبارک وسلم اٰمین والحمد لله رب العلمین۔ [فتاوی رضویہ، ۳۷۶/۱۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فقہ کس قدر مشکل فن ہے اور اس سمندر کو عبور کرنا یا اس میں ناؤ چلانا ماہر فن ہی کے بس کی بات ہے۔ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی بہار شریعت کے بارہویں حصہ میں فرماتے ہیں

'' فتویٰ دینا حقیقۃ مجتہد کا کام ہے کہ سائل کے سوال کا جواب کتاب وسنت واجماع و قیاس سے وہی دے سکتا ہے، افتاء کا دوسرا مرتبہ نقل ہے یعنی صاحب مذہب سے جو بات ثابت ہے سائل کے جواب میں اسے بیان کر دینا اس کا کام ہے اور یہ حقیقۃ فتویٰ دینا نہ ہوا بلکہ مستفتی کے لئے مفتی (مجتہد) کا قول نقل کر دینا ہوا کہ وہ اس پر عمل کرے۔'' (بہار شریعت)

اب اس مفتی ناقل کو کتنا علم ہونا چاہئے اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

'' حدیث وتفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیأت وہندسہ وتوقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی اور نظر وافی اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرط اعظم توفیق من اللہ، جو ان شروط کا جامع وہ اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے'' [فتاوی رضویہ، ۵۹۰/۱۸، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

کہ فقیہ ابوجعفر، فقیہ ابواللیث اوران جیسے حضرات رحمہم اللہ تعالی نے فتوی دیا، اورفتوائے عرفی یہ ہے کہ اقوال امام کاعلم رکھنے والا اس تفصیلی آشائی کے بغیران کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے۔ جیسے کہا جاتا ہے فتاوی ابن نجیم، فتاوی غزی، فتاوی طوری، فتاویٰ خیریہ، اسی طرح زمانہ ورتبہ میں ان سے فروتر فتاوی رضویہ تک چلے آیئے، اللہ تعالی اسے اپنی رضا کا باعث اوراپناپسندیدہ بنائے، آمین [فتاوی رضویہ، ۱/ ۱۰۹، رضافاؤنڈیشن لاہور]

یہ تو تھافقہ اورفتویٰ اب ذرافقاہت کے سمندر کی طرف بھی نظر دوڑایئے کہ یہ سمندر ہے کیااوراس میں غوطہ زنی کون کرسکتا ہے۔

فقاہت کے کیامعنی ہیں:

سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کراس کالفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں توہراعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اُصول مقررہ وضوابط محررہ ووجوہ تکلم وطرق تفاہم وتنقیح مناط ولحاظ انضباط ومواضع یسر واحتیاط وتجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ وتمیز درآیات غامضہ وظاہر ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقول بعض وجمہور ومرسل ومعلل ووزن الفاظ مفتین وسیر مراتب ناقلین وعرف عام و خاص وعادات بلادواشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایاوسلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسدین وعلم وجوہ تجرح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق ومسالک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام فہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکرعمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتیقظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے، اورحقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القا فرماتا ہے: وما یلقٰھا الاالذین صبر وا وما یلقٰھا الاذوحظ عظیم۔ اوریہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اوراسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔

صدہامسائل میں اضطراب شدیدنظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کرگھبراجاتا ہے مگر صاحب

مفتی ناقل کی صفات بہارشریعت میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

یہاں تک تو جان لیا کہ فی زمانہ مفتی ناقل ہی کا وجود ہے اب اس بحرذخار کی شناوری کون کرسکتا ہے اوراس کا کیا طریقہ کار ہے ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شامی ردالمختار میں بحرالرائق کے حوالے سے فقہی مہارت کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ ''انہ لایحصل الابکثرۃ المراجعۃ وتتبع عباراتھم والاخذعن الاشیاخ''، یعنی علم فقہ کثرت مراجعت تتبع عبارات فقہاءاور ماہر شیوخ سے باقاعدہ سیکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ [ردالمختار ۲/ ۱۷۳، دارالمعرفۃ بیروت]

اور یہ فن اس قدر آسانی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے دن رات کی محنت شاقہ اورمشکل مسائل میں خوب غوروخوض کرکے اسے حل کرنے سے حاصل کرنا ہوگا مزید تفصیل میں جائے بغیر میں اپنی بات کوقاضی ولید بن ابراہیم کے اس واقعہ پرسمیٹتاہوں جسے تدریب الراوی اورقسطلانی کے حوالے سے شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ القوی نے ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' میں نقل کیا:

''آج تحصیل علم میں کتنی کاہلی ہے طلبہ کتنے آرام طلب ہیں علماء کتنے سہل پسند ہیں وہ سب پرظاہر ہے ہم اس سلسلے میں امام بخاری کا ایک ارشادنقل کردیناضروری سمجھتے ہیں شاید ہم کاہلوں کے لئے کچھ مہمیز کا کام کرے۔ تدریب الراوی وقسطلانی میں یہ مذکور ہے کہ قاضی ولید بن ابراہیم ''ری'' کی قضاپرفائز تھے ان کا بیان ہے کہ جب مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوااورعرض مدعا کیاتو فرمایا: اے بیٹے! کسی کام کواس وقت تک شروع نہ کروجب تک کہ اس کے حدوداورمقادیرکونہ جان لو میں نے عرض کیاعلم حدیث کے حدودومقادیرکوبیان فرمائیں تو ارشادفرمایا''اعلم أن الرجل لا یصیر محدثا کاملا فی حدیثہ الابعدأن یکتب أربعامن أربع کأربع مثل أربع فی أربع عندأربع بأربع علی أربع عن أربع لأربع وکل ھذہ الرباعیات لاتتم الابأربع مع أربع فاذا تمت لہ کلھاھان علیہ اربع وابتلی بأربع فاذاصبرعلی ذلک أکرمہ اللّٰہ فی

الدنیا بأربع وأثابه فی الآخرة بأربع"

اس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر بارہ رباعیات کے کوئی محدث کامل نہیں ہوسکتا۔

ان بارہ رباعیات کے بعد اگر ایک اور رباعی پر صبر کرے گا تو اسے ایک بار رباعی دنیا میں ایک رباعی آخرت میں ملے گی۔قاضی ولید کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر گھبرا گیا میں نے درخواست کی کہ اس کی شرح فرمادیں تو امام بخاری نے اس کی شرح یہ کی:

أن یکتب أربعا: یعنی چار چیزیں لکھے اوّل احادیث رسول ﷺ دوم، صحابہ کرام کے حالات اوران کی تعداد، سوم تابعین کے احوال، چہارم بعد کے علماء کے احوال اوران کی تاریخ۔

(۲)**مع أربع**: چار چیزوں کے ساتھ لکھے اول راویوں کے نام، دوم ان کی کنیت، سوم ان کی سکونت، چہارم ان کی ولادت اور وفات کی تاریخ۔

(۳)**کأربع**: چار کے مثل جیسے خطیب کے لئے اللہ کی حمد اور توسل کے ساتھ دعا اور سورتوں کے لئے بسم اللہ اور نماز کے لئے تکبیر لازم ہے اسی طرح راویوں کے نام کنیت جائے سکونت ولادت ووفات کی تواریخ جاننی لازم ہے۔

(۴)**مثل أربع** : چار کے مثل اول مسندات، دوم مرسلات، سوم موقوفات، چہارم قطوعات، ہر قسم کی احادیث کا جاننا ضروری ہے۔

(۵)**فی أربع**: چار میں۔اول کم سنی، دوم جوانی، سوم ادھیڑ عمر، میں چہارم بڑھاپے میں۔

(۶)**عند أربع**: چار حالتوں میں اول عدیم الفرصتی، دوم فرصت کے وقت، سوم کشائش کے وقت، چہارم تنگ دستی کے وقت۔

(۷)**بأربع**: چار جگہوں میں پہاڑ، سمندر، آبادی، جنگل۔

(۸)**علی أربع**: چار چیزوں، پتھروں، پر ٹھیکروں، پر چمڑوں، پر ہڈیوں، پر لکھے جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا، میں نے اپنے اساتذہ سے متفرق جو سنا تھا اکھٹا کر کے سنا دیا۔اب تمہیں اختیار ہے علم حدیث حاصل کرو یا یہ ارادہ ترک کردو۔

قاضی ولید نے کہا یہ سب سن کر مجھ پر ہول سوار ہو گیا میں غور کرتا رہا مگر کچھ نہ بول سکا، ادب سے گردن جھکا دی تو امام بخاری نے فرمایا اگر ان مشقتوں کے اٹھانے کی تم میں طاقت نہیں تو فقہ حاصل کرلو، اس لئے کہ گھر بیٹھ کر فقہ حاصل کرنا ممکن ہے اس کے لئے لمبے لمبے سفر شہر شہر قریہ قریہ گھومنے اور سمندروں، دریاؤں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں حالانکہ فقہ بھی حدیث ہی کا ثمرہ ہے اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں۔اور نہ فقیہ کی عزت محدث سے کم ہے۔قاضی ولید کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے طلب حدیث کا ارادہ ختم کر دیا اور فقہ حاصل کرنے لگا۔یہاں تک کہ اس میں آگے ہو گیا۔"[نزہۃ القاری، ۱/۱۶۲، فرید بکسٹال لاہور]

میرے پیش نظر فاضل جامعہ نعیمیہ مرادآباد مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی زید مجدہ کا فتاوی ہے جو کہ حجم کے اعتبار سے اگر چہ کم مگر علمی اعتبار سے وقیع ہے جو فقہ کے مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔حضرت فاضل سے دو بدو ملاقات تو نہیں مگر ہمارے لاہور کے محترم ومکرم ثاقب رضا قادری زید مجدہ دوست ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علمائے اہل سنت پر کام کرنے کے جذبے سے سرشار فرمایا ہے کئی علماء پر کام کر چکے ہیں مختلف ماہناموں میں ان کے مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں، انہیں کے واسطہ سے حضرت کا تعارف ہے اور سوشل میڈیا کے ذریعہ حضرت کی علمی کاوشوں سے مستفیض ہوتا رہتا ہوں۔موصوف مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ صدر الافاضل کی کتب پر تخریج وتحقیق کا کام بھی سرانجام دے رہے ہیں اور کہنہ مشق مدرس بھی ہیں۔

زیر نظر فتاویٰ کے مجموعہ کو چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے کا موقع ملا فاضل مصنف نے کافی محنت سے ان فتاویٰ کو ترتیب دیا ہے ہر مسئلے کو فقہ کی کتب معتبرہ سے مدلل ومزین کیا ہے۔اوّل تا آخر ہر فتویٰ کئی کتب کے حوالوں سے مزین ہے بعض ذہنی الجھاؤ والے سوالوں کے خالص علمی انداز میں مسکت جواب دئے ہیں جو ان کے فقہی جزئیات کے استحضار پر دال ہیں

(۹)عـــن أربـــع :ان میں سے جو عمر میں بڑے ہوں، جو ہم عمر ہوں، جو عمر میں کم ہوں، اپنے باپ کی کتاب سے، اگر یہ یقین ہے کہ یہ اس کے باپ ہی کی کتاب ہے۔

(۱۰) لأربع: چار مقصد کے لئے۔(۱)اللہ کی خوشنودی کے لئے (۲)اس پر عمل کرنے کے لیے بشرطیکہ جو کتاب اللہ کے موافق (۳)اور طلبہ میں اسے پھیلانے کے لیے(۴) تالیف کے لیے تاکہ اس کے بعد اس کا ذکر باقی رہے۔

یہ دس رباعیاں بغیران دو رباعیوں کے پوری نہ ہوں گی وہ یہ ہیں۔

(۱۱)الابـأربـع: بغیران چار چیزوں کے پوری نہ ہوں گی لکھنے کا ڈھنگ علم لغت علم نحو علم صرف۔

(۱۲)مـع أربـع :ان چار چیزوں کے ساتھ جو عطائی ہیں صحت، قدرت، شوق، قوتِ حافظہ۔

جب یہ اڑتالیس باتیں کسی کو نصیب ہو جائیں تو پھر چار چیزیں اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

(۱۳)هـــان عـلـيـــه بـــأربـــع : چار چیزوں میں آزمایا جاتا ہے دشمنوں کے تیر ونشتر، دوستوں کی ملامت، جاہلوں کے طعن، علماء کے حسد سے، فـاذاصبرعلى ذلك' اور جب ان سب پر صبر کرے گا تو۔

(۱۵)أكرمه الله فى الدنيابأربع :اللہ عزوجل اسے دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا قناعت کی عزت، ہیبت، علم کی لذت اور حیات ابد۔

(۱۶)وأثابه فى الآخرة بأربع :اور آخرت میں چار نعمتیں عطا فرمائے گا اپنے متعلقین میں سے جسے چاہے اس کی شفاعت عرش کے نیچے سایہ جس دن سوائے عرش کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ نبی ﷺ کے حوض کوثر سے جسے چاہے گا پلائے گا، اعلیٰ علیین اور جنت میں انبیاء کرام کا جوارِ اقدس عطا فرمائے گا۔

ہمیں امید واثق ہے کہ مسلک امام اعظم ابوحنفیہ، مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں لکھے گئے یہ فتاویٰ بھی فقہ میں اضافے کا باعث بنیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے علم وقلم میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

محمد حسین قادری غفرلہٗ
دارالافتاء کنزالایمان، کراچی

فتویٰ نویسی ایک جائزہ

فاضل جلیل عالم نبیل حضرت العلام

مفتی محمد کاشف رضوی دام ظلہ العالی

دارالافتاء احیا اکیڈمی بنگلور

اللہ عزوجل نے بنی آدم کی ہدایت کے لیے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا، ان نفوس قدسیہ نے خلق کو خالق سے مربوط کرنے کے لیے اپنے اپنے ادوار میں احکام شرعیہ کی تبلیغ کی، انبیائے کرام کی اس مقدس سلسلہ کی تکمیل نبی آخرالزمان سیدالانس والجان رحمت عالمیان، سرورکون و مکان، راحت قلب وجان، احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذاتِ والاصفات پر ہوا، اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو رہتی دنیا تک خلق خدا کی ہدایت و فلاح وصلاح ونجاح کے لیے حتمی لائحہ عمل ودستور عطا فرمایا اور آپ ﷺ کے دین کو کامل و اکمل فرمادیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا. (المائدۃ)

حضور اکرم ﷺ نے اپنی شبانہ روز مساعی جمیلہ سے صحابہ کرام کی جماعت تیار فرمائی جس نے چہار دانگ عالم کو نور اسلام سے منور وتاباں کردیا، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حین حیات اور وصالِ ظاہری کے بعد بھی صحابۂ کرام نے تبلیغ اسلام کے فریضہ کو بحسن وخوبی نبھایا، مجاہدین اسلام فتوحات کے دائرے بڑھاتے رہے اور قریہ قریہ نگری نگری شریعت محمدی کے پھریرے لہراتے رہے۔

اصحاب کرام کے بعد تبلیغ دین کی ذمہ داری تابعین، تبع تابعین اور پھر ائمہ کرام وعلمائے عظام پر آئی۔ خدائے بزرگ و برتر کا کروڑہا کروڑ احسان کہ اس نے ہر دور میں ایسی ایسی

فتوی کی تعریف:

لفظ فتوی فاء کے فتحہ کے ساتھ اور فاء کے ضمہ کے ساتھ منقول ہے لیکن صحیح فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں کسی بھی سوال کا جواب دینا اور ارباب علم کی اصطلاح میں لفظ فتویٰ شرعی حکم بیان کرنے کے لیے خاص ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کی حیات مقدسہ میں جب بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کی جانب ہی رجوع کرتا اور نبی ﷺ مسئلہ کا حل ارشاد فرماتے ہاں بعض اوقات سرکار کی اجازت سے بعض صحابہ بھی فتوی دیا کرتے تھے۔

سرکار ﷺ جب کسی صحابی کو کسی علاقہ میں حاکم بنا کے بھیجتے تو اسے قرآن وحدیث اور قیاس سے مسائل مستنبط کرنے کی وصیت کرتے جیسا کہ جب حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو یہی تلقین فرمائی۔

سرکار ﷺ کی صحبت بافیض اور کمال تربیت نے صحابۂ کرام کے اندر ایسے مجتہدانہ شان کے افراد پیدا فرمائے جو سرکار کے وصال ظاہری کے بعد فتوی دیا کرتے تھے۔ زیادہ فتویٰ دینے والوں میں یہ صحابہ تھے

حضرت عمر بن الخطاب حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عائشہ حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

صحابہ کرام کو جو فیض صحبت نبوی اور میراث علم نبوی کا حصہ ملا تھا وہ انہوں نے اپنے بعد والوں کو پوری ذمہ داری کے ساتھ منتقل کیا مجتہد صحابہ کرام کے شاگردوں نے بعد میں مسند افتا سنبھالی مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن مسیّب حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عروہ بن زبیر یسار اور حضرت خارجہ بن زید فتوی دیا کرتے تھے انہیں کو فقہائے سبعہ بھی کہا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں عطا بن ابی رباح علی بن ابی طلحہ اور عبدالملک بن جریج یہ کام کیا کرتے تھے۔

برگزیدہ ہستیاں پیدا فرمائیں کہ جنہوں نے اپنی زندگیاں خدمت دین میں صرف فرمادیں، نہ صرف تعلیمات اسلام کا پرچار فرمایا بلکہ جہاں جہاں اور جب جب دشمنانِ اسلام نے سر اٹھایا، اس مبارک جماعت نے اس کا بھرپور جواب دیا، یہ انہیں نفوس قدسیہ کی خدمات جلیلہ کا ثمرہ ونتیجہ ہے کہ آج ۱۴۰۰ چودہ سو سال گزرجانے کے بعد بھی شریعت محمدی اسی صاف وشفاف صورت میں ہمارے پاس ہے۔

جہاں وجود مصطفیٰ منفرد ہے وہیں امت مصطفیٰ بھی دیگر امتوں میں ممتاز ہے اور امت مصطفیٰ میں سب سے ممتاز درجہ پر علماے اسلام ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں تبلیغ دین اور اشاعت علم پر صرف کریں علماء ہی کی شان میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا''کیا علم والے اور بے علم برابر ہوجائیں گے اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے خاص کر ان کے درجہ کو بلند فرمائے گا۔''

اور حضور اکرم ﷺ نے علماء کی شان یوں بیان فرمائی:

''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنی آدمی پر'' (مشکوۃ)

حضرت علی سے روایت ہے:''علماء دنیا کے چراغ ہیں اور انبیاء کے جانشین ہیں اور میرے نزدیک دیگر انبیاء کے وارث ہیں'' (کنز العمال)

عالم دین چاہے وہ کسی بھی فن کا ہو علم دین کی وجہ سے امت کے لیے فیض ورحمت ہے لیکن علمائے فقہ یعنی فقہا کا مقام سب سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے امت اپنے شرعی مسائل کے حل کے لیے انہیں کی طرف رجوع کرتی ہے۔

محدث کا شغف حدیث سے ہوتا ہے مفسر کا تفسیر سے اصولیوں کا اصول سے مگر فقیہ وہ ہوتا ہے جس کی نظر ہر علم وفن پر ہوتی ہے۔ فقیہ کو کبھی محدث بننا پڑتا ہے تو کبھی مفسر کبھی منطقی تو کبھی فلسفی۔ الغرض فقہ کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے اندر تمام علوم مجتمع ہیں۔ فتوی نویسی بھی اسی شجر کی ایک شاخ ہے ہم ذیل میں اس کا قدرے جائزہ لیتے ہیں

کوفہ میں ابراہیم نخعی ابن ابی سلیمان عامر بن شراحیل علقمہ شعبی۔

بصرہ میں حضرت حسن بصری یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں حضرت مکحول ابو ادریس الخولانی شراحیل بن سمک عبداللہ بن ابی زکریا الخزاعی اس کام میں مصروف تھے۔ اگرچہ ہر تابعی اپنی جگہ علم نبوی کے روشن ستارے تھے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سب کے درمیان آفتاب اور مہتاب بن کے نکلے۔ آپ کے بارے میں سرکار نے بشارت دی تھی کہ اگر علم ثریا ستارے پر بھی ہوگا تو اہل فارس میں سے ایک شخص اس کو حاصل کرلے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ خود علم وحکمت کے بحر ناپیدا کنار تھے اس کے باوجود بھی آپ نے مسائل کے حل کے لیے ایک مجلس مشاورت قائم کی تھی جس میں ہر فن کے امام شامل تھے مسائل مشاورت کے سامنے پیش کیے جاتے اور ان پر بحث ہوتی بعض اوقات تو بحثیں گھنٹوں اور دنوں چلتیں آخر میں جس پر اتفاق ہوتا وہ لکھ لیا جاتا۔

فقۂ حنفی کی اشاعت میں امام اعظم کے شاگردوں کا خاص حصہ رہا گرچہ امام اعظم نے قضا قبول نہ کیا لیکن آپ کے شاگردوں نے مسند افتاء وقضاء سنبھالی جس کی وجہ سے فقۂ حنفی اطرافِ عالم میں پھیل گیا۔

فقۂ حنفی کو یہ شان بھی حاصل رہی کہ خلفاے عباسیہ کے دور سے لے کر ماضی قریب میں سلطنتِ مغلیہ تک اکثر اسلامی ممالک میں یہ قانونی شکل میں نافذ اور رائج رہا۔ ان صفات اور اقرب الی النصوص ہونے کی وجہ سے فقہ حنفی بہت مشہور ہوا یہی وجہ ہے کہ آج بھی پورے دنیا میں فقہ حنفی کے متبعین سب سے زیادہ ہیں۔

ہر دور میں اللہ عزوجل نے احناف میں ایسے امام پیدا کیے جنہوں نے احکام شریعت اور بالخصوص فقۂ حنفی کے فروغ میں نمایاں کردار نبھایا فقہ حنفی پر مجلدات کی مجلدات لکھی گئیں۔

ہندو پاک میں کیوں کہ فقہ حنفی ہی عمومی طور پر رائج ہے اور ایک عرصہ تک یہاں پہ فقہ حنفی ہی قانونی شکل میں نافذ تھا اس لیے فقہ حنفی پہ یہاں کافی کام ہوا۔ عالم اسلام کا مشہور ترین

فتاویٰ، فتاویٰ عالمگیری اسی سرزمین پر مرتب کیا گیا۔

ماضی قریب کے فقیہ اعظم جنہوں نے فقہ حنفی پہ سب سے زیادہ کام کیا وہ امام احمد رضا محدث بریلوی تھے آپ کے فتاوی کی تیس جلدیں آپ کے فقہ حنفی پہ عبور کی بین دلیل ہے۔

فتویٰ کی اہمیت اور مفتی کے شرائط:

فتویٰ لکھنے میں یہ چند باتیں ضروری ہیں:

(۱) سوال کو کماحقہ سمجھنا

(۲) سوال کے لب ولہجہ سیاق وسباق سے یہ پہچان لینا کہ سائل کا منشا کیا ہے یہ سب سے اہم کام ہے جو شخص بہت دقیق تنقیدی نظر یہ رکھتا ہو وہ اس کو شاید ہی جان سکے یہ بہت ماہر حاذق کا کام ہے۔

(۳) مفتی مخلص ہو

(۴) انتہائی ذہین وفطین ہو۔

(۵) زبان عرب کا پورا پورا ماہر ہو، عبارت النص، دلالت النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص وغیرہ کے ذریعہ فقہی عبارتوں کے جملہ معانی سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہو۔

(٦) متداول کتب فقہ کا کامل مطالعہ کیے ہوئے ہو اور اس کے حافظہ میں فقہ کے اکثر کلیات وجزئیات محفوظ ہوں۔

(۷) کسی سے مرعوب نہ ہو۔

(۸) اتنا جری ہو کہ بلاخوف لومۃ لائم حق بات کہنے کی جرأت رکھتا ہو مزاج پر غصہ غالب ہو اور نہ نرمی۔

(۹) سوال کے بارے میں جب تک پورا اطمینان خاطر نہ ہو جائے کوئی حکم صادر نہ کرے۔

(۱۰) جو بھی حکم دے اس کی قوی دلیل پہلے ذہن نشین کرلے۔

باب الایمان والکفر

(۱۱) متشابہ مسائل میں امتیاز پر قادر ہو وغیرہ وغیرہ۔

مفتی کی تعریف:

اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت علیہ الرحمہ نے مفتی کی ایسی جامع تعریف فرمائی ہے کہ اس کے بعد اس پر کچھ اور اضافہ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ''تفسیر وحدیث، اصول وادب ہیات وہندسہ توقیت (بقدر ضرورت) کتب فقہیہ کا کثیر مشغلہ اشتغال دنیویہ سے یک گونہ فراغ قلب اور توجہ الی اللہ نیت لوجہ اللہ اور ساتھ ہی ساتھ توفیق من اللہ اور مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو تو رجوع سے عار نہ کرے جو ان شرائط کا جامع ہو اور اس بحر ذخار میں شناوری کرسکتا ہو وہ مفتی ہوسکتا ہے۔''

الحمد للہ یہ ساری خوبیاں عزیزی مفتی محمد ذو الفقار نعیمی ککرالوی بدایونی صاحب میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں آپ کے فتاوی تحقیق انیق کے مظہر ہیں۔ اللہ عزوجل آپ کے علم وعمل میں خوب برکتیں عطا فرمائے اور امت کے لیے سرچشمہ فیض وبرکت بنائے۔ آمین

فقیر قادری محمد کاشف رضوی

خادم درس وافتاء احیا اکیڈمی بنگلور

نقل استفتاء

باسمی تعالیٰ

جناب مفتی صاحب السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل (قول) کہنے والوں کے لیے

(۱) کرشن کنہیا کا فر تھا لیکن وہ ایک ہی بار میں سوجگہ حاضر ہوگیا

(۲) لاالٰہ الااللہ چشتی رسول اللہ

(۳) بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی جہاں خداوند ہے بندہ رسول اللہ کا

کیا درج بالا لوگ مسلمان ہیں یا دائرۂ اسلام سے خارج ہیں

محمد شاہد صدیقی، محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ النّبی المختار الکریم

والسّلام علیٰ من اتبع الھدی

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات تحریر کرنے سے قبل سائل کو ایک اہم مسئلہ سے آگاہ کیا جاتا ہے، سائل نے استفتاء کے شروع میں ''**باسمی تعالی**'' لکھا ہے یعنی اپنے لئے لفظ ''**تعالیٰ**'' استعمال کیا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ ''**تعالیٰ**'' صرف اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے اور ہر وہ صیغہ جو اللہ کے لئے خاص ہو اس کا استعمال کسی بندہ کے لئے کرنا کفر ہے۔

مجمع الانہر میں ہے:

''اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق جلّ وعلا .....یکفر''

کسی نے مخلوق پر ان اسماء کا اطلاق کیا جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں تو وہ کافر قرار دیا جائے گا۔ [مجمع الانھرفی شرح ملتقی الابحر، ۴/۳۹۹]

فتاویٰ شامی میں ہے:

''عزوجل مخصوص باللّٰہ تعالیٰ فلایقال محمد عز وجل وان کان عزیزاوجلیلاً''

''عزوجل'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کو محمد ﷺ کے لیے بھی استعمال نہیں کیا جائے اگر چہ وہ عزیز و جلیل ہیں۔ [ردالمحتار، کتاب الخنثیٰ، ۱۰/۴۸۴]

شاید یہ سبقت قلم کا نتیجہ ہے اگر ایسا ہی ہے اور حسن ظن ہے کہ ایسا ہی ہوگا تو سائل خدا کی بارگاہ میں از راہ احتیاط توبہ واستغفار کرلے اور آئندہ اس طرح کا کوئی کلمہ خود کے لئے استعمال نہ کرے۔

اب بالترتیب جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

﴿۱﴾ ''کرشن کنہیا کافر تھالیکن وہ ایک ہی بار میں سوجگہ حاضر ہوگیا'' کہنے کا حکم

مذکورہ بالا قول کفر نہیں ہے اس کے قائل کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ یہ قول دراصل حضور شیخ ابوالفتح جالندھری علیہ الرحمہ کا ہے جسے سبع سنابل شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے سبع سنابل شریف کے حوالے سے اس قول کو اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ ہم ذیل میں سیاق وسباق کے ساتھ اس قول کو نقل کرتے ہیں:

سانپ بن جائے کیا تعجب ہے!!! یا کوئی یہ پوچھے کہ پردہ فرمانے کے بعد اولیاء کرام ہماری آواز کیسے سن سکتے ہیں تو جواباً کہا جائے کہ جب ابوجہل وغیرہ کفار و مشرکین اپنے مرگھٹ سے آواز سن سکتے ہیں (جیسا کہ بخاری شریف میں ہے) تو اولیاء کرام اپنے مزارات سے ہماری آواز سنیں کیا تعجب ہے!!!

تو جس طرح ان دونوں مثالوں میں کفار و مشرکین کے فعل کی تحسین مقصود نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت معجزہ اور مسلمانوں کی قوت سماعت کا اظہار مقصود ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا قول میں بھی کافر کے استدراج کی تحسین مقصود نہیں بلکہ استدراج پر فوقیتِ کرامت کا اظہار مقصود ہے۔

ہاں البتہ صرف اتنا ہی قول کرشن کنہیا کافر کی تحسین و تعریف کے طور پر بولا جاتا اور اس کے اس استدراج کو حق سمجھا جاتا تو ضرور محل کلام ہوتا۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ **''غمز العیون''** کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''اتفق مشائخنامن رای امر الکفار حسناً فقد کفر.

جس نے کافروں کے کسی فعل کو اچھا سمجھا باتفاق مشائخ کافر ہوگیا۔ [فتاوی رضویہ جدید، ۱۴/۲۷۷]

﴿۲﴾ ''لا الٰہ الااللّٰہ چشتی رسول اللّٰہ'' کہنے والے کا حکم

کلمہ طیبہ میں **''محمد رسول اللہ''** کی جگہ کسی اور کا نام یا نسبت جیسے چشتی رسول اللہ، اشرف علی رسول اللہ کہنے والا اگر ہوش وحواس میں ہے تو بلا شبہ کافر ہے۔

البتہ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کلمہ کو خواجہ غریب نواز کی طرف منسوب کر کے مولوی اشرف علی تھانوی کے کلمہ (**اشرف علی رسول اللہ**) کے دفاع میں پیش کیا جاتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ دیکھو خواجہ صاحب نے بھی تو یہی کہا تھا اب اگر

مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری رادرماہ
ربیع الاوّل بجہت عرس رسول علیہ الصّلاۃ
والسّلام ازدہ جا استدعا آمدکہ بعد از نماز پیشیں
حاضر شوند ہردہ استدعا قبول
کردند حاضراں پرسیدندکہ اے مخدوم ہردہ استدعا
قبول فرمودید وہرجا بعداز نمازپیشیں
حاضربایدشد چگونہ میسر خواہد آمد فرمود کہ
کشن کہ کافربود چندصدجا حاضرمی
شداگرابوالفتح دہ جا حاضر شود چہ عجب''

ماہ ربیع الاول شریف میں مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری کو میلاد پاک میں ظہر کے بعد شرکت کے لئے دس(۱۰) جگہ مدعو کیا گیا آپ نے قبول کرلیا۔

حاضرین نے پوچھا: اے مخدوم آپ نے دسوں دعوتیں قبول فرمالیں آپ ہرجگہ نماز کے بعد کیسے حاضر ہوں گے؟

فرمایا: کشن جو کافر تھا کئی سو جگہ حاضر ہوسکتا ہے اگر ابوالفتح دس جگہ حاضر ہو کیا تعجب ہے۔[فتاویٰ رضویہ جدید ۱۴/ ۶۵۷،۶۵۸]

الحاصل: اس قول میں کوئی وجہ کفر نہیں ہے جس کے سبب قائل کو کافر کہہ سکیں۔اس قول کو دراصل مخدوم ابوالفتح نے صرف یہ بتانے کے لئے بیان کیا ہے کہ جب کافر ہوکر کشن ایک وقت میں سیکڑوں مقامات پر جاسکتا ہے (جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے) تو میں مسلمان ہوکر دس (۱۰) مقامات پر جاؤں تو اس میں کیا تعجب ہے!!! یہ بات بالکل ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ کیسے بن سکتا ہے تو جواباً کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے ہوئے کافر جادوگروں کی لاٹھیاں سانپ بن سکتی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کا عصا

اشرف علی تھانوی کافر ہے تو خواجہ صاحب بھی کافر ہیں۔حالانکہ علماء اہل سنت کے نزدیک اس کلمہ کا انتساب خواجہ صاحب کی طرف جہلا کا الحاق ہے کتب تصوف میں بہت سے واقعات جاہلوں نے الحاق کردئے ہیں۔دیوبندی پیشوا مولوی رشید گنگوہی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے وہ لکھتے ہیں:

''بزرگوں کی حکایات اکثر جہلاء نے غلط بنادی ہیں۔''

[فتاوی رشیدیہ،ص ۱۰۷]

لہٰذا علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے۔اور اس کی نسبت خواجہ صاحب کی طرف باطل وبے بنیاد ہے۔مگر برسبیل تنزل تسلیم بھی کرلیں کہ خواجہ غریب نواز نے یہ جملہ استعمال کیا ہے تب بھی اس سے خواجہ صاحب اور مولوی اشرف علی تھانوی کے کلموں میں زمین وآسمان کا فرق ہے خواجہ صاحب کے واقعہ کے شروع میں لکھا ہے:

''خواجہ درحالتے بود''

یعنی اس وقت خواجہ صاحب خاص حالت میں تھے۔

اور اس پر علماء واولیاء کا اتفاق ہے کہ **حالت خاص** میں ولی **مکلف** نہیں ہوتا ہے اور اس پر شریعت مواخذہ نہیں فرماتی ہے، جیسا کہ حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ کے کلمہ ''انا الحق'' کو''**اناالحق**'' سمجھنے کی بنیاد پر انہیں سولی چڑھادیا گیا کیونکہ یہ کلمہ کفر ہے مگر دیوبندی عالم رشید گنگوہی سے جب اس بارے میں سوال ہوا کہ جب یہ کلمہ کفر ہے تو منصور حلاج کافر ہوئے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا:

''منصور معذور تھے بے ہوش ہوگئے تھے ان پر کفر کا فتوی دینا بے جاہے''[فتاوی رشیدیہ،ص ۱۰۷]

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ ولی کا خاص حالت میں ہونا یعنی ہوش وحواس میں نہ ہونا ان کو معذور بنادیتا ہے جس پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔لہٰذا اس فتوی کی رو سے بھی ثابت

ہو گیا کہ خواجہ صاحب خاص حالت میں ہونے کے سبب شرعاً معذور ہیں۔

مزید یہ کہ خود اشرف علی تھانوی نے بھی اس کلمہ کو کلمہ کفر تسلیم نہیں کیا ہے وہ اپنی کتاب ''السنة الجلية فی الچشتية العلية'' میں خواجہ صاحب کے واقعہ کو لکھنے کے بعد اس کے کلمہ کفر نہ ہونے سے متعلق لکھتے ہیں:

''کلمہ کفر جب ہے کہ ماٗول نہ ہو اور اگر یہ تاویل کی جائے کہ رسول سے مراد معنی لغوی ہوں اور عام ہوں بواسطہ و بلا واسطہ کو اور اس بنا پر یہ معنی ہوں گے کہ چشتی اللہ تعالیٰ کا پیام رساں اور احکام کی تبلیغ کرنے والا ہے بواسطہ رسول اللہ کے جیسا حدیث وارد فی المشکوٰة باب الوقوف بعرفة ''میں ابن مربع انصاری صحابی کا قول ہے ''إنی رسول اللّٰہ الیکم'' جس میں رسول اول بمعنی لغوی ہے اور جیسے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادوں کو جو انبیاء نہ تھے سورہ یٰسین میں مرسل فرمایا ہے تو پھر کلمۂ کفر نہیں رہتا اسی طرح اگر یہ حمل تشبیہ بلیغ پر مبنی ہو جیسے ابو یوسف ابو حنیفہ میں سب کے نزدیک مسلّم ہے تب بھی کافر نہیں رہتا اور ظاہری و متبادر معنی مراد نہ لینے کی تصریح خود حضرت خواجہ صاحب کے اس قول میں ہے میں کون ہوں اور کیا چیز ہوں البتہ یہ سوال باقی رہا کہ موہم کا استعمال بھی تو جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجلس خاص تھی اور مخاطب و دیگر سامعین خوش فہم تھے اس لئے یہ مفسدہ محتمل نہ تھا اب رہی یہ بات کہ آخر مصلحت ہی کیا تھی جواب ظاہر ہے کہ مصلحت امتحان کی تھی اس طرح کہ اگر یہ راسخ العقیدہ ہے تو مجھ کو مخالف شریعت نہ سمجھے گا کوئی تاویل کرلے گا ورنہ بھاگ جائے گا۔''

[السنة الجلية فی الچشتية العلية، باب سوم، ص ۱۲۵]

یہ الگ بات کہ خود مولوی اشرف علی تھانوی کے مجوزہ کلمہ کو علماء اہلسنت کے علاوہ علمائے دیوبند نے بھی کفر قرار دیا ہے، جیسا کہ دیوبندی عالم مولوی سعید احمد اکبر آبادی مدیر ماہنامہ

یہ شعر دراصل خواجہ یار فریدی صاحب علیہ الرحمہ (چاچڑاں شریف) کا ہے، جو اکابر اہل سنت سے ہیں۔

یہ شعر اپنے الفاظ و مفاہیم کے اعتبار سے بالکل صحیح و درست اور معنویت سے لبریز ہے۔

اس شعر کا سادہ سا مفہوم یہ ہے:

یا رسول اللہ ﷺ آپ کی غلامی و اطاعت کے صدقہ میں ہمیں ملکیت و حکومت ملی، بادشاہ رسول اللہ کا غلام ہے۔

دراصل شاعر نے اس شعر میں **بندگی، خداوندی، خداوند جہاں، بندہ رسول اللہ،** جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں جسے سمجھنے میں مستفتی کو اُلجھن پیش آرہی ہے لہٰذا راقم مذکورہ بالا الفاظ کی قدرے وضاحت پیش کئے دیتا ہے۔ تاکہ شعر سے متعلق سائل کی ذہنی اُلجھن دُور ہو جائے۔

''**بندگی**'' فارسی لفظ ہے اس کے چند معانی ہیں انہیں میں سے غلامی' تابع داری' ''خدمت'' بھی ہے۔ دیکھیں لغات کشوری، صفحہ ۷۰، اور نور اللغات جلد اول صفحہ ۶۷۳

اور نبی کی تابع داری و غلامی سے کسے انکار ہے۔ قرآن میں ہے:

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار بن جاؤ۔ [کنز الایمان، پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۳۱]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اس کے محبوب بندوں کو اپنی اتباع کا حکم دیں۔

دوسرا لفظ ''**خداوندی**'' ہے یہ لفظ بھی فارسی ہے جس کا معنی ملکیت، بادشاہت ہے۔

[فیروز اللغات اردو ۵۸۷]

اور شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے ''**گلستاں**'' میں (جو کہ اہل سنت کے علاوہ دیوبندی مدارس میں بھی پڑھائی جاتی ہے) جا بجا اس لفظ کو دنیاوی بادشاہت اور حکومت کے لئے استعمال کیا ہے

برھان-دہلی لکھتے ہیں:

''معاملات میں تاویل وتوجیح اوراغماض ومساحمت کرنے کی مولانا میں جوخُو تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جاسکتا ہے ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا کولکھا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ میں ہر چند کلمہ تشہد صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الــــه الا الـلّٰـــه کے بعد **اشرف علی رسول اللہ** منھ سے نکل جاتا ہے **اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ یہ کلمہ کفر ہے شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکہ ہے تم فوراً توبہ کرو اور استغفار پڑھو** لیکن مولانا تھانوی صرف یہ فرما کر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب اسی کا نتیجہ اورثمرہ ہے'' [ماہنامہ برھان دہلی شمارہ،فروری ۱۹۵۲ء،ص،۱۰۷]

الحاصل: مذکورہ بالاتحریر کالب لباب یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا کلمہ خواجہ صاحب کی طرف منسوب ہے تب تو وہ حالت خاص میں ہونے کے سبب معذور اورشرعی گرفت سے محفوظ ہیں اور اگر اس کا قائل اور مؤید کوئی عام انسان ہے خواہ عالم ہی ہو یا ولی ہو مگر حالت خاص وسکر میں نہ ہو تو اس کلمہ کا حکم ''**اشرف علی رسول اللہ**'' کے مثل ہے کہ اس کا قائل اور مؤید از روئے شرع دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

﴿۳﴾''بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی

جہاں خداوند ہے بندہ رسول اللہ کا'' کہنے کا حکم

استفتاء میں شعر غلط نقل کیا گیا ہے درست شعر اس طرح ہے

بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی ☆ ہے خداوندِ جہاں بندہ رسول اللہ کا

[گلستاں،صفحہ ۳۳]

تیسرالفظ ''**خداوند جہاں**'' ہے یہ بھی فارسی لفظ ہے اس کا معنی بادشاہ ہے۔ گلستاں میں شیخ سعدی نے بادشاہ اتابک ابوبکر بن سعد بن زنگی کو ''**خداوند جہاں**'' لکھا ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے دنیاوی بادشاہوں کو ''**خداوند جہاں**'' لکھا ہے۔ [گلستاں،صفحہ ۱۵]

''**بندہ**'' بھی فارسی لفظ ہے اس کا معنی غلام، تابع دار ہے [لغات کشوری،ص،۷۴]

اور بندہ کی نسبت (اضافت) نبی کی طرف بلاقباحت جائز ہے قرآن شریف میں ہے:

'' **قل یعبادی**'' [پارہ ۲۴،سورہ زمر،آیت ۵۳]

مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ کیا:

'' آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو''

اس میں بندوں کی نسبت (اضافت) رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں مولائے روم کی مثنوی شریف جس کے بارے میں دیوبندی پیشوا مولوی قاسم نانوتوی کا کہنا ہے:

'' دنیا میں تین کتابیں انوکھی ہیں قرآن شریف بخاری شریف مثنوی شریف''

اور دیوبندی پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے چوبیس جلدوں پر مشتمل مثنوی کی شرح بنام **کلید مثنوی** لکھی ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس میں اس آیت کریمہ کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد

جملہ عالم رابخواں قل یاعباد

[مثنوی شریف، دفتر اوّل، ص ۶۵]

مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''قرآن میں احمد ﷺ نے اپنا بندہ کہہ کر پکارا ہے تمام جہان کو قل یا عباد پڑھ لے''

اور پھر اس کی شرح اس طرح کی ہے:

''تمام عالم کو (باعتبار معنی تسخیر کے) رسول اللہ ﷺ نے اپنا بندہ ارشاد فرمایا ہے چنانچہ تم آیہ ''قل یعبادی الذین اسرفوا'' کو پڑھ کر دیکھ لو'' [کلید مثنوی جلد ۲ دفتر ۱، ص ۱۲۵]

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں مگر یہ مقام اس کا متحمل نہیں ہے۔

عبارات بالا سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مندرجہ بالا شعر میں مندرج الفاظ کا استعمال غیر اللہ کے لئے بھی جائز ہے، لہٰذا مذکورہ بالا شعر اپنے الفاظ و مفاہیم کے اعتبار سے بالکل درست ہے اس میں از روئے شرع کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے اس کے لکھنے والے کو کافر قرار دیا جاسکے۔

ھٰذ اما عندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ و رسولہ ﷺ.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۸/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص سے بموجب فرمان الٰہی

واما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعدالذکری مع القوم الظالمین. [پارہ ۲۸: سورۃ الانعام آیت ۶۸]

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

اور فرمان رسول ﷺ:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم

گمراہوں سے دُور بھاگو اُنہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ [مسلم شریف، ۱/۱۰]

ہر طرح کا تعلق ختم کر دیں اور مرنے پر اس کی نماز جنازہ میں بھی شریک نہ ہوں۔

والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۲/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

فتویٰ کا انکار اور شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان عظام مسئلہ ذیل میں

زید کا باپ جو کہ حافظ ہے اور زید مولوی و مفتی ہے زید کے باپ نے کچھ لوگوں کا سہارا لے کر قبرستان کی جگہ میں ایک مدرسہ کی تعمیر کی ہے جو کہ اس وقت ایک ماٹیسری اسکول کی شکل میں چل رہا ہے، جس میں ہندی، اردو، عربی کے ساتھ پڑھائی ہو رہی ہے اور فیس وظیفہ بھی

﴿وجود باری کا انکار کرنے والے کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسلمان ہے اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نہیں ہے اللہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے اگر اللہ ہوتا تو مجھے بیٹا ضرور دیتا زید کے سب لڑکیاں ہیں۔ زید کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے نام کے لئے اپنے نواسے کو شہید کرا دیا، وہ کیا ہیں وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں زید مومن ہے یا کافر؟ ایسے شخص سے تعلقات رکھنا یا ایسے کی نماز جنازہ میں شریک ہونا کیا جائز ہے؟

حاجی محمد یعقوب انصاری محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم. نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

زید اپنے جملہ خبیثہ کفریہ کے سبب کافر ومرتد ہو گیا زید پر فرض ہے کہ فوراً توبہ اور تجدید ایمان کرے اور اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح کرے نیز کسی پیر کامل سے مرید ہو تو ازسرنو بیعت بھی کرے۔ درمختار مع فتاویٰ شامی باب المرتد میں ہے:

مایکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنکاح واولاده اولاد زنا، ومافیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة (أی تجدید الاسلام) وتجدید النکاح'' [۳۹۱/۶]

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولادِ زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

لیا جاتا ہے گویا کہ حافظ صاحب مذکور نے اس کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے جس وقت اس مدرسہ کی تعمیر ہوئی تو اس وقت جامعہ نعیمیہ سے فتویٰ لیا گیا اور جامعہ کے اسٹاپ کو دعوت دی گئی جس میں ایک پروگرام اس سلسلے میں منعقد کیا گیا لیکن زید کے باپ نے کہا یہ فتویٰ ہمارے سرآنکھوں پر ہے مگر ہم کسی مفتی یا متقی کی بات نہیں مانیں گے چونکہ کچھ لوگ جو اعلم تھے وہ اس کے ساتھ اس کی حمایت میں تھے جب بستی کے علم دار لوگ زید کے خلاف ہوئے اور لعنت وملامت کی گئی کہ تم مولوی ومفتی ہو اس مسئلہ پر اپنے باپ کو اور جو لوگ تمہارے باپ کے ساتھ ہیں انہیں اس مسئلہ پر سمجھاؤ تو زید نے جمعہ کے دن بھری مسجد میں قسم کھائی کہ آپ لوگ مطمئن رہو اس کو میں توڑوں گا لیکن زید کا اس پر عمل نہیں ہوا بعدہٗ اس مسئلہ پر ایک قاری صاحب نے زید کو سمجھایا کہ اس مدرسہ کو ختم کر دو تو زید نے قاری صاحب کو یہ جواب دیا کہ قاری صاحب یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن اب بات شریعت کی نہیں بلکہ ہماری طبیعت کی بات ہے۔ آیا اس صورتِ حال میں مدرسہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے یا جو لوگ اس میں چندہ دیں یا اس کی حمایت کریں ایسے لوگوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا اور زید مذکور کے الفاظ **''ہم کسی مفتی متقی کی بات نہیں مانیں گے''** اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے مہربانی فرما کر سب سوالوں کے جواب مدلل ومفصل قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمادیں۔

ڈڑھیال ضلع رامپور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

وقفی قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر ازروئے شرع ناجائز وحرام ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''وقف کی تبدیل جائز نہیں جو چیز جس مقصد کے لئے وقف ہے اسے

بدل کر دوسرے مقصد کے لئے کر دینا روا نہیں جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کر سکتے یونہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔ سراج وہاج پھر فتاوی ہندیہ میں ہے:

لا یجوز تغیر الوقف عن هیأته

(وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں)

[فتاوی رضویہ جدید، ۹/ ۴۵۷]

لہٰذا حافظ مذکور پر لازم ہے فوراً قبرستان سے مدرسہ ختم کرے اور قبرستان میں کسی طرح کا کوئی تصرف نہ کرے ورنہ مستحق عذاب شدید ہوگا۔

حافظ مذکور کا یہ کہنا **''یہ فتوی ہمارے سر آنکھوں پر ہے مگر ہم کسی مفتی یا متقی کی بات نہیں مانیں گے''** اس میں فتوی کا انکار بھی ہے اور علماء کی توہین بھی اور فتوی کا انکار کرنے والا اور علماء کی توہین کرنے والا گمراہ و کافر ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''یہ شخص اگر خود عالم کامل نہیں تو مستند علمائے دین کے فتوے نہ ماننے کے سبب ضال و گمراہ ہے'' [فتاوی رضویہ جدید، ۲۱/ ۱۷۳]

مزید فرماتے ہیں:

''عالم دین کی توہین کو ائمہ نے کفر لکھا ہے، **مجمع الانھر** میں ہے:

''الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر''

(علماء اور اشراف کی توہین کفر ہے) ایسے شخص پر توبہ فرض ہے۔''

[فتاوی رضویہ جدید ۳/ ۲۸۱]

حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں: ''خانیہ میں ہے: **رجلان بینهما خصومة فقال احدهما للأخر بیاناً بعلم رویم فقال**

نکال دیا۔ [کنز العمال]

اور رہا حافظ مذکور کے بیٹے زید جو مفتی ہیں ان کا یہ کہنا کہ **''اب بات شریعت کی نہیں بلکہ ہماری طبیعت کی بات ہے''** اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ہم شریعت نہیں بلکہ اپنی طبیعت کی مانیں گے تو گویا یہ شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینا ہے اور شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینا شریعت کی توہین ہے اور شریعت کی توہین کفر ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به.

تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی طبیعت میری شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔ [مشکوۃ شریف]

اعلیٰ حضرت **''شریعت نا منظور ہے بلکہ رواج منظور''** کہنے والے کے متعلق فرماتے ہیں:

''عالمگیریہ میں ہے: **اذا قال الرجل لغیره حکم الشرع هذه الحادثة کذا فقال ذالک الغیر من برسم کار می کنم نه بشرع یکفر عند المشائخ.**

اقول و صورة النازلة اشد من هذا بکثیر فان هذا اخبار عن عمله والرجل ربما یعمل بالمعصیة وهو لا یرضاها فیکون عاصیاً لا کافراً لعدم الاستحسان والاستحلال بخلاف ماثمه فانه صریح فی عدم قبول الشرع وترجیح الرسم علیه فکان کالمسألة قبلها رجل قال لخصمه اذهب معی الی الشرع قال بیاده بیار تا بروم بے جبر نروم یکفر لانه عاند الشرع.

جب کسی نے دوسرے سے کہا کہ اس معاملہ میں شریعت کا حکم یہ ہے تو اس دوسرے نے جواباً کہا کہ میں تو رسم کے مطابق کروں گا نہ کہ شریعت

الاخر من علم چه دانم قال ابو بکر القاضی یکفر المجیب لانه یستخف بالعلم

یعنی دو آدمیوں میں جھگڑا تھا ایک نے دوسرے سے کہا آؤ علم کی طرف چلیں دوسرے نے کہا میں علم کو کیا سمجھتا ہوں قاضی ابو بکر نے فرمایا یہ دوسرا کافر ہو گیا کیوں کہ اس نے علم کا استخفاف کیا۔

روسی میں ہے: **رجلان بینهما خصومة فجاء احدهما بخطوط الفقهاء والفتوی فقال الخصم لیس کما افتوا او قال لانعمل بهذا وهما من عرض الناس کان علیه التعزیر**

اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی تحریر فتوی کو کہہ دینا کہ ہم اس کو نہیں مانتے یا یہ ٹھیک نہیں ہے اس پر تعزیر ہوتی ہے لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ علماء کے جھٹلانے اور ان کے بتائے ہوئے مسائل کی تکذیب کرنے پر جری ہو گئے ہیں'' [فتاوی صدر الافاضل ص،۵۵۵]

عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ فتوی کا انکار گمراہی و لائق تعزیر جرم اور علماء کی توہین کفر ہے۔ لہٰذا حافظ مذکور پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح اور اگر مرید ہو تو تجدید بیعت لازم و ضروری ہے اور اگر حافظ مذکور ایسا نہ کرے تو مسلمانوں کو اس کا بائیکاٹ ضروری ہے اور جو لوگ حافظ مذکور کے معاون ہیں وہ لوگ بھی مرتکب جرم و لائق سزا ہیں۔

حدیث میں آیا:

من مشیٰ مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خلع من عنقه ربقة الاسلام

جو شخص جان بوجھ کر ظالم کی مدد کو چلا اس نے اسلام کا پٹہ گردن سے

کے مطابق تو بعض کے نزدیک یہ کافر ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں صورت نازلہ مذکورہ صورت سے بہت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس میں عمل کی اطلاع ہے اور آدمی بہت دفعہ معصیت کا عمل کرتا ہے مگر اسے گناہ تصور کرتا ہے اور دلی طور پر اس سے خوش نہیں ہوتا تو اب عاصی ٹھہرا نہ کہ کافر کیوں کہ اس نے اسے حلال تصور نہیں کیا بخلاف سوالیہ صورت کے یہاں قبول شرع کا انکار ہے اور رسم کو اس پر ترجیح دے رہا ہے یہ اس سے قبل والے مسئلہ جیسا ہے کسی نے مخالف سے کہا میرے ساتھ شریعت کی طرف چل تو اس نے کہا کہ شریعت لا دے تا کہ میں چلوں بغیر جبر کے میں نہیں جاؤں گا تو وہ کافر ہو جائے گا کیوں کہ اس نے شریعت سے عناد روا رکھا۔ [فتاوی رضویہ جدید ۱۴/۶۹۲]

لہٰذا مفتی صاحب پر اپنے ادا کئے ہوئے جملہ خبیثہ کے سبب توبہ تجدید ایمان تجدید نکاح اور تجدید بیعت ضروری ہے۔

درمختار مع فتاوی شامی باب المرتد میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولاده اولاد زنا، ومافیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة (أی تجدید الاسلام) وتجدید النکاح. [۶/۳۹۱]

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہو گی وہ اولاد زنا ہو گی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا، نیز مفتی صاحب پر لازم ہے کہ اپنے والد صاحب کو سمجھائیں اور اگر نہ مانیں تو ان کے خلاف لوگوں کا ساتھ دیں گناہ پر والد کی مدد نہ کریں اور نہ ہی ان کی معصیت میں اتباع کریں۔ حدیث میں ہے:

لاطاعة فی معصیة اللّٰہ انماالطاعة فی المعروف

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت ولحاظ نہیں بلکہ اطاعت نیک کام میں ہے۔[بخاری شریف۲/۱۰۷۸]

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقارخان نعیمی

مورخہ۲ربیع النور۱۴۳۳ھ

تصدیقات علماء کرام

الجواب صواب۔ممتازاحمدنعیمی غفرلہ

لقداصاب من اجاب۔محمد سلیمان نعیمی برکاتی خادم الافتاءوالتدریس جامعہ نعیمیہ مرادآباد

الجواب صحیح والمجیب نجیح۔محمد سلطان رضانعیمی خادم الافتاءوالتدریس جامعہ غوثیہ حفیظ العلوم صدیقی مارکیٹ کاشی پور۔

حاتم طائی کا کفروایمان اوراس کی سخاوت

کیافرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ حاتم طائی مسلمان تھایا کافراوراسے سخی کہنا کیساہے؟دلائل کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

(قاری)محمد تصور(امام)چمن مسجد پاکبڑامرادآباد

سردار کی بیٹی ہوں۔میراباپ قوم کی حفاظت کرتااورقیدی کوچھڑاتا بھوکوں کو کھاناکھلاتامہمان نوازی کرتااورکھاناکھلاتااورسلام پھیلاتا اور کبھی حاجت مندکونہ لوٹاتا۔میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔

تونبی ﷺ نے فرمایااے لونڈی یہ تمام باتیں مومنین کی صفت ہیں۔ اگر تیرا باپ مسلمان ہوتاتوضرورہم اس کے لئے دعائے رحمت فرماتے، (پھرآپ نے صحابہ کوحکم دیا)اسے چھوڑ دواس لئے کہ اس کاباپ اخلاقی خوبیوں کوپسندکرتاتھااوراللہ تعالیٰ اخلاقی خوبیاں پسندفرماتاہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

ان عدی بن حاتم اتی رسول اللّٰہﷺفقال یا رسول اللّٰہﷺان ابی کان یصل القرابة ویحمل الکل ویطعم الطعام قال ھل ادرک الاسلام قال لاقال ان اباک کان یحب ان یذکرفذکر"

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں آئے اورکہاکہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے باپ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے اورکمزوروں کابوجھ اٹھاتے اورکھاناکھلاتے تھے۔

نبیﷺ نے فرمایاکہ انہوں نے اسلام پایاکہانہیں توآپﷺ نے فرمایاکہ تمہارے باپ شہرت پسندکرتے تھےتووہ مشہورہوگئے۔

[المعجم الکبیرللطبرانی،۶/۱۹۷]

مذکورہ بالااحادیث کی روشنی میں یہ کہاجاسکتاہے کہ حاتم طائی مسلمان نہیں ہے۔

رہاحاتم طائی کو"سخی" کہناتواس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے البتہ بطورمدح اس کوسخی

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حاتم طائی کی بیٹی کو ایک جنگ کے موقع پر گرفتار کر کے بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا تو حاتم طائی کی بیٹی نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا جسے نبی ﷺ نے سنا اور جواب مرحمت فرمایا۔

حاتم طائی کی بیٹی اور نبی کریم ﷺ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسے درج ذیل حدیث پاک کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

فقالت یا محمد ﷺ ان رأیت ان تخلی عنی وما تشمت بی احیاء العرب فانی ابنة سیدقومی وان ابی کان یحمی الذمار، ویفک العانی ویشبع الجائع ویکسو العاری ویقری الضیف ویطعم الطعام ویفشی السلام ولم یرد طالب حاجة قط انا ابنة حاتم طیئ فقال النبی ﷺ یاجاریة ھٰذہ صفة المومنین حقالو کان ابوکِ مسلما (نوادرالاصول میں "اسلامیا" ہے بدایہ ونہایہ میں "مومنا" ہے) لترحمنا علیہ خلوا عنھا فان اباھا کان یحب مکارم الاخلاق واللہ تعالیٰ یحب مکارم الاخلاق الخ

[کنزالعمال لمتقی الھندی، ۳/۶۶۴، نوادرالاصول لحکیم الترمذی ۲/۲۷۷ دلائل النبوة للبیھقی، ۵/۳۴۱، البدایه والنھایه، ۲/۲۷۱، احیاء علوم الدین للامام الغزالی، ۲/۳۵۳]

حاتم طائی کی بیٹی نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے رہا فرمادیں اور اہلِ عرب کو مجھ پر نہ ہنسائیں میں اپنی قوم کے

نہیں کہنا چاہیے کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث سے اس کا کافر ہونا ثابت ہے اور از روئے شرع کافر تو کافر کسی فاسق کی بھی مدح جائز نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے آتا ہے:

ان اللہ عزوجل یغضب اذامدح الفاسق فی الارض.

جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزله العرش.

جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کی وجہ سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔

[شعب الایمان للبیھقی ج۴ ص ۲۳۱، باب فی حفظ اللسان]

ھٰذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

باب الصلوۃ

آیا اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سنی جارہی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے البتہ جب وہ قریب ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اسلام کی بابت پوچھ رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، وہ شخص بولا کہ کیا ان کے علاوہ بھی میرے اوپر فرض ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے پڑھے)

[۱/۱۱، ۱۲، باب الایمان، باب الزکوۃ من الاسلام]

الحاصل: مندرجہ بالا حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ بندوں پر ایک دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔

کس نماز میں کتنی رکعات ہیں اب ہم اس کا تفصیلی بیان احادیث نبویہ کی روشنی میں قلمبند کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

نماز فجر کی رکعات

نماز فجر کی سنت رکعات کا ثبوت

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے:

کان النبی ﷺ یصلی رکعتین خفیفتین بین النداء والإقامة من صلاة الصبح

(نبی کریم ﷺ نماز فجر میں اذان اور اقامت کے درمیان ہلکی سے دو رکعت پڑھتے تھے)

[بخاری، ۱/۸۷، باب الاذان بعد الفجر، مسلم، ۱/۲۵۰، باب استحباب رکعتی سنة الفجر]

رکعات نماز کا ثبوت احادیث سے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام اس مسئلہ کی بابت کہ کیا نماز پنج گانہ کی مکمل رکعات یعنی فرض، سنت قبلیہ وبعدیہ، وتر ونوافل احادیث سے ثابت ہیں؟ عام کتابوں میں رکعات کا ذکر تو ہے البتہ احادیث کے حوالے سے نماز پنج گانہ کی مکمل رکعات کا ذکر یکجا نہیں ہے۔ اگر رکعات نماز کے سلسلے میں احادیث کریمہ بیان فرمادیں تو بہتر ہوگا

محمد ثاقب رضا قادری ضیائی (مرکز الاولیاء لاہور پاکستان)

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

یقیناً سبھی نمازوں کا ثبوت احادیث میں موجود ہے ہم قدرے اجمال سے ان احادیث کو بالترتیب قلمبند کرتے ہیں جن میں نماز پنج گانہ کا واضح ثبوت موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

احادیث نبویہ کی روشنی میں فرض نمازوں کا اجمالی بیان

بخاری شریف میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں

"جاء رجل إلى رسول الله ﷺ من أهل نجد ثائر الرأس يسمع دوى صوته ، ولا يفقه ما يقول حتى دنا فإذا هو يسأل ، عن الإسلام ، فقال رسول الله ﷺ خمس صلوات فى اليوم والليلة ، فقال : هل على غيرها ؟ قال : لا ، إلا أن تطوع"

(ایک شخص نجد کا رہنے والا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، رسول اللہ کے پاس

نماز فجر کی فرض رکعتوں کا بیان

بخاری شریف میں ہے "حدثنا سيار بن سلامة قال دخلت أنا وأبى على أبى برزة الأسلمى فسألناه عن وقت الصلوات فقال كان النبى ﷺ ...... يصلى الصبح فينصرف الرجل فيعرف جليسه ، وكان يقرأ فى الركعتين ، أو إحداهما ما بين الستين إلى المئة"

(سیار بن سلامہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد ابو برزہ اسلمی سے ملنے گئے ہم نے ان سے نماز کے اوقات سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ...... نبی ﷺ فجر کی نماز اس وقت ادا کرتے جب کہ اتنی روشنی ہوجاتی کہ آدمی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا آپ دونوں رکعتوں میں یا ایک میں سو سے ساٹھ آیات تک تلاوت فرماتے تھے) [۱/۱۰۶، باب القراءة فى الفجر]

سنن ابوداؤد شریف میں ہے "عن قيس بن عمرو قال رأى رسول الله ﷺ رجلا يصلى بعد صلاة الصبح ركعتين فقال رسول الله ﷺ صلاة الصبح ركعتان فقال الرجل إنى لم أكن صليت الركعتين اللتين قبلهما فصليتهما الآن فسكت رسول الله ﷺ"

(حضرت قیس بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو فجر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے اس نے عرض کیا کہ میں نے فجر سے پہلے کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں اس وقت وہ پڑھی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی)

[سنن ابوداود ۱/۱۸۰، باب التطوع، باب من فاتته متى يقضيها]

الحاصل: مذکورہ بالااحادیث کریمہ کی روشنی میں صاف ہوگیا کہ فجر کی فرض نماز دو(۲) رکعت ہے اور اس سے قبل دو رکعات نماز سنت ہے۔

نماز ظہر کی ابتدائی چار رکعت سنتوں کا بیان

بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے "أن النبی ﷺ کان لا یدع أربعا قبل الظھر"

(نبی ظہر سے پہلے کی چار رکعات کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔)

[بخاری، ۱/۱۵۷،باب الرکعتان قبل الظھر]

سنن ابوداؤد وسنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ام حبیبہ سے مروی ہے فرماتی ہیں:

من حافظ علی أربع رکعات قبل الظھر وأربع بعدھا حرمہ اللہ علی النار

(جو شخص ظہر سے قبل اور بعد چار چار رکعات نماز (نوافل) کا اہتمام کرے، اللہ اسے آگ پر حرام کردے گا۔)

[سنن ابوداود، ۱/۱۸۰،باب الاربع قبل الظھروبعدھا،سنن ترمذی: ۱/۹۸،باب ماجاء فی الرکعتین بعدالظھر،سنن ابن ماجہ،ص۱۸،باب ماجاء فیمن صلی قبل الظھر اربعاوبعدھااربعا]

الحاصل: احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت (سنت مؤکدہ) ہیں۔

نماز ظہر کے چار رکعات فرض کا ثبوت

نماز ظہر کے فرض کے بعد سنتوں اور نفل کی رکعتوں کا بیان

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی فرماتے ہیں

"صلیت مع رسول اللہ ﷺ....رکعتین بعد الظھر"

میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز ظہر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی)

[صحیح بخاری، ۱/۱۵۶،باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی،سنن مسلم،]

اسی میں حضرت عنبسہ بن ابوسفیان سے مروی فرماتے ہیں:

"أخبرتنی أختی أم حبیبة زوج النبی ﷺ أن حبیبھا أبا القاسم ﷺ أخبرھا قال ما من عبد مؤمن یصلی أربع رکعات بعد الظھر فتمس وجھہ النار أبدا إن شاء اللہ عز و جل"

(مجھے میری بہن حضرت ام حبیبہ نے بتایا کہ ان کے حبیب ابوالقاسم ﷺ نے انہیں بتایا کہ کوئی مومن بندہ ایسانہیں جوظہر کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے اسے جہنم کی آگ چھوے اگر اللہ چاہے تو)[سنن نسائی،۱/۲۰۱، باب الاختلاف علی اسماعیل]

الحاصل: احادیث مذکورہ سے دو رکعت سنت مؤکدہ اور دو نفل ثابت ہیں۔ظہر کے فرض ادا کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ سے دو رکعت (سنت مؤکدہ) فعلاً ثابت اور چار رکعت یعنی دو سنت مؤکدہ اور دو نفل قولاً ثابت ہیں۔

نماز عصر سے قبل کی چار رکعت سنتوں کا بیان

سنن ابوداؤد وترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنھما سے مروی ہے

"عن النبی ﷺ قال رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعاً"

صحیح بخاری اور سنن ترمذی میں ہے:

"عن أنس بن مالك، رضي الله عنه، أن النبي ﷺ صلى الظهر بالمدينة أربعا"

(حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں چار رکعت نماز ظہر ادا فرمائی)

[سنن أصبح حتى الحليفة بذي بات من باب، ۱/۲۰۹ ترمذی: ۱/۱۲۲، باب التقصیر فی السفر]

سنن دارقطنی میں ہے:

"عن أبي مسعود قال أتى جبريل عليه السلام النبي ﷺ فقال قم فصل وذلك دلوك الشمس حين مالت الشمس فقام فصلى الظهر أربعا."

(حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور کہا کھڑے ہو جاؤ نماز پڑھو اور وہ سورج ڈھلنے کا وقت تھا پس نبی ﷺ کھڑے ہوئے ظہر کی چار رکعت ادا فرمائی)

[۱/۳۶۱، باب عدد رکعات الصلوات الخمس]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے نماز ظہر کی فرض رکعات چار ثابت ہیں۔ یعنی نماز ظہر میں فرض نماز چار رکعت ہے۔

(اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نازل فرمائے جو عصر کی نماز سے قبل چار رکعات پڑھے)

[سنن ابوداود، ۱/۱۸۰، باب الصلاۃ قبل العصر، سنن ترمذی: ۱/۹۸، باب الاربع قبل العصر]

الحاصل: نماز عصر سے پہلے چار رکعت سنت (غیر مؤکدہ) ہیں۔

نماز عصر کی فرض رکعات

مسلم شریف اور سنن ابوداؤد میں حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے

"أن رسول الله ﷺ صلى العصر فسلم في ثلاث ركعات ثم دخل منزله فقام إليه رجل يقال له الخرباق وكان في يديه طول فقال يا رسول الله فذكر له صنيعه وخرج غضبان يجر رداءه حتى انتهى إلى الناس فقال أصدق هذا قالوا نعم فصلى ركعة ثم سلم ثم سجد سجدتين ثم سلم"

(رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی تو آپ ﷺ نے تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا پھر اپنے گھر تشریف لے جانے لگے تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایک آدمی کھڑا ہوا جسے خرباق کہا جاتا ہے اور اس کے ہاتھ بھی لمبے تھے اس نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ پھر آپ ﷺ نے جو کیا وہ آپ ﷺ کو اس نے یاد دلا دیا آپ ﷺ غصہ میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے اور لوگوں تک پہنچ گئے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ سچ کہتا ہے لوگوں نے کہا کہ ہاں پھر آپ ﷺ نے ایک رکعت پڑھائی پھر سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا)

[مسلم، ۱/۲۱۴، باب السهو في الصلاة والسجود له، سنن ابوداود، ۱/۱۴۶، باب في سجدة السهو]

سنن دار قطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں

''قال النبی ﷺ أتی جبریل علیه السلام..... حین کان ظله مثله فقال قم فصل فصلی العصر أربعا''

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے.....اس وقت جب کہ سایہ ایک مثل ہوگیا کہا کھڑے ہوجاؤ نماز پڑھو تو آپ نے عصر کی چار رکعت نماز ادا فرمائی)

[۱/ ۳۶۱،باب عدد رکعات الصلوات الخمس]

الحاصل: درج بالا احادیث سے عصر کی فرض نماز چار رکعت ثابت ہوئی۔

نماز مغرب کی فرض رکعات

مسلم شریف میں ہے:

''عن ابن شهاب ان عبیدالله بن عبدالله بن عمر أخبره أن أباه قال جمع رسول الله ﷺ بین المغرب والعشاء لیس بینهما سجدة وصلی المغرب ثلاث رکعات''

(حضرت شہاب سے مروی ہے کہ عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی سجدہ نہیں کیا (یعنی کوئی نفل وغیرہ نہیں پڑھے) اور آپ ﷺ نے مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں)

[مسلم، ۱/ ۴۱۷،باب الإفاضة من عرفات إلی المزدلفة واستحباب صلاتی المغرب والعشاء]

حضرت عائشہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا ''کان أول ما افترض علی رسول

قبل عشاء سنتوں کی رکعتوں کا بیان

عشاء سے پہلے کی چار سنتوں کا ذکر کتب احادیث میں نہیں ہے البتہ فقہ حنفی کی کتاب ''الاختیار لتعلیل المختار لابن المودود'' میں حضرت عائشہ سے مروی درج ذیل روایت نقل کی گئی ہے جس میں عشاء سے قبل چار رکعات سنتوں کا ثبوت موجود ہے

''عن عائشة أنه علیه الصلاة والسلام کان یصلی قبل العشاء أربعا''

(حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء سے پہلے چار رکعت نماز ادا فرماتے تھے)[۱/۷۲]

نماز عشاء کی فرض رکعات

بخاری شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

شکا أهل الکوفة سعدا إلی عمر رضی الله عنه فعزله واستعمل علیهم عمارا ، فشکوا ، حتی ذکروا أنه لا یحسن یصلی ، فأرسل إلیه فقال یا أبا إسحاق إن هؤلاء یزعمون أنک لا تحسن تصلی ؟ قال أبو إسحاق: أما أنا والله فإنی کنت أصلی بهم صلاة رسول الله ﷺ ما أخرم عنها ، أصلی صلاة العشاء ، فأرکد فی الأولیین ، وأخف فی الأخریین''

(کوفہ والوں نے حضرت عمر سے حضرت سعد کی شکایت کی حضرت عمر نے حضرت سعد کو معزول فرمادیا اور عمار کو ان کا گورنر بنادیا انہوں نے حضرت سعد کی بہت زیادہ شکایتیں کیں یہاں تک کہ وہ نماز بھی درست نہیں پڑھاتے

اللہ ﷺ الصلاۃ رکعتان رکعتان إلا المغرب فإنها کانت ثلاثا''

(رسول اللہ ﷺ پر اولاً دو دو رکعت نماز فرض ہوئی سوائے مغرب کے کہ وہ تین رکعت ہوئی)[مسند احمد ۶/۲۷۲]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ مغرب میں فرض نماز تین رکعت ہیں۔

مغرب کی سنت ونفل رکعات کا ثبوت

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں

''صلیت مع رسول اللہ ﷺ .....رکعتین بعد المغرب''

(میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھی)

[صحیح بخاری، ۱/۱۵۶، باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی، صحیح مسلم]

سنن نسائی میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے

''أن رسول اللہ ﷺ کان یصلی بعد المغرب رکعتین فی بیتہ''

(نبی کریم ﷺ مغرب کی نماز کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[سنن نسائی، ۱/۱۰۰، باب الصلاۃ بعد الظھر]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ مغرب کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز سنت (مؤکدہ) ہے۔

اور مؤخر الذکر حدیث سے مغرب کی نماز کے بعد سے عشاء تک بیس رکعت نفل نماز ثابت ہے، اس میں دو رکعت ابتدائی سنت (مؤکدہ) اور اس کے بعد ہمارے یہاں جو دو نفل پڑھے جاتے ہیں اس کی اصل بھی اس میں موجود ہے۔

تھے حضرت عمر نے انہیں بلالیا اور ان سے کہا کہ اے ابو اسحاق یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے تھے حضرت سعد بولے خدا کی قسم ان کے ساتھ میں نے ویسی نماز ادا کی ہے جیسی حضور ﷺ کی نماز ہوتی تھی، چنانچہ میں عشاء کی نماز پڑھاتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں زیادہ دیر لگاتا تھا اور اخیر کی دو رکعت ہلکی پڑھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو اسحاق تم سے یہی امید تھی)

[۱/۱۰۴، باب وجوب القراء ۃ للإمام والمأموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر]

الحاصل: مذکورہ بالا حدیث پاک کی روشنی میں ثابت ہوا کہ عشاء کی فرض نماز چار رکعت ہے۔

عشاء کے بعد کی سنت وتر اور نوافل رکعات

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی فرماتے ہیں

''أن رسول اللہ ﷺ کان یصلی ....بعد العشاء رکعتین''

(رسول اللہ ﷺ عشاء کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے)[صحیح بخاری ، ۱/۱۲۸، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ وقبلھا، صحیح مسلم]

درج بالا حدیث سے فرض کے بعد دو رکعت سنت (مؤکدہ) ثابت ہوتی ہے۔

سنن ابو داؤد میں ہے:

حدثنا زرارۃ بن أوفی أن عائشۃ رضی اللہ عنھا سئلت عن صلاۃ رسول اللہ ﷺ فی جوف اللیل فقالت کان یصلی

صلاة العشاء في جماعة ثم يرجع إلى أهله فيركع أربع ركعات''

(زرارہ بن اوفی سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز سے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ نبی ﷺ عشاء جماعت سے ادافرمانے کے بعد اپنے گھر والوں میں تشریف لے آتے تھے اور چار رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[سنن ابو داود، ۱/۱۹۰، باب صلاة الليل]

اس حدیث پاک سے نماز عشاء کے فرض کے بعد چار رکعت نماز یعنی دو رکعت سنت (مؤکدہ) اور دو نفل کا ثبوت ملتا ہے۔

سنن ترمذی میں حضرت علی سے مروی فرماتے ہیں:

''كان النبي ﷺ يوتر بثلاث... قال أبو عيسى وقد ذهب قوم من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ وغيرهم إلى هذا ورأوا أن يوتر الرجل بثلاث قال سفيان إن شئت أوترت بخمس وإن شئت أوترت بثلاث وإن شئت أوترت بركعة قال سفيان والذى أستحب أن يوتر بثلاث ركعات وهو قول ابن المبارك وأهل الكوفة''

(رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے.....امام ابو عیسی ترمذی فرماتے ہیں علماء صحابہ وغیرہم کی ایک جماعت کا اسی پر عمل ہے کہ وتر میں تین رکعات پڑھی جائیں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ پانچ رکعت تین رکعت ایک رکعت جتنی چاہے پڑھے لیکن میرے نزدیک وتر کی تین رکعتیں پڑھنا مستحب ہے ابن مبارک اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے)

[سنن ترمذی: ۱/۱۰۶، باب في الوتر بثلاث]

جمعہ کی دو رکعت فرض کا بیان

سنن نسائی میں ہے:

''عن عبد الرحمن بن أبي ليلى قال قال عمر صلاة الجمعة ركعتان''

(عبدالرحمن بن ابو لیلی نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا جمعہ کی نماز دو رکعت ہے)

[سنن نسائی، ۱/۱۵۹، باب عدد صلاة الجمعة]

سنن ابو داؤد میں حضرت نافع سے روایت ہے

'' أن ابن عمر رأى رجلا يصلي ركعتين يوم الجمعة في مقامه فدفعه وقال أتصلي الجمعة أربعا''

(حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر نے ایک شخص کو جمعہ کے دن اسی جگہ (جہاں اس نے جمعہ کی دو رکعت نماز ادا کی تھی) نماز ادا کرتے دیکھا تو آپ نے اس کو ہٹایا اور فرمایا کہ کیا جمعہ کی چار رکعت نماز پڑھ رہا ہے (یعنی جمعہ کی نماز تو دو رکعت ہے تو اسی جگہ جہاں پر ابھی جمعہ کی دو رکعت پڑھی ہیں دو اور پڑھ رہا ہے گویا جمعہ کی چار رکعت پڑھ رہا ہے؟)

[سنن ابو دائود، ۱/۱۶۰، باب الصلاة بعد الجمعة]

الحاصل: احادیث کریمہ سے ثابت ہوا کہ جمعہ کی فرض نماز دو رکعت ہے۔

جمعہ کے بعد کی سنتوں کا بیان

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے:

'' قال رسول الله ﷺ إذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعاً''

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز جمعہ پڑھے

سنن نسائی میں حضرت ابی بن کعب سے مروی" أن رسول اللہ ﷺ کان یوتر بثلاث رکعات"

(اللہ کے رسول ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تھے)[سنن نسائی، ۱/۱۹۱، باب کیف الوتر بثلاث]

درج بالا احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز تین رکعت ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت

"أن رسول اللہ...رکع رکعتین وھو جالس بعدالوتر"

(رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دو رکعت نماز بیٹھ کرادا فرماتے تھے)

[سنن ابوداود، ۱/۱۹۱، باب فی صلاۃ اللیل]

الحاصل: احادیث بالا سے ثابت ہوا کہ عشاء کے بعد دو رکعت سنت (مؤکدہ) ہیں دو رکعت نفل اور تین وتر اور پھر دو نفل، یعنی عشاء کے بعد کل سنن و نوافل سوائے تین رکعت وتر واجب کے چھ رکعت ہیں۔

نماز جمعہ سے قبل کی چار سنتیں

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں:

"کان النبی ﷺ یرکع قبل الجمعة أربعا ."

(نبی ﷺ جمعہ سے قبل چار رکعت ادا فرماتے تھے)

[سنن ابن ماجہ: ص ۷۹، باب ماجاء فی الصلاۃ قبل الجمعة]

الحاصل: مذکورہ حدیث پاک سے جمعہ کی فرض نماز سے قبل چار رکعت نماز (سنت مؤکدہ) ادا کرنا ثابت ہے۔

تو اسے چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے)

[مسلم، ۱/۲۸۸ باب فی استحباب اربع رکعات او الرکعتین بعدالجمعة]

درج بالا حدیث سے نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ اور مندرجہ ذیل احادیث سے ان چار رکعت کے علاوہ دو رکعت نماز کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے

"أن رسول اللہ ﷺ...، وکان لا یصلی بعد الجمعة حتی ینصرف فیصلی رکعتین"

(رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد واپس آکر دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[صحیح بخاری، ۱/۱۲۸، باب الصلاۃ بعد الجمعة وقبلھا]

صحیح مسلم میں حضرت سالم سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں

"أن النبی ﷺ کان یصلی بعد الجمعة رکعتین"

(نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے)

[مسلم، ۱/۲۸۸ باب فی استحباب اربع رکعات او الرکعتین بعدالجمعة]

الحاصل: درج بالا احادیث سے جمعہ کے فرض ادا کرنے کے بعد چھ رکعت نماز ادا کرنا ثابت ہے۔ جس میں چار رکعت نماز سنت مؤکدہ اور دو بعد والی سنت غیر مؤکدہ ہے۔ ھذا ما عندی والعلم اتم عنداللہ تعالیٰ۔

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۶/ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

﴿اذان واقامت سے قبل درود شریف پڑھنا اور بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے کی امامت کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام درج ذیل مسائل میں ؛

(۱) ہمارے یہاں اذان اور اقامت سے پہلے مؤذن بلند آواز سے درود شریف پڑھتا ہے اور امام صاحب نماز کے بعد دعا سے پہلے درود شریف پڑھتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ کچھ لوگ اس کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں۔

(۲) ہماری مسجد کے امام صاحب دیوبندی غیر مقلد اور شیعہ حضرات سے خوب میل جول رکھتے ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی محمد ندیم بٹ جامع مسجد میتر اضلع رام بن جموں کشمیر

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

(۱) اذان واقامت سے قبل اور نماز کے بعد دعا سے قبل درود شریف پڑھنا جائز بلکہ مستحب ومستحسن ہے۔ خواہ دھیری آواز میں پڑھیں یا بلند آواز میں۔

جو لوگ اس کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کسی چیز کو حرام قرار دینے کے لئے دلائل درکار ہیں ان سے شرعی دلائل طلب کریں زندگی بھر نہ پائیں گے۔ البتہ اس کے جواز واستحباب پر بے شمار دلائل موجود ہیں چند ایک ملاحظہ فرمائیں۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

بن الناصر محمدبن المنصور قلاوون بامر المحتسب نجم الدین الطنبدی وذلک فی شعبان سنة احدی وتسعین وسبعمائة وکان حدث قبل ذلک فی ایام السلطان صلاح الدین بن ایوب ان یقال قبل اذان الفجر فی کل لیلة بمصر والشام السلام علیک یا رسول اللّٰہ ﷺ واستمر ذلک الی سنة سبع وستین وسبعمائة فزید بامر المحتسب صلاح الدین البرلسی ان یقال "الصلاة والسلام علیک یارسول اللّٰہ ﷺ" ثم جعل عقب کل اذان سنة احدی وتسعین وسبعمائة"

(اذان کے بعد درود وسلام کا سب سے پہلے آغاز شعبان المعظم ۷۹۱ھ میں سلطان حاجی بن اشرف کے دور میں محتسب نجم الدین طلنبذی کے حکم سے ہوا اور اس سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور مبارک میں مصر اور شام کے تمام شہروں میں فجر کی اذان سے پہلے السلام علی رسول اللّٰہ ﷺ پڑھنے کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ ۷۶۷ھ تک جاری رہا اس کے بعد محتسب صلاح الدین برلسی کے حکم پر "الصلاة والسلام علیک یارسول اللّٰہ ﷺ" کا اضافہ کیا گیا اور پھر ۷۹۱ھ سے ہر اذان کے بعد اس کو شروع کر دیا گیا) [الوسائل الی معرفة الاوائل، مخطوطة، ص ۲۰]

علامہ سخاوی اپنی کتاب "القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع" میں فرماتے ہیں

"قد احدث المؤذنون الصلاة والسلام علی رسول اللّٰہ ﷺ عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعة فانهم یقدمون ذلک فیها علی الاذان والا المغرب فانهم

''عن عروۃ بن الزبیر عن امرأۃ من بنی النجار قالت کان بیتی من أطول بیت حول المسجد وکان بلال یؤذن علیه الفجر فیأتی بسحر فیجلس علی البیت ینظر إلی الفجر فإذا رآہ تمطی ثم قال اللهم إنی أحمدک وأستعینک علی قریش أن یقیموا دینک قالت ثم یؤذن قالت واللّٰہ ما علمته کان ترکها لیلة واحدۃ تعنی هذہ الکلمات''

[سنن ابوداؤد ا /٧٧،باب الاذان فوق المنارۃ]

(حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بنی نجار کی ایک صحابیہ خاتون سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مسجد نبوی کے اردگرد جو گھر تھے ان سبھی گھروں کے مقابلے میرا گھر زیادہ بلند تھا۔ حضرت بلال فجر کی اذان اسی پر کہتے تھے وہ پچھلی رات آکر مکان کی چھت پر بیٹھ جاتے اور فجر طلوع ہونے کا انتظار کرتے جب اسے دیکھتے تو انگڑائی لیتے اور یہ کلمات کہتے (اے اللہ !میں تیری حمدوثنا بیان کرتا ہوں اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں اس بات پر کہ قریش تیرے دین کو قائم کریں) پھراذان کہتے ۔وہ صحابیہ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتی کہ انہوں نے کسی رات یہ کلمات ترک کئے ہوں ۔)

اس حدیث سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اذان سے پہلے بلند آواز سے قریش کے لیے دعا کرنا ثابت ہوا۔ ہر عقلمند جانتا ہے کہ درودوسلام بھی دعا ہی ہے توجب قریش کے لئے اذان سے پیشتر دعا مانگی جاسکتی توسردارقریش ،،قریش کی جان محمد ﷺ کے حق میں دعا بھلا کیوں ناجائز ہوسکتی ہے؟

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

''اول مازیدالصلاۃ والسلام بعدکل اذان علی المنارۃ فی زمن السلطان المنصورحاجی بن الاشرف شعبان بن حسین

لایفعلونه اصلالضیق وقتهاوکان ابتداء حدوث ذلک من ایام السلطان الناصرصلاح الدین ابی المظفریوسف بن ایوب وامرہ ...وقداختلف فی ذلک هل هومستحب اومکروہ بدعة اومشروع ...والصواب انه بدعة حسنة یوجرفاعله بحسن نیته''

(موذن حضرات نے پانچوں نمازوں میں اذان کے بعد نبی کریم ﷺ پر درودوسلام پڑھنے کا آغاز کیا فجر اور جمعہ کی اذان سے پہلے درودوسلام پڑھتے تھے اور مغرب میں وقت تنگ ہونے کے سبب نہیں پڑھتے تھے اس کی ابتداء سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کے دور میں ان کے حکم سے ہوئی۔اس کے مستحب اور مکروہ ،بدعت، جائز، ہونے میں علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن ٹھیک یہ ہے کہ وہ بدعت حسنہ ہے اچھی نیت سے کرنے والا اجر پائے گا)[صفحہ۱۹۵،۱۹۶،مطبع دارالریان]

دیوبندی مشہور عالم زکریا کاندھلوی اپنی کتاب فضائل اعمال میں فتاوی شامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''علماء نے تصریح کی ہے اس کے استحباب کی جمعہ کے دن.....اذان کے جواب کے بعد اور تکبیر کے وقت اور دعا مانگنے کے شروع میں بیچ میں اور اخیر میں'' [فضائل اعمال،فضائل درودشریف،ص٦٧]

اعلی حضرت اقامت سے پیشتر درودشریف پڑھنے سے متعلق رقمطراز ہیں:

''درودشریف قبلِ اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درودشریف کی آواز آوازِ اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درودشریف جزءِ اقامت نہ معلوم ہو، رہا زید کا عمرو پر اصرار کرنا وہ اصلاً کوئی وجہ شرعی نہیں رکھتا یہ زید کی زیادتی ہے۔''

فتاوی فیض الرسول میں ہے:

''اذان واقامت سے پہلے درودشریف پڑھنا جائز ہے مگر درودشریف پڑھنے کے بعد قدرے ٹھہر جائے پھر اذان واقامت پڑھے تاکہ دونوں کے درمیان فصل ہوجائے یا درودشریف کی آواز اذان واقامت کی آواز سے پست رہے تاکہ امتیاز رہے'' [۱/۱۸۰]

اور رہا نماز کے بعد دعا سے پیشتر درودشریف پڑھنا تو یہ تو دعا کی مقبولیت کی دلیل ہے بارگاہ رسالت سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ترمذی شریف میں ہے:

''عن فضالة بن عبيد قال : بينا رسول الله صلى الله عليه و سلم قاعدا إذ دخل رجل فصلى فقال اللهم اغفر لي وارحمني فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم عجلت أيها المصلي إذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو أهله وصل على ثم ادعه قال ثم صلى رجل آخر بعد ذلك فحمد الله وصلى على النبي صلى الله عليه و سلم فقال له النبي صلى الله عليه و سلم أيها المصلي ادع تجب '

(حضرت فضالہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آکر نماز ادا کی پھر ان الفاظ سے

''اللهم اغفر لي وارحمني'' دعا کی نبی ﷺ نے فرمایا او نمازی تونے جلدی کی جب تو نماز پڑھے تو بیٹھ جا اور اللہ کی حمد وثنا بیان کر اس کی شان کے مطابق اور پھر مجھ پر درود پڑھ پھر دعا مانگ حضرت فضالہ کہتے ہیں کہ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی اللہ کی حمد کی اور نبی ﷺ پر درود بھیجا نبی ﷺ نے فرمایا اے نمازی دعا کر تیری دعا قبول کی جائے گی) [ترمذی شریف]

﴿بدمذہب کی نماز جنازہ بدمذہب امام کی اقتداء میں پڑھنا کیسا؟﴾

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) ہمارے گاؤں گلڑ یا میں ایک دیوبندی کا انتقال ہوگیا اس کی نماز جنازہ بھی دیوبندی امام نے پڑھائی کچھ سنی حضرات نے نماز جنازہ میں شرکت بھی کی مٹی بھی اور اس کے لئے ایصال ثواب بھی کیا شریعت میں ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ نیز جن لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی ان میں سے ایک شخص مسجد میں اذان واقامت بھی پڑھتا ہے تو کیا اس کی اذان واقامت درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

محمد ریاست علی، محمد وسیم احمد، محمد سلیم گلڑ یالہری کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کے سبب دائرہ اسلام سے خارج ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھنا اگر انہیں مسلمان سمجھ کر ہے تو پڑھنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے اس پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید بیعت، اور تجدید نکاح لازم وضروری ہے اور اگر لاعلمی میں یا انہیں کافر جانتے ہوئے پڑھے تو سخت گنہگار ہے اس پر توبہ لازم ہے۔

قرآن مقدس میں ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ

[سورہ توبہ آیت ۸۴]

الحاصل: درود وسلام خواہ اذان سے پہلے پڑھا جائے یا اذان کے بعد اقامت سے پہلے پڑھیں یا نماز کے بعد ہر طرح جائز ومستحب اور باعث برکت ہے۔

(۲) جو امام بدمذہبوں سے میل جول رکھتا ہے اگر ان کے عقائد کفریہ سے متفق بھی ہے تب تو وہ بھی کافر وبدمذہب ہے۔ اور اگر ان کے عقائد کفریہ سے متفق نہیں بلکہ ان کو گمراہ وکافر تسلیم کرتا ہے لیکن ان سے میل جول رکھتا ہے تو ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق امام کی اقتداء ناجائز وحرام ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے

''إمامة الفاسق مكروهة تحريما''

(فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے)[۳۰۲،فصل فی بیان احق بالامامة]

امداد الفتاح شرح نور الایضاح میں ہے:

''كره إمامة الفاسق العالم لانه لايهتم لامردينه ولان فی تقديمه للامامة تعظيمه وقدوجب إهانته شرعا''

(فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے اس لئے کہ وہ اپنے دینی معاملات کا اہتمام نہیں کرتا اور اس لئے کہ اس کو امامت کے لئے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ از روئے شرع اس کی توہین واجب ہے)

[ص ۳۴۲فصل فی بیان احق بالامامة]

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ

کتبـــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی ککرالوی

مؤرخہ/ ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

(اوران میں سے کسی کی میّت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک اللہ اور رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے)

حضور صدر الافاضل اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس آیت میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے جنازے کی نماز اور ان کے دفن میں شرکت کرنے سے منع فرمایا گیا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کافر کے جنازے کی نماز کسی حال میں جائز نہیں اور کافر کی قبر پر دفن وزیارت کے لئے کھڑے ہونا بھی ممنوع ہے'' [کنز الایمان، سورہ توبہ آیت ۸۴]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''فلاتؤاكلوهم ولا تشاربوهم ولا تجالسوهم ولاتصلواعليهم ولاتصلوامعهم''

(بدمذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو)[كنز العمال ۱۱/ ۵۴۰]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جسے یہ معلوم ہو کہ دیوبندیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے پھر ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اسے مسلمان نہ کہا جائے گا کہ پیچھے نماز پڑھنا اس کی ظاہر دلیل ہے کہ ان کو مسلمان سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کو مسلمان سمجھنا کفر ہے اسی لئے علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق دیوبندیوں کو کافر مرتد لکھا اور صاف فرمایا کہ ''من شك فی كفره وعذابه فقد كفر'' جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ جو ان کے عقائد پر مطلع ہو کر انہیں مسلمان جاننا درکنار ان کے کفر میں شک ہی کرے وہ بھی کافر اور جن کو اس کی خبر نہیں اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ یہ برے لوگ بدعقیدہ بدمذہب ہیں وہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے سخت اشد

گنہگار ہوتے ہیں اوران کی وہ نمازیں سب باطل وبیکار‘‘

الحاصل:۔صورت مسئولہ میں دیوبندی کی نماز جنازہ دیوبندی امام کے پیچھے پڑھنے والوں نے اگرمیت اورامام دونوں کومسلمان سمجھ کر پڑھی ہے تووہ لوگ توبہ،تجدیدایمان،تجدیہ بیعت،اورتجدیدنکاح کریں،اورجن لوگوں نے میت اورامام دونوں کوان کے عقائدکفریہ کے سبب کافرہی جانالیکن رسماًیاکسی اورسبب سے جنازہ میں شرکت کی وہ توبہ واستغفارکریں،اورجب تک وہ توبہ نہ کریں ہرگزان کے لئے اذان اوراقامت پڑھناجائزنہیں ہے۔ھٰذاماعندی والعلم عندالله تعالیٰ۔

کتبــه

محمدذوالفقارخان نعیمی

۱۴/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

امام کاحافظ قرآن ہوناضروری نہیں

محترم القام واجب الاحترام جناب مفتی صاحب!سلام مسنون

بعدۂ عرض یہ ہے کہ ایک امام ایساہے کہ جس پرلوگوں کوقرآن یادہونے پراختلاف ہے اکثرلوگوں کاخیال یہ ہے کہ ان کوقرآن یادنہیں ہے لھٰذابتائیں کہ ایسےامام کی اقتداجائزہے یانہیں؟اوراس کوامامت سےاسی وجہ سےہٹانادرست یانہیں؟ازروئےشرع جواب دیں۔

المستفتی عبدالغفارگلڑیالہیرکاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحیم نحمده ونصلی علیٰ حبیبه الکریم

مذہب،نہ اس کی طہارت یاقرأت یااعمال وغیرہ کی وجہ سےکوئی وجہ کراہت، بلاوجہ اس کومعزول کرناممنوع ہےحتی کہ حاکم شرع کواس کااختیارنہیں دیاگیا۔ردالمختارمیں ہے’’**لیس للقاضی عزل صاحب وظیفة بغیر جنحة**‘‘،یعنی بلاوجہ شرعی قاضی بھی امام کومعزول نہیں کرسکتا‘‘[فتاوی رضویہ قدیم،۳/۲۴۱]

الحاصل:اگرامام میں کوئی شرعی کمی نہیں ہےتواتنی سی بات پرکہ لوگوں کاخیال ہےامام کوقرآن یادنہیں،امام کی اقتدانہ کرنااورانہیں امامت سےمعزول کرناجائزنہ ہوگا۔

کتبــه

محمدذوالفقارخان نعیمی

۱۷/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

مکروہ اوقات کابیان اورفجرکامستحب وقت

محترم مفتی صاحب السلام علیکم!آپ کی خدمت میں کچھ سوال پیش کررہاہوں جواب دےکرممنون فرمائیں؛

(۱) نمازکےمکروہ وقتوں کےبیان میں طلوع آفتاب،غروب آفتاب اورنصف النہاران تینوں وقتوں میں نمازپڑھناجائزنہیں نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ نفل نہ ادانہ قضانہ سجدہ سہونہ سجدہ تلاوت معلوم یہ کرناہےکہ طلوع آفتاب اورغروب آفتاب کامطلب سورج کاپوری طرح نکل آنااورڈوب جاناہےیاسورج نکلنےاورڈوبنےکاابتدائی وقت مرادہے؟

صورت مسئولہ میں امام میں کوئی ایسی کمی نہیں جس کے سبب ان کی اقتدا ناجائز ہو یا انہیں امامت سے ہٹایا جائے، مکمل قرآن کا یاد ہونا امام کے لئے ضروری نہیں ہے، بس اس قدر قرآن یاد ہو کہ نماز میں قراءت مسنونہ ادا ہو جائے کافی ہے۔

بحرالرائق میں ہے:

”حافظا من القرآن قدر ما تقوم به سنة القراء ة وقيده المصنف في الكافي بأن يكون حافظا قدر ما تجوز به الصلاة، وينبغي أن يكون المختار قولا“

(قراءت مسنونہ کی مقدار حافظ قرآن ہو اور مصنف نے کافی میں مقید کیا اسے کہ امام اتنے قرآن کا حافظ ہو جس سے نماز جائز ہو جائے اور مناسب ہے کہ یہی قول مختار ہو)[۱/۶۰۷، باب الامامة]

فتاوی ہندیہ میں ہے:

”الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة هكذا في المضمرات وهو الظاهر هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراء ة قدر ما تقوم به سنة القراء ة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه كذا في الكفاية وهكذا في النهاية“

(امامت کے سلسلے میں وہ شخص زیادہ بہتر ہے جو احکام نماز لوگوں سے زیادہ جانتا ہو ایسا ہی مضمرات میں ہے اور یہی ظاہر ہے یہ بحرالرائق میں لکھا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وہ قراءت بھی بقدر مسنون جانتا ہو ایسا ہی تبیین میں ہے)[فتاوی هندیه، ۱/۸۳، فصل فی بیان احق بالامامة]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”اگر واقع میں امام اول نہ وہابی ہے نہ غیر مقلد نہ دیوبندی نہ کسی قسم کا بد

(۲) فجر کی نماز کس وقت پڑھنا مستحب ہے؟

مقبول انصاری پنت نگر
کوارٹر نمبر ۶۹۶، پنت نگر ضلع اودھم سنگھ نگر
۲۵/مارچ ۲۰۱۴ء

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

(۱) جس وقت سے سورج نکلنا شروع ہو اُس وقت سے لے کر سورج کے ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جانے تک کے وقت کو طلوع آفتاب سے اور جب سورج سرخ ہو جائے اس پر نگاہ ٹھہرنے لگے اس وقت سے سورج بالکل ڈوب جانے تک کے وقت کو غروب آفتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور علمائے کرام کے تجربات کے مطابق یہ وقت بیس (۲۰) منٹ کا ہوتا ہے یعنی طلوع آفتاب بیس منٹ اور غروب آفتاب بھی بیس منٹ۔ ان دونوں وقتوں میں کوئی نماز جائز نہیں البتہ غروب آفتاب کے وقت اس دن کی عصر پڑھنے کی اجازت ہے لیکن بلا عذر تاخیر ناجائز ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

حد الطلوع قدر رمح اور محين وفي المصفىٰ مادام يقدر على النظر الى قرص الشمس فهي في الطلوع لاتباح الصلاة فاذا عجز عن النظر يباح.

طلوع شمس کی حد سورج کا ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جانا ہے اور مصفی میں ہے جب تک سورج کی ٹکیہ پر نگاہ کرنے پر قادر ہے تو سورج طلوع میں ہے اس میں نماز جائز نہیں اور جب نگاہ کرنے سے عاجز آ جائے تو اس وقت نماز جائز ہے)[باب الاوقات التی تکره فیها الصلاة، ۱/۹۷]

محیط برہانی میں ہے:

اذاطلعت حتی ارتفعت قدررمحین اوقدررمح تباح الصلاة وکان الشیخ الامام الجلیل ابوبکرمحمدبن الفضل رحمہ اللہ یقول مادام الانسان یقدرعلی النظرالی قرص الشمس فالشمس فی الطلوع لا تباح فیہ الصلاةفاذاعجزعن النظرتباح فیہ الصلاةوقال الشیخ الامام ابو محمد عبداللہ بن الفضل مادامت الشمس محمرة اومصفرةعلی رؤوس الحیطان والجبال والاشجارفھی فی الطلوع فلاتحل الصلاةفاذاابیضت فقد طلعت وحلت الصلاة.

جب سورج طلوع ہو یہاں تک کہ ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جائے تو نماز جائز ہے اور شیخ ابوبکر محمد بن فضل نے فرمایا کہ جب تک انسان سورج کی ٹکیہ پر نگاہ کرنے پر قادر ہو تو سورج طلوع میں ہے اس میں نماز جائز نہیں جب نگاہ کرنے سے عاجز آ جائے تو اس وقت نماز جائز ہے اور شیخ ابو محمد عبداللہ بن فضل نے فرمایا کہ جب تک دیواروں کے سروں پر اور پہاڑوں اور پیڑوں پر سورج سرخ یا زرد رہے تو وہ طلوع میں ہے تو نماز جائز نہیں جب سفید ہو جائے تو سورج طلوع ہو چکا، اب نماز جائز ہے۔ [۱/۳۸۷،الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی تکرہ فیھاالصلاة]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ثلاث ساعات لاتجوزفیھاالمکتوبة ولاصلاة الجنازة ولاسجدة التلاوة اذاطلعت الشمس حتی ترتفع وعندالانتصاف الی ان تزول وعنداحمرارھاالی ان تغیب الاعصریومہ ذلک فانہ یجوز اداؤہ عندالغروب ھکذافی فتاوی قاضی خان"

میں شک پڑ جائے بلکہ اس قدر اجالا ہو جانے پر نماز پڑھے کہ اگر نماز کا فساد ظاہر ہو تو دوبارہ وقت کے اندر قراءت مستحبہ کے ساتھ نماز لوٹانا ممکن ہو ایسا ہی تبیین میں ہے۔[۱/۵۲،۵۳الفصل الثانی فی بیان فضیلة الاوقات]

فتاویٰ شامی میں ہے:

حدالاسفاران یمکنہ اعادة الطھارة ولومن حدث اکبرکمافی النھر والقھستانی واعادة الصلاة علی الحالة الاولی قبل الشمس.

اسفار کی حد یہ ہے کہ طہارۃ اگر چہ حدث اکبر سے ہو اس کا اعادہ ممکن ہو جیسا کہ نہر اور قہستانی میں ہے اور نماز کا اعادہ بہتر طریقہ پر سورج نکلنے سے قبل ممکن ہو۔ [کتاب الصلاة،۲/۲۴]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"آج صبح کا جتنا وقت ہے اس کا نصف اول چھوڑ کر نصف ثانی سے وقت مستحب شروع ہوتا ہے کما فی البحرالرائق وغیرہ اور اس میں بھی جس قدر تاخیر ہو افضل ہے...... مگر نہ اس قدر کہ طلوع میں شبہ پڑ جائے اتنا وقت رہنا اولی کہ اگر نماز میں کوئی فساد ہو تو وقت میں مسنون طور پر اعادہ ہو سکے"

مزید دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"رہا یہ کہ حد اسفار کی کیا ہے بدائع وسراج وہاج سے ثابت کہ وقت فجر کے دو حصے کیے جائیں حصہ اول تغلیس اور آخر میں اسفار ہے اور امام حلوائی وقاضی امام ابوعلی نسفی وغیرہما مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت شروع کرے کہ نماز بقراءت مسنونہ ترتیل واطمینان کے ساتھ پڑھ لے بعدہ

تین اوقات جن میں فرض نماز، نمازِ جنازہ اورسجدہ تلاوت جائزنہیں جب سورج طلوع ہو یہاں تک کہ بلند ہوجائے اورسورج کے قائم ہونے کے وقت سے زوال تک اورسورج کے سرخ ہونے سے لے کراس کے ڈوبنے تک مگراس دن کی عصرکہ اس کاادا کرنا سورج ڈوبنے کے وقت تک جائزہے ایساہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے)[الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی لاتجوزفیھاالصلاۃ وتکرہ فیھا، ۱/۵۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

’’تجربہ سے یہ وقت بیس منٹ ثابت ہواہے توجب سے آفتاب کی کرن چمکے اس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائزاوروقت کراہت ہوااوراُدھرجب غروب کوبیس منٹ رہیں وقت کراہت آجائے گااورآج کی عصرکے سواہرنمازمنع ہوجائے گی۔‘‘ [فتاوی رضویہ قدیم ،۲/۲۱۵]

(۲) فجر کی نماز کا مستحب وقت

حدیث شریف میں ہے:

اسفروابالفجرفانہ اعظم للاجر.

فجر کی نمازخوب اُجالا کرکے پڑھواس میں زیادہ ثواب ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

یستحب تاخیرالفجرولایؤخرھابحیث یقع الشک فی طلوع الشمس بل یسفربھابحیث لوظھرفسادصلاتہ یمکنہ ان یعیدھا فی الوقت بقراءۃ مستحبۃ کذافی التبیین.

فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر نہ کرے کہ طلوع شمس

نسیان حدث پر متنبہ ہوتووضوکرکے پھراسی طرح پڑھ سکے اورہنوز آفتاب طلوع نہ کرے۔‘‘ [فتاوی رضویہ قدیم ۲/۳۶۰،۳۶۵]واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۱۹/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

کلماتِ اذان واقامت کی ادائیگی کا سنت طریقہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ کیا اذان میں اللہ اکبراوردیگرکلمات اذان کومجزوم پڑھاجائے گایامتحرک شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

(قاری) محمد عمر

(خطیب وامام) جامع مسجد بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اذان میں اللہ اکبرکی راءاوردوسرے کلمات اذان کا آخری حرف ساکن پڑھاجائے گا۔فتاویٰ شامی میں ہے:

وحاصلھاأن السّنۃ أن یسکنَ الرّاء من اللّٰہ اکبرالاوّل او یصلھا باللّٰہ اکبرالثّانیۃفان سکنھاکفٰی وان وصلھانوی السکون فحرّک الرّاء بالفتحۃ فان ضمھاخالف السنۃ

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی اللہ اکبرکی راءکوساکن کرنا سنّت ہے یا وصل کرے پہلی اللہ اکبرکادوسری سے تواگرساکن کرے کافی ہے اوراگروصل

کرے تو سکون کی نیت کرے پس راء کو فتحہ کی حرکت دے پس اگر ضمہ دیا خلاف سنّت کیا۔ [ردالمحتار ۲/ ۵۲، کتاب الصلاۃ باب الاذان]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والترسل أن یقول اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ویقف ثم یقول مرۃً اخری مثلہ وکذالک یقف بین کلّ کلمتین الی آخر الاذان ..... ویسکن کلماتھما علی الوقف.

اور ترسل یہ ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہے اور وقف کرے پھر دوسری مرتبہ اسی کے مثل کہے۔ اور ایسے ہی ہر دو کلموں کے درمیان وقف کرے اذان کے آخر تک اور اذان و اقامت کے کلمات وقف پر ساکن کرے۔

[الفتاوی الھندیہ، ۱/ ۵٦، الفصل الثانی فی کلمات الاذان]

مراقی الفلاح میں ہے:

ویجزم الراء فی التکبیر ویسکن کلمات الاذان والاقامۃ فی الاذان حقیقۃ وینوی الوقف لقولہ ﷺ الاذان جزم والتکبیر جزم والاقامۃ جزم.

اور تکبیر میں راء کو جزم کرے اور اذان و اقامت کے کلمات ساکن کرے اذان میں حقیقۃً اور وقف کی نیت کرے نبی ﷺ کے فرمان اذان اور تکبیر اور اقامت جزم ہے، کی وجہ سے) [۱۳۲/۱]

الحاصل: کلمات اذان و اقامت کو مجزوم پڑھنا ہی درست و مشروع ہے۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۹/ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

کے پیچھے اس کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو جاؤ) [مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ باب تسویۃ الصف، ۳/ ۱۶۲]

حدیث شریف کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ وسط صف ہے، نا کہ محراب۔ محراب تو درحقیقت وسط مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بتانے کے لیے موضوع ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وھی قدعینت لمقام الامام.

(محراب مساجد کے بیچ میں ہوتے ہیں اور وہ امام کی جائے قیام کے لئے متعین ہیں) [کتاب الصلاۃ باب الامامۃ ۲/ ۳۱۰]

اور اس کا مسجد کے وسط میں ہونا ہی سنت متوارثہ ہے تو اگر محراب غلطی سے غیر وسط میں بن جائے تو اس میں امام کھڑا نہ ہو۔ یوں ہی مسجد کے جس حصہ میں بھی نماز پڑھی جائے تو وسط صف کا لحاظ ہوگا نہ کہ محراب کی رعایت۔ کیوں کہ امام کا درمیان صف میں کھڑا ہونا سنّت ہے اور غیر وسط میں موجود محراب کی رعایت کرتے ہوئے غیر وسط میں کھڑے ہونے سے سنّت کا ترک لازم آ رہا ہے جو مکروہ ہے فتاوی شامی میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ اور امام بکر خواہر زادہ کی مبسوط کے حوالے سے ہے:

السنۃ ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان لو قام فی احدجانبی الصف یکرہ.

چند سطور بعد فرماتے ہیں:

السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف.

[فتاویٰ شامی کتاب الصلاۃ باب الامامۃ ۲/ ۳۱۰]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

غیر وسط میں محراب کی رعایت جائز نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ ہماری مسجد کا محراب بیچ صف میں نہیں ہے بلکہ دو چار فٹ ہٹ کر ہے امام صاحب اس میں نماز پڑھاتے ہیں اور اگر کبھی پہلی صف میں نماز پڑھاتے ہیں تو نہ محراب کے مقابل کھڑے ہوتے ہیں اور نہ درمیانِ صف میں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ درمیان صف میں کھڑے ہوا کریں تو وہ کہتے ہیں یہی ٹھیک ہے ۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام صاحب کا محراب میں یا درمیان صف سے ہٹ کر نماز پڑھانا از روئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی

حاجی عبدالواحد انصاری پاکیزہ مسجد کچہری کے پاس کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

حدیث شریف میں ہے:

توسطوا الامام۔

امام کو بیچ میں کھڑا کرو۔

ملا علی قاری طیبی کے حوالہ سے اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای اجعلوا امامکم متوسطا بان تقفوا فی الصفوف خلفه وعن یمینه وشماله

یعنی اپنے امام کو درمیان میں کھڑا کرو اس طور پر کہ تم صفوں میں امام

وینبغی للامام ان یقف بازاء الوسط فان وقف فی میمنة الوسط اوفی میسرته فقد اساء لمخالفة السنة.

[ج ۱،ص ۸۹، الفصل فی بیان مقام الامام والماموم]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

امام کے لئے سنت متوارثہ کہ زمانہ اقدس رسالت سے اب تک معہود ہے وسط مسجد میں قیام ہے کہ صف پوری ہو تو امام وسط صف میں ہو اور یہی جگہ محراب حقیقی ومتوارث ہے محراب صوری کہ طاق نما ایک خلا وسط دیوار قبلہ میں بنانا حادث ہے اسی محراب حقیقی کی علامت ہے یہ علامت اگر غلطی سے غیر وسط میں بنائی جائے اس کا اتباع نہ ہوگا مگر مراعات توسط ضروری ہوگی کہ اتباع سنت وانتفائے کراہت وامتثال ارشاد حدیث ''توسطوا الامام''

[فتاوی رضویہ جدید، ۷/ ۳۷]

الحاصل: امام صاحب کو چاہیے کہ محراب میں نماز پڑھائیں یا مسجد کے کسی اور حصہ میں لیکن درمیان صف کا لحاظ ضرور رکھیں، شریعت کے معاملہ میں لاپرواہی سے کام نہ لیں، بہارِ شریعت وغیرہ کتب مسائل کو مطالعہ میں رکھیں اپنی اور مقتدیوں کی نماز کی حفاظت کریں۔

ھٰذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ

کتبــــــــــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۵/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

امام کا محراب سے ہٹ کر نماز پڑھانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام وحامیان دین مسئلہ ذیل میں کہ محراب سے باہر نکل کر امام صاحب کا نماز پڑھانا سنت کے مطابق ہے یا کہ خلاف یا کیا؟ اگر سنت کے خلاف ہو تو حدیث کے خلاف عمل کرنے پر کیا وعید آئی ہے؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت درکار ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی عبدالغفور مراد آباد

۲۲ر جولائی ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

امام ابن عابدین شامی درمختار کے حاشیہ میں فتاوی تاتارخانیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

وفي التاترخانيه :ويكره أن يقوم في غير المحراب الالضرورة و مقتضاه أن الامام لوترك المحراب وقام في غيره يكره ولوكان قيامه وسط الصف لانه خلاف عمل الأمة.

اورتا تارخانیہ میں ہے کہ امام کا محراب چھوڑ کر کھڑا ہونا بلاضرورت مکروہ ہے اوراس کا مقتضی یہ ہے کہ اگرامام محراب چھوڑ کر دوسری جگہ کھڑا ہوگیا تو مکروہ ہے اگرچہ بیچ صف میں ہی کھڑا ہواس لئے کہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے۔

[کتاب الصلاة باب مايفسدالصلاة ومايكره فيها، ۲/۴۱۵]

اورحاشیہ الطحاوی علی الدرالمختار میں ہے:

ایں ہمہ ھا دلیل روشن است برآنکہ اصل مقصود توسیط امام ست نہ نفس قیام فی المحراب آرے غالب آنست کہ محراب مقام تعادل طرفین ست چوں صف کامل باشد خودظاھر ست وآں گاہ بترک محراب ترک سنت مقصودہ بالفعل نقدوقت ست ورنہ درعامہ مساجد استکمال صف بہ پس آیند گاں مرجو متوقع می باشد وزیادتش بنہجیکہ توسط موجودازھم باشد پس ترک محراب تعرض بترک سنت ومخالف عمل امت بود واحکام فقھیہ برامور غالبہ انسحاب یابدازیں امرحکم بہ سنیت قیام فی المحراب کردہ اند۔

یہ سب اس بات پر روشن دلیل ہیں کہ اصل مقصود امام کا درمیان میں کھڑا ہونا ہے محراب میں کھڑا ہونا مقصود نہیں، ہاں اغلب یہی ہے کہ محراب ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں دونوں جانبوں میں برابری ہوتی ہے۔ جب صف مکمل ہو تو خود ظاہر ہے کہ اس وقت محراب کو چھوڑنا موقعہ پر سنت مقصودہ کو ترک کرنا یعنی وسط کا ترک لازم آئے گا، ورنہ عام مساجد میں بعد میں آنے والے حضرات سے صف کا مکمل ہونا متوقع ہوتا ہے اور صف سے زائد بھی ہو سکتے ہیں لیکن توسط موجود ہونے پر کوئی حرج نہیں پس اس صورت میں محراب کو ترک کرنا سنّت کا ترک اورامت کی مخالفت ہوگی۔ اوراحکام فقہیہ اکثر طور پر امورِغالبہ پر جاری کیے جاتے ہیں اسی وجہ سے امام کے محراب میں کھڑے ہونے کوسنت قرار دیا گیا ہے'' [مرجع سابق ،ص ۳۳۵]

آگے فرماتے ہیں:

اقول انچہ بالاگفتہ ایم غایت توجیہ کلام آں فاضل

سئل عما اذا صلی فی غیر المحراب الذی عینه الواقف للامام قال الحموی رأیت فی فتاوی الشمس الغزی أنه لم یر نصاً فی الکتب علی ذالک اه والظاهر أنه مکروه لفوات غرض الواقف

اس بارے میں سوال کیا گیا کہ اگر محراب جس کو واقف نے امام کے لئے معین کیا ہے اس کے غیر میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا امام حموی نے فرمایا کہ میں نے فتاوی شمس غزی میں دیکھا کہ انہوں نے اس پر کوئی نص کتابوں میں نہیں دیکھی الخ اور ظاہر یہ کہ وہ واقف کی غرض کے فوت ہونے کے سبب مکروہ ہے) [۱/۲۷۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فاقول محقق سامی علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ در ہر دو باب کلام امام امام الکلام و کلمات علمائے کرام ازمبسوط ودرایہ و تاتار خانیہ آوردہ مقتضایش وانمودکہ قضیہ این سخن کراہت ترک محراب است مرامام رامطلقاً اگرچہ میانۂ صف ایستد"

میں کہتا ہوں محقق سامی علامہ شامی نے دونوں مقامات پر امام کی گفتگو جو کلام کی امام ہے اور دیگر فقہاء کرام کی مبسوط، درایہ اور تا تارخانیہ کے حوالے سے جو عبارات نقل کی ہیں ان کا مقتضی یہ ہے کہ امام کے لئے محراب کا ترک ہر حال میں مکروہ ہے خواہ صف کے درمیان ہی میں کھڑا ہو۔ [فتاویٰ رضویہ جدید، ۷/۳۳۱]

مزید فرماتے ہیں:

علام بودوهنوز گل نظرے دمیدن دارد ماثور وموروث چنانکه دانی همان قیام امام درمحراب حقیقی ست وآں مقام اشرف موضع وصدر مسجد ست چنانکه شنیدی پس ترک اوبے عذر شرعی عدول ازافضل وخلاف متوارث العمل۔

میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس فاضل علام کے کلام کی غایت توجیہ ہے اور جو کچھ منقول و متوارث ہے وہ امام کا محراب حقیقی میں قیام ہے اور وہ مقام سب سے اعلیٰ اور صدر مسجد ہوتا ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے لہذا اس کا ترک بغیر کسی عذر کے افضل سے اعراض اور متوارث عمل کے خلاف ہے) [مرجع سابق، ص ۳۵۴]

عبارات مذکورہ سے صاف ظاہر ہوگیا کہ امام کا محراب سے ہٹ کر نماز پڑھانا مکروہ، خلافِ سنت عمل متوارث کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبـــه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۵/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

امام اور مقتدی کے درمیان شیشے کے دروازے مانع اقتدا نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں ہماری مسجد میں اندر کے حصہ میں (AC) اے سی لگا ہوا ہے، جس کی وجہ سے اندر کے دروازے جو شیشے کے ہیں بند کرنے پڑتے ہیں مگر وہ اس طرح بند ہوتے ہیں کہ آنے جانے والے آجا سکتے ہیں تو ایسی صورت میں جو لوگ صحن میں نماز ادا کرتے ہیں ان کی نماز میں کوئی خرابی تو لازم نہیں آتی؟ حکم شرع بیان فرمائیں۔

(قاری) محمد قاسم (خطیب وامام) چاندوالی مسجد سابق تھانہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صحن میں موجود نمازیوں پر اگر امام صاحب یا دیگر مقتدیوں کے حالات مشتبہ نہ ہوں وہ انہیں دیکھ پا رہے ہوں اور امام یا مکبر کو سن پا رہے ہوں تو نماز بلا کراہت ہوجائے گی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ویصح ان کان صغیرالایمنع اوکبیراوله ثقب لا یمنع الوصول وکذااذاکان الثقب صغیرایمنع الوصول الیه لکن لایشتبه علیه حال الامام سماعااوروية هوالصحيح و اما اذا كان الحائط صغير ايمنع ولكن لايخفى حال الامام فمنهم من قال يصح الاقتداوهوالصحيح هكذا فى المحيط وان كان فى الحائط باب مسدودقيل لايصح الاقتدالانه يمنعه من الوصول وقيل يصح لان وضع الباب للوصول فيكون المسدود كالمفتوح هكذافى محيط السرخسى"[۱/۸۸]

اگر امام اور مقتدی کے درمیان چھوٹی دیوار ہو جو مقتدی کو امام تک پہونچنے سے نہ روکے یا بڑی دیوار ہو لیکن اس میں سوراخ ہو جو مقتدی کو امام تک پہنچنے میں مانع نہ ہو تو اقتدا صحیح ہے اور ایسے ہی اقتدا صحیح ہے جب کہ سوراخ چھوٹا ہو جو امام تک پہنچنے سے روکے لیکن امام کا حال سننے اور دیکھنے کے اعتبار سے مقتدی پر مشتبہ نہ ہو یہی صحیح ہے اور جب دیوار چھوٹی ہو اور وہ امام تک پہنچنے سے مانع ہو لیکن امام کا حال مقتدی پر مشتبہ نہ ہو تو بعض علماء نے فرمایا اقتدا صحیح ہے اور یہی صحیح ہے۔ ایسا ہی محیط میں ہے اور اگر دیوار میں

ہوسکتا ہے حضور کی بارگاہ میں عرض ہے کہ زید اور ان کے متبعین جو مستحق کفر کی اقتداء کرتے ہیں یا جو جانتے ہوئے خاموش رہتے ہیں ان سب کو کس عقیدہ کا سمجھنا چاہیے، حضرت کی بارگاہ میں التماس ہے کہ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

مستفتی (مولانا) احمد اللہ، کویت۔

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دیوبندی وہابی اپنے عقائد خبیثہ کے سبب کافر ومرتد ہیں نہ ان کا ایمان ایمان ہے نہ ان کی نماز نماز ہے۔ ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنا ناجائز وحرام ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

روى عن أبى حنيفة وأبى يوسف أن الصلاة خلف أهل الأهواء لاتجوز.

اسی میں ہے

فلا تجوز الصلاة خلف المبتدع[۲/۱۰۰،۱۰۲]

اعلیٰ حضرت شرح عقائد کے حوالے سے فرماتے ہیں:

مانقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف المبتدع فمحمول على الكراهة اذلاكلام فى كراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع هذااذالم يؤد الفسق والبدعة الى حد الكفر اما اذا ادى اليه فلا كلام فى عدم جواز الصلاة خلفه.

بعض اسلاف سے یہ جو منقول ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز منع ہے یہ کراہت پر محمول ہے کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام

دروازہ بند ہو- کہا گیا ہے اقتدا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام تک پہنچنے سے مانع ہے اور کہا گیا کہ اقتدا صحیح ہے اس لئے کہ دروازہ پہنچنے کے لئے ہی بنایا گیا ہے تو بند دروازہ کھلے ہوئے کی طرح ہے ایسا ہی محیط سرخسی ہے۔

الحاصل: صورت مسئولہ میں نماز بلا کراہت ہوجائے گی۔

واللہ تعالی اعلی ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۲۰/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

وہابی ودیوبندی امام کے پیچھے نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے سیکڑوں مسلمانوں کی اصلاح کی، پختہ صوم وصلوۃ کا پابند بنایا، والدین کا فرماں بردار بنایا- حتی کہ قول وفعل میں نیک وصالح بنایا بکر کا کہنا ہے کہ زید کے کئی عقیدت مندوں کے ساتھ میرے اچھے تعلقات ہیں میں نے دیکھا بعض خاص عقیدت مند کے علاوہ نماز کے پابندایسوں کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں جن پر علماء حق کا کفر کا فتوی ہے جیسے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ابن تیمیہ وغیرہ اوران کے متبعین۔ حالانکہ حسام الحرمین میں واضح طور پر غیر مقلدین اور عقائد دیوبند سے اتفاق رکھنے والوں پر صریح کفر کا استحقاق لازم آتا ہے اور زید کے خاص پیرو کار واقف بھی ہیں حتی کہ زید بھی اس سے واقف ہے لیکن زید نے ابھی تک اپنی تحریر اور تقریر میں اس سے منع نہیں کیا ہے۔ اس سبب سے بکر زید کے عقیدے کو صحیح نہیں سمجھتا۔ اُس کا دعوی ہے کہ جب علماء اہل سنت واعظین وفقہاء نے جن کے کفر کا فتوی دیا ہے تو ان کو یا ان کے متبعین کو امام بنانا کیسے ممکن

نہیں لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ اس کا فسق اور بدعت حدِ کفر تک نہ پہنچے ہوں اگر حدِ کفر تک پہنچ جائیں تو ان کے پیچھے نماز کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ [فتاوی رضویہ قدیم،۳/۱۷۰]

مزید فرماتے ہیں:

''دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے، ہوگی ہی نہیں، فرض سر پر رہے گا اوران کے پیچھے پڑھنے کا شدید عظیم گناہ علاوہ۔''

[فتاوی رضویہ قدیم،۳/۲۳۵]

بلکہ اگر کوئی شخص ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہوتے ہوئے ان کو مسلمان سمجھ کر اقتدا کرتا ہے تو ''من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر'' کے پیش نظر وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

زید کا اپنے معتقدین کے اس کفریہ عمل پر مطلع ہونے اور یہ جاننے کے باوجود کہ وہابیہ کافر ہیں اوران کے پیچھے ان کو مسلمان سمجھتے ہوئے نماز پڑھنا کفر ہے۔

خاموش رہنا اگر رضامندی پر منحصر ہے تو بلاشبہ زید بھی کافر قرار دیا جائے گا اس لئے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ علامہ ابن حجر ہیتمی اپنی کتاب الاعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں

الرضا بالکفر کفر

کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے

مزید فرماتے ہیں:

ومن المکفرات ایضا ان یرضی بالکفر.

کفریات میں سے یہ بھی ہے کہ کفر پر راضی ہو۔ [ص ۱۹،۷]

اور اگر زید اس سے راضی تو نہیں بس خاموش ہے تو اگر اس کے لئے اپنے معتقدین کو اس

کفریہ فعل سے روکنے میں کوئی شرعی مجبوری نہیں ہے تو زید مداہنت فی الدین کا مرتکب اور از روئے شرع مجرم ہے بلکہ حدیث پاک کے مطابق **گونگا شیطان** ہے۔

شرح نووی میں ہے:

من سکت عن الحق فھو شیطان أخرس" [۱/۱۲۸]

زید سے مسلک افراد پر لازم ہے کہ فوراً اس سے سارے تعلقات منقطع کرلیں اس سے دُور ہو جائیں ورنہ وہ بھی شریعت کے مجرم و گنہ گار قرار دیے جائیں گے اور جو لوگ دیابنہ وہابیہ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں وہ اپنے اس فعل سے باز آئیں توبہ کریں اور آئندہ ان کے پیچھے کوئی نماز ادا نہ کریں اور ان کی اقتداء میں ادا کی گئی ساری نمازوں کو دوبارہ ادا کریں۔ اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی نمازیں بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوں تو نیک سنی صحیح العقیدہ امام ہی کی اقتدا کریں۔

حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو تو چاہئے کہ تمہارے نیک تمہاری امامت کریں [مستدرک للحاکم ،۳/۲۲۲]

تنبیہ: بکر کا زید کے عقیدہ کی صحت سے انکار کرنا صرف اس بنیاد پر کہ زید نے اپنے معتقدین کو اس حرام فعل سے منع نہیں کیا درست نہیں۔ بکر پر لازم ہے جب تک زید سے قولاً یا فعلاً کوئی کفر سرزد نہ ہو اس کے عقیدہ سے متعلق رائے زنی سے باز آئے۔

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ.

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۵ / رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ [مرجع سابق]

نیز حضور اعلیٰ حضرت اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

جماعت میں غیر مقلد (وغیرہ) کے شریک ہونے سے ضرور نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے .....اس کی شرکت سے صف قطع ہوگی کہ اس کی نماز نماز نہیں ایک بے نمازی شخص صف میں کھڑا ہوگا اور یہ صف کا قطع ہے اور صف کا قطع ناجائز ہے صحیح حدیث میں فرمایا "**من قطع صفا قطعه اللّٰه**" (جس نے صف قطع کی اللہ تعالیٰ اسے قطع کر دے) معہٰذا بدمذہبوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے بھی حدیث میں منع فرمایا ہے **لاتصلوا معھم**" ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو" [فتاوی رضویہ جدید، ۶/ ۶۱۸]

بالجملہ دیابنہ وہابیہ وغیرہما بدمذہبوں کے پیچھے یا ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

(۲) دیوبندی وغیرہ بدمذہبوں سے میل جول رکھنا ان کے ساتھ کھانا پینا ان کی خوشی و غم میں شریک ہونا جائز نہیں۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

فلا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم.

بدمذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ [**کنز العمال** ۱۱/ ۵۴۰]

لہٰذا جو لوگ ان سے تعلقات رکھیں ان کے یہاں کھائیں پئیں ان پر لازم ہے کہ وہ توبہ کریں اور آئندہ ایسا کرنے سے باز آئیں۔

(۳) دیوبندی وہابی اپنے عقائد کفریہ کے سبب کافر و مرتد ہیں مسجد یا کسی اور دینی کام میں ان کا پیسہ لگانا از روئے شرع درست نہیں ہے۔

دیابنہ کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع حسب ذیل مسائل کے بارے میں؛

(۱) دیوبندی کے پاس جماعت میں سنی کھڑا ہوتو اس کی نماز میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟

(۲) دیوبندی کے یہاں شادی غمی میں شریک ہونا یا کھانا وغیرہ کھانا کیسا اور اگر کوئی شریک ہوگیا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) دیوبندی وہابی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

اراکین کمیٹی نوری جامع مسجد ٹانڈہ ملور رام نگر نینی تال

الجوب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالوں کے جواب بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) جماعت میں اگر دیوبندی شریک ہو تو ضرور فرق آئے گا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ نماز نہ پڑھیں کہ ان کی نماز نماز نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث میں ہے:

ولا تصلوا معھم

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

’’قرآن فرماتا ہے لا تتخذوا منھم ولیا و لا نصیرا (غیروں میں کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ نہ مددگار) تفسیر ارشاد العقل السلیم علامہ ابو سعود عمادی و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں ہے ’’نھوا ..... عن الاستعانة بھم عن فی الغزو وسائر الامور الدینیة‘‘ یعنی مسلمان منع کیے گئے ہیں اس بات سے کہ وہ کفار سے غزوہ وغیرہ اُمورِ دینیہ میں مدد لیں۔

[فتاویٰ رضویہ جدید، ۱۶/۶۱۱]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۷/ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ

تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا صحیح طریقہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں کچھ لوگ تشہد میں کلمہ کی انگلی کو اٹھانے کے بعد دوسری انگلیوں کے حلقہ کو اور انگشت شہادت کو سلام پھیرنے کے وقت تک اسی حالت پر رکھے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے یہاں اکثر لوگ صرف وقت تشہد ہی انگشت شہادت اٹھاتے ہیں اور حلقہ بناتے ہیں اور اس کے بعد انگلیوں کو اصل حالت پر چھوڑ دیتے ہیں دونوں میں سے کون سا طریقہ درست ہے۔ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

المستفتی محمد وصی خان ازہری محلّہ کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

جولوگ تشہد کے وقت کلمہ کی انگلی کے علاوہ انگلیوں کا حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی کو اٹھاتے ہیں اور بعد تشہد انگلیوں کو اصل حالت پر چھوڑ دیتے ہیں ان کا طریقہ ہی درست ہے۔علامہ طحطاوی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

العقد وقت التشهد فقط فلا يعقد قبل ولا بعد وعليه الفتوی

انگلیوں کا حلقہ صرف تشہد کے وقت بنایا جائے گا نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد اور اسی پر فتوی ہے۔[کتاب الصلاۃ ۲۷۰]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۲/صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

سنت غیر مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے عصر کی سنت کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف مع دعا پڑھا پھر اٹھ گیا پھر ثنا پڑھی پھر تمام مسائل مشہورہ کے مطابق نماز کو ختم کیا تو اس صورت میں زید کی نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ زید کے لئے کیا ضروری ہے۔

المستفتی (قاری) محمد عمر رضوی (امام) جامع مسجد بیل جوڑی کاشی پور

لایصلی علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فی القعدة الاولٰی فی الاربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لایستفتح اذا قام الی الثالثة منها وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلٰوة.

ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں اور بعد کی چار سنتوں کے پہلے قعدہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں درود شریف نہ پڑھا جائے اور تیسری رکعت میں ثناء بھی نہ پڑھی جائے اور باقی چار رکعتوں والی سنتوں اور نفلوں میں درود شریف پڑھا جائے، تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ بھی پڑھا جائے گا اگرچہ اس نے نوافل کی نذر مانی ہو کیونکہ یہ جوڑا جوڑا نماز ہے۔

[فتاوی رضویہ قدیم ۳/۴۶۹،۴۷۰]

بالجملہ زید کی نماز بالکل درست اور مستحب طریقہ کے مطابق ہے۔اور زید بلکہ ہر نمازی کو چاہئے کہ سنت غیر مؤکدہ اور دیگر نوافل اسی طرح ادا کرے۔واللہ تعالی اعلم.

کتبـــه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۴/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

سنت غیر مؤکدہ اور دیگر نوافل کے ادا کرنے کا افضل واحسن طریقہ یہی ہے جس پر زید نے عمل کیا یعنی قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف ودعا پڑھنا اور تیسری رکعت میں ثنا پڑھنا اس لئے کہ نفل کا ہر شفع الگ مستقل نماز ہے۔اور اس کے اختتام میں درود ودعا اور نئی رکعت (تیسری رکعت) کے آغاز میں ثنا وغیرہ پڑھنا مستحب ومستحسن ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

کل شفع من التطوع صلاۃ علی حدۃ

(نفل کا ہر شفع مستقل نماز ہے)[بدائع الصنائع ،کتاب الصلاۃ،۹/۲]

فتاوی شامی میں ہے:

یستحب الاستفتاح فی الثالثۃ.

(تیسری رکعت میں ثنا پڑھنا مستحب ہے)[۱۵۰/۲ ،باب صفۃ الصلاۃ]

حاشیہ طحطاوی علی الدر میں ہے:

الرباعیات المستحبات والنوافل فانہ یستفتح فیھاویصلی علی النبی ﷺ.

چار رکعت والے مستحبات ونوافل میں تیسری میں ثنا اور قعدہ اولیٰ میں درود پڑھے۔ [کتاب الخنثی،مسائل شتی ۳۵۳/۴]

اعلیٰ حضرت سنت غیر مؤکدہ کی دوسری رکعت میں درود اور دعا پڑھنے نیز تیسری رکعت میں ثنا پڑھنے سے متعلق ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں:

''پڑھنا بہتر ہے، درمختار میں ہے:

فرض رکعات سے زائد رکعت پڑھنے کا تفصیلی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) اگر کوئی شخص فرض نماز کے آخری قعدہ میں بیٹھنے کے بعد اسے قعدہ اولی سمجھ کر زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو کیا کرے؟

(۲) اگر بغیر قعدۂ اخیرہ کئے زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(۲) اگر فجر میں تیسری رکعت ظہر عصر عشاء میں پانچویں اور مغرب میں چوتھی رکعت پوری پڑھ لی تو نماز کا کیا حکم ہے

شریعت کی روشنی میں تفصیلی جوابات مرحمت فرمائیں

محمد ساجد قادری لاہور پاکستان

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) اگر قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھ گیا اور پھر کھڑا ہوا تو زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر یاد آ جائے تو فوراً قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور تشہد کا اعادہ کئے بغیر سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے۔

حلبی کبیری میں ہے:

وان قعدفی آخر الرکعۃ الرابعۃ ثم قام قبل ان یسلم یعود ایضامالم یسجدویسلم...ویسجدللسھو.

اگر آخری رکعت (چوتھی) کے قعدہ کے بعد سلام پھیرے بغیر کھڑا ہو گیا تو لوٹ آئے جب تک سجدہ نہ کیا ہو اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے۔

[غنية المستملى شرح منية المصلى، ۴۰۰]

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''عود کرکے بیٹھنا چاہئے اور معاً سجدہ میں چلا جائے دوبارہ التحیات نہ پڑھے.... فی الدر المختار وان قعد فی الرابعة مثلا قدر التشهد ثم قام عاد و سلم.... ردالمحتار میں ہے قوله ثم قام ای ولم يسجد قوله عاد و سلم ای عاد للجلوس وفيه اشارة الى انه لايعيد التشهد'' [فتاویٰ رضویہ قدیم ۳/۶۳۳]

(۲) قعدہ اخیرہ کے بغیر اگر کھڑا ہو جائے تب بھی زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے قبل یاد آنے پر فوراً قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سجدہ سہو کے بعد سلام پھیر دے۔

محیط برہانی میں ہے:

اذا لم يفعل على راس الرابعة حتى قام الى الخامسة ساهيا ان تذكر قبل ان يقيد الخامسة بالسجدة عاد الى القعدة.

جب چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا یہاں تک کہ پانچویں کے لئے بھول کر کھڑا ہو گیا تو اگر پانچویں کے سجدہ سے پہلے یاد آجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ [محيط برهانی ۲/۲]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وان لم يقعد على راس الرابعة حتى قام الى الخامسة ان تذكر قبل ان يقيد الخامسة بالسجدة عاد الى القعدة هكذا فى المحيط وفى الخلاصة ويتشهد ويسلم ويسجد للسهو كذا فى التتارخانية.

محمد سے مروی ہے کہ چھٹی رکعت کا اضافہ کرے اور اسی پر اعتماد ہے) [فتاویٰ خانیہ ۱/۱۲۴]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

رجل صلى الظهر خمسا وقعد فى الرابعة قدر التشهد .... وان تذكر بعد ما قيد الخامسة بالسجدة انها الخامسة لا يعود الى القعدة ولا يسلم بل يضيف اليها ركعة اخرى حتى يصير شفعا ويتشهد ويسلم هكذا فى المحيط ويسجد للسهو استحسانا كذا فى الهداية وهو المختار كذا فى الكفاية ثم يتشهد ويسلم كذا فى المحيط.

ایک شخص نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھی اور چوتھی رکعت میں بقدر تشہد قعدہ بھی کیا پانچویں رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا کہ یہ پانچویں رکعت ہے تو قعدہ کی طرف نہ لوٹے اور نہ سلام پھیرے بلکہ ایک اور رکعت اس میں ملائے تاکہ شفع ہو جائے اور پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے ایسا ہی محیط میں ہے اور سجدہ سہو کرے بطور استحسان ایسا ہی ہدایہ میں ہے اور یہی مختار ہے ایسا ہی کفایہ میں ہے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے ایسا ہی محیط میں ہے۔ [ج ا ص ۱۲۹]

فتاویٰ نوازل میں ہے:

لو قعد فى الرابعة ثم قام .....ولو قيد بالسجدة ضم اليها ركعة اخرى ويسجد للسهو.

اگر چوتھی میں قعدہ کرکے کھڑا ہوا اور پانچویں کا سجدہ کر لیا تو اس میں ایک اور رکعت ملائے اور سجدہ سہو کرے۔ [ص ۱۰۴]

اگر چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا یہاں تک کہ پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو اگر پانچویں رکعت کے سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے محیط اور خلاصہ میں ایسا ہی ہے اور تشہد پڑھے اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے۔ [فتاوی عالمگیری ۱/۱۲۹]

فتاویٰ نوازل میں ہے:

وان سهى عن القعدة الاخيرة حتى قام الى الخامسة رجع الى القعدة مالم يسجد.... ويسجدللسهو.

اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے تو جب تک سجدہ نہ کیا ہو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سجدہ سہو کرے۔ [فتاوی نوازل ۱۰۴]

(۳) اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اگر قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر پھر زائد رکعت ادا کی تو حکم یہ ہے کہ ایک رکعت کا اور اضافہ کرے اور بعد میں سجدہ سہو کرلے۔ فرض ادا ہوجائیں گے اور بقیہ نفل میں شمار ہوں گے۔ دوسری صورت یہ کہ اگر قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور زائد رکعت کا سجدہ کرلیا تو ایک رکعت اور بڑھائے مگر فرض باطل ہو کر نفل میں تبدیل ہوجائیں گے۔

پہلی صورت سے متعلق کتب فقہ کی درج ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں:

فتاویٰ خانیہ میں ہے:

اذاصلى العصر خمساوقعدفي الرابعة قدر التشهد .... عن محمد رحمه الله تعالىٰ انه يضيف اليهاالسادسة وعليه الاعتماد.

جب عصر کی پانچ رکعات پڑھی اور چوتھی میں بقدر تشہد بیٹھا تو امام

درمختار میں ہے:

وضم سادسة ....ان شاء

(چھٹی رکعت ملائے (اگر پانچویں کا سجدہ کرلے تو) اگر چاہے)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قوله" ان شاء" اشار الى ان الضم غيرواجب بل هو مندوب كمافي الكافي تبعاللمبسوط

مصنف نے اپنے قول " ان شاء" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رکعت ملانا واجب نہیں ہے بلکہ مندوب ہے جیسا کہ مبسوط کی اتباع کرتے ہوئے کافی میں (لکھا گیا) ہے۔

نیز درمختار میں آگے ہے:

وضم اليها سادسة لوفي العصروخامسة في المغرب ورابعة في الفجر به يفتى لتصير الركعتان له نفلا....وسجد للسهوفي الصورتين

اگر عصر میں (پانچویں کا سجدہ کرلے) تو اس میں چھٹی رکعت ملائے مغرب میں پانچویں فجر میں چوتھی یہی مفتیٰ بہ ہے تاکہ دو رکعت نفل ہوجائیں اور سجدہ سہو دونوں صورتوں میں کرے۔ [درالمختار ۱/۵۵۴]

فتاویٰ شامی میں اس کے تحت ہے:

قوله وضم اليهاسادسة اى ندباعلى الاظهر...قوله لوفي العصر اشار الى انه لافرق في مشروعية الضم بين الاوقات المكروهةوغيرها

مصنف کا قول "وضم اليهاسادسة" یعنی ظاہر مذہب کے مطابق

(چھٹی رکعت) ملانا مندوب ہے.....شارح کا قول "لـوفی العصر" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وقت مکروہ اور غیرمکروہ میں رکعت ملانے کے مشروع ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

[ردالمحتارعلی الدرالمختار ۱/ ۵۵۴،۵۵۵]

دوسری صورت کاحکم درج ذیل فقہی عبارات میں مصرح ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

واذالم یقعدقدرالتشهدفی الفجربطل فرضه بترک القعودعلی الرکعتین .... وان قیدالخامسة بالسجدة فسدظهره عندناکذافی المحیط و تحولت صلاته نفلاًعندابی حنیفة وابی یوسف رحمهماالله تعالیٰ ویضم الیها رکعة سادسة ولولم یضم فلاشی علیه کذافی الهدایة.....قالوافی العصر لایضم الیهاسادسة وقیل یضم وهوالاصح کذافی التبیین وعلیه الاعتماد ... وفی الفجراذاقام الی الثالثة بعد ما قعد قدر التشهد وقیدها بالسجدة لایضم الیهارابعة کذافی التبیین وصرح فی التجنیس بان الفتوی علی روایة هشام من عدم الفرق بین الصبح والعصرفی عدم کراهة الضم کذا فی البحرالرائق"

اور جب فجر میں قدرتشہد نہیں بیٹھا تو دو رکعات پرقعدہ ترک کرنے کے سبب فرض باطل ہوگئے .....اوراگرپانچویں رکعت کاسجدہ کرلیا تو ہمارے نزدیک اس کی ظہرفاسد ہوگئی ایساہی محیط میں ہے اورابوحنیفہ اورابویوسف کےنزدیک اللہ ان دونوں پررحمت نازل فرمائے اس کی نمازنفل ہوگئی اوراس میں چھٹی رکعت ملالے اوراگرنہیں ملائے تب بھی کوئی بات نہیں ایساہی ہدایہ

رجل صلی الظهرخمساثم تذکرفهذالایخلواماان یکون فی الرابعة قدر التشهداولم یقعدوکل وجه علی وجهین اماان قید الخامسة بالسجدة اولم یقیدفان قعدفی الرابعة قدرالتشهدوقام الی الخامسة فان لم یقیدها بالسجدة حتی تذکریعودالی القعدةویتمهاویسلم لما مروان قیدها بالسجدة لایعودعندنا....ثم عندنااذاکان ذالک فی الظهراوفی العشاء فالاولی ان یضیف الیهارکعة اخری لیصیراله نفلااذا لتنفل بعدهاجائز .... وان کان فی العصرلایضیف الیهارکعة اخری بل یقطع لان التفل بعد العصر غیرمشروع....وروی هشام عن محمدانه یضیف الیهااخری ایضا لان التنفل بعدالعصر انمایکره اذاشرع فیه قصدافامااذاوقع فیه بغیرقصده فلا یکره "...ثم اذااضاف الیهارکعة اخری فعلیه السهواستحسا نا هٰذالذی ذکرنااذاقعدفی الرابعة قدرالتشهد فامااذالم یقعد وقام الی الخامسةفان لم یقیدهابالسجدة یعودلمامروان قیدفسد فرضه

ایک شخص نے ظہر کی پانچ رکعات ادا کی تو یہ دوحال سے خالی نہیں یاتواس نے قعدہ کیا ہوگا یانہیں دونوں صورتوں میں یاتو پانچویں کاسجدہ کیاہوگایانہیں اگرچوتھی میں بقدر تشہد بیٹھ کر پانچویں کے لیے کھڑاہوااور پانچویں کاسجدہ نہیں کیاکہ یادآ گیاتو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اورنمازکوپوراکرے اورسلام پھیردے جیساکہ گزرااوراگرپانچویں کاسجدہ کرلیاہے تو ہمارے نزدیک قعدہ کی طرف نہ لوٹے....پھرہمارے نزدیک جب کہ ظہریاعشاء میں ایسا ہو توبہتر یہ ہے کہ ایک رکعت کااس

میں ہے.....فقہاء نے فرمایا عصر میں چھٹی رکعت نہیں ملائے گا اور کہا گیا ہے کہ ملائے گا اور یہی صحیح ہے ایسا ہی تبیین میں ہے اور اسی پر اعتماد ہے....اور فجر میں جب قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے اور تیسری رکعت کا سجدہ کرلے تو اس میں چوتھی رکعت نہ ملائے ایسا ہی تبیین میں ہے اور تجنیس میں صراحت کی گئی ہے کہ صبح اور عصر کے درمیان رکعت ملانے کے مکروہ نہ ہونے کے سلسلے میں عدم فرق پر فتوی ہشام کی روایت پر ہے ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔[فتاوی عالمگیری ۱/۱۲۹]

فتاوی نوازل میں ہے:

وان سهى عن القعدة الاخيرة حتى قام الى الخامسة ...وان قيدها بالسجدة بطلت فريضة خلافا للشافعي وتحولت صلاته نفلا عند ابي حنيفة و ابي يوسف رحمهما الله خلافا لمحمد و يقيم ركعة سادسة او لم يضم لاشيء عليه.

اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا اور پانچویں کا سجدہ کرلیا تو فرض باطل ہوگئے برخلاف شافعی کے اور اس کی نماز نفل ہوگئی ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک اللہ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے برخلاف امام محمد کے اور چھٹی رکعت ملائے یا نہ ملائے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔[فتاوی نوازل ۱۰۴]

بالجملہ مذکورہ تینوں سوالات کا خلاصہ امام کاسانی کی بدائع الصنائع کی درج ذیل طویل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔

بدائع الصنائع میں ہے:

میں اور اضافہ کرے تا کہ وہ نفل ہوجائے اور نفل ظہر اور عشاء کے بعد جائز ہے....اور اگر عصر میں ایسا ہو تو دوسری رکعت کا اضافہ نہ کرے بلکہ (اسی رکعت پر نماز) ختم کردے اس لئے کہ عصر کے بعد نفل مشروع نہیں ہیں....اور ہشام نے امام محمد سے روایت کیا کہ اس میں ایک رکعت اور بھی ملائے اس لئے کہ نفل عصر کے بعد قصدا شروع کرنے پر مکروہ ہیں اور اس میں جب کہ بغیر قصد ایسا واقع ہوا مکروہ نہیں ہے ..... پھر جب دوسری رکعت کا اضافہ کرے تو اس پر سجدہ سہو کرنا مستحسن ہے یہ جب ہے کہ چوتھی رکعت کے قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھا ہو اور جب بیٹھے بغیر پانچویں کے لئے کھڑا ہوگیا ہو تو سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آئے جیسا کہ گزرا اور اگر سجدہ کرلیا تو اس کے فرض فاسد ہوگئے۔'' [بدائع الصنائع ۱/۴۲۶، ۴۲۷]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــــــــــــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۲/ذی الحجۃ ۱۴۳۳ھ

نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی فضیلت

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ لوگ عام طور نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں کیا ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی محمد ریاض مراد آباد

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

جی ہاں یہ عمل حدیث مبارک سے ثابت ہے۔

حدیث شریف میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَآيَةَ الكُرسِى فِى دُبُرِ كُلِّ صَلاةٍمَكْتُوبَةٍ لَم يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الجَنَّةِ اِلَّااَنْ يَمُوتَ.

جوشخص ہرفرض نماز کے بعدآیۃ الکرسی پڑھےتواس کو جنت میں داخل ہونے سےموت کےسواکوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔(السنن الکبری للنسائی ۶/ ۳۰)

یہی حدیث ان الفاظ کےساتھ معجم الکبیرللطبرانی ۷/ ۱۲۲میں ہے:

مَنْ قَرَأَآيَةَ الكُرسِى فِى دُبُرِ كُلِّ صَلاةٍلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّااَنْ يَمُوتَ فَاِذَامَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (شعب الایمان لبیھقی،۴/ ۵۱)

جوشخص ہرنماز کے بعدآیۃ الکرسی پڑھےتواس کےاور جنت میں داخل ہونے کے درمیان سوائے موت کے کوئی چیز (حائل) نہیں ہوگی۔اوروہ مرتے ہی جنت میں داخل ہوگا۔

مَنْ قَرَأَآيَةَ الكُرسِى دُبُرَكُلِّ صَلاةٍ لَم يَمْنَعْه مِنْ دُخُولِهِ الجَنَّةَ اِلَّا المَوتُ. (مرجع سابق۴/ ۵۶)

جوشخص ہرنماز کے بعدآیۃ الکرسی پڑھےتواس کوجنت میں داخل ہونےسےموت کےسواکوئی چیزنہیں روکےگی۔

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبــه

محمدذوالفقارخان نعیمی

فليطوه حتى ترجع اليها انفاسها فان الشيطان لايلبس ثوبا مطويا

شیطان تمہارے کپڑے اپنے استعمال میں لاتے ہیں تو کپڑا اُتارکر تہہ کردیا کروکہ اس کا دام راست ہوجائے کہ شیطان تہہ کئے کپڑے نہیں پہنتا۔ [کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن جابر،الباب الثالث فی اللباس،۱۵/ ۲۹۹]

معجم اوسط طبرانی کےلفظ یہ ہیں:

أطووا ثيابكم ترجع اليها ارواحها،فان الشيطان اذا وجد الثوب مطويا لم يلبسه ، وان وجده منشورا لبسه

کپڑے لپیٹ دیا کروکہ ان کی جان میں جان آجائے اس لئے کہ شیطان جس کپڑے کولپٹا ہوادیکھتاہےاسےنہیں پہنتااورجسے پھیلا ہواپاتا ہے اسے پہنتا ہے۔[ج۶ص ۳۲۸]

ابن ابی الدنیانےقیس ابن ابی حازم سے روایت کی:

قال ما من فراش يكون مفروشا لاينام عليه احد الا نام عليه الشيطان.

فرمایاجہاں کوئی بچھونا بچھاہوجس پرکوئی سوتانہ ہواس پرشیطان سوتا ہے۔ان احادیث سے اُس کی اصل نکل سکتی ہے اور پورا لپیٹ دینا بہتر ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۶/ ۲۰۶]

اوررہاعوام کایہ خیال کہ مصلے نہ لپیٹنے سے شیطان اس پرنماز پڑھتاہےتو یہ بےاصل ہے۔

جیساکہ حضورصدرالشریعہ بہارشریعت میں فرماتے ہیں:

''نماز پڑھنے کے بعدمصلے کو لپیٹ کرر کھ دیتے ہیں، یہ اچھی بات ہے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے،مگربعض لوگ جانماز کا صرف کونا لوٹ دیتے

مورخہ ۸/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

مصلے کا کونا لوٹ دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس سوال کے بارے میں کہ اکثر ائمہ مساجد نماز پڑھانے کے بعد مصلے کا ایک کونا موڑ دیتے ہیں شرع شریف میں اس کی کیا اصل ہے عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ مصلے کا کونا نہ موڑا جائے تو اس پر شیطان نماز پڑھتا ہے کیا یہ خیال صحیح ہے یا غلط ہے بعضے امام صاحب کہہ دیتے ہیں کہ نماز با جماعت پڑھ لینے کی علامت ہے صحیح کیا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمادیں اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

المستفتی عبد الغفور پاکبڑا امراد آباد

۲۶/جولائی ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ میں اس کی اصل احادیث سے بیان فرمائی ہیں، آپ فرماتے ہیں:

''ابن عساکر نے تاریخ میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الشیاطین یستمتعون بثیابکم فاذانزع احدکم ثوبہ

ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایسا نہ کرنے میں اس پر شیطان نماز پڑھے گا یہ بے اصل ہے۔ [ج ۳ حصہ ۱۶، صفحہ ۱۲۱]

الحاصل: مصلے کا کونا لوٹ دینے کی اصل احادیث سے ثابت ہے اور اس کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق شیطان کے استعمال سے اسے بچانا ہے اور یہ کونا لوٹ دینے سے پورا ہو جاتا ہے البتہ پورا مصلی لپیٹ کر رکھ دینا زیادہ بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۵/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

امام سے متعلق چند مسائل

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) جو امام تین انگلیوں میں تین انگوٹھی پہن کر نماز پڑھائے اس امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(۲) جو امام ایک مشت دو انگل سے کم داڑھی رکھے اور برابر کٹاتا ہو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا؟

(۳) سجدے کی حالت میں دونوں پیروں کو اوپر اٹھانے سے نماز ہوگی یا نہیں۔؟

(۴) جو امام یہ کہتا ہو کہ اولیاء اللہ مٹی کا ڈھیر ہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی صوفی محمد یامین قصبہ دتیانہ ضلع غازی آباد

الجواب بعون الملک الوھاب التواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب حاضر خدمت ہیں:

(۱) مرد کے لیے صرف چاندی کی ایک نگ والی ایک ہی انگوٹھی اور وہ بھی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی جائز ہے اس کے علاوہ سونے یا کسی اور دھات کی یا چاندی کی ساڑھے چار ماشے سے زیادہ وزن کی یا دو نگ والی یا دو انگوٹھی کہ وہ وزن میں چار ماشہ سے کم ہی کیوں نہ ہوں مرد کے لئے جائز نہیں خواہ تین انگلیوں میں پہنے یا ایک میں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

یجوز التختم بالفضة.....وینبغی ان تکون فضة الخاتم المثقال ولا یزاد علیه وقیل لایبلغ به المثقال وبه وردالاثر کذافی المحیط.

چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے....اور مناسب ہے کہ چاندی انگوٹھی ایک مثقال کی ہو اس سے زائد نہ ہو بلکہ کہا گیا ہے کہ پورے ایک مثقال کو نہ پہونچے اور اسی پر اثر وارد ہوئی اور ایسا ہی محیط میں ہے۔

[۳۳۵/۵، الباب العاشر فی استعمال الذھب والفضة]

فتاویٰ شامی میں ہے:

یجوز التختم بالفضة لو علی ھیئة خاتم الرجال اما لو له فصان او اکثر حرم.

چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اگر مردوں کی انگوٹھیوں کی طرح

''ریش ایک مشت یعنی چار انگل تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز ہے۔ شرح مشکوۃ شریف میں ہے: گذاشتن آں بقدر قبضه واجب است داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے۔''

آگے فتح القدیر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

الاخذ منها وھی دون ذالک کمایفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال.

داڑھی تراشنا یا کترنا کہ مشت کی مقدار سے کم ہو جائے ناجائز ہے جیسا کہ بعض مغربیت زدہ لوگ اور ہجڑا صورت مرد کرتے ہیں۔ [فتاوی رضویہ جدید ۵۸۱/۲۲]

مزید فرماتے ہیں:

''داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب'' [فتاوی رضویہ جدید ۶۰۳/۶]

حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں سے ہے اور اس کا کاٹنا قدر قبضہ پہنچے سے قبل حرام ہے....در مختار میں ہے ''**یحرم علی الرجل قطع لحیته**'' جب ثابت ہو گیا کہ داڑھی ایک مشت سے کم کتروانا یا منڈوانا ممنوع ہے تو اس کا عامل اور مصر فاسق معلن ہوا اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی **کمافی عامة المتون والشروح والفتاوی من کراھة امامة الفاسق** اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے'' [فتاوی صدر الافاضل، ۴۲۴]

(۳) سجدے کی حالت میں دونوں پیروں کو اوپر اٹھانے سے نماز نہیں ہوگی کم سے کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگانا فرض اور دونوں پیروں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگانا

ہوالبتہ اگراس کے دونگ یااس سے زائد ہوں تو حرام ہے۔[فتـــــاوی شامی ۹/ ۵۲۱ کتاب الحظر والاباحة]

طرح التثریب فی شرح التقریب لزین الدین العراقی میں ہے

وقال المحب الطبری فی شرح التنبیه المتجه انه لایجوزللرجل لبس الخاتمین سواء اکانا فی یدین ام یدواحدةلان الرخصة لم ترد ذالک. [الباب الادب ۸/۱۳۹]

محبّ طبری نے شرح تنبیہ میں فرمایا: مرد کے لئے دو انگوٹھیوں کا پہننا خواہ دو ہاتھوں میں ہو یا ایک میں ہو جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کی رخصت وارد نہیں ہوئی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''شرعاً چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی کہ وزن میں ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو پہننا جائز ہے'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۲/۱۴۱]

اس کے علاوہ پہننے کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

''ایک آدھ بار پہننا گناہ صغیرہ اور اگر پہنی اور اُتار ڈالی تو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اور اگر نماز میں پہنے ہو تو اسے امام بنانا ممنوع اور اس کے پیچھے نماز مکروہ یوں ہی جو پہنا کرتا ہے اس کا عادی ہے فاسق معلن ہے اور اس کو امام بنانا گناہ اگر اس وقت نماز میں نہ پہنے ہو'' [ایضاً ۶/۶۰۱]

حاصلِ کلام جو امام تین انگوٹھیاں پہنتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(۲) داڑھی حد شرع سے کم رکھنے والے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں اور شریعت میں داڑھی کی حد ایک مشت ہے نہ کہ ایک مشت دو انگل۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

واجب ہے۔طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وضع القدم علی الارض فی الصلاة حال السجدة ففرض.

نماز کے دوران حالت سجدہ میں زمین پر قدم رکھنا فرض ہے۔

[کتاب الصلاة، ۲۳۰]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولوسجدولم یضع قدمیه علی الارض لایجوز.

اگر سجدہ کیا اور اوراپنے دونوں قدموں کو زمین پر نہیں رکھا تو ایسا کرنا جائز نہیں۔[الباب الرابع فی صفة الصلاة، ۴/ ۷۰]

فقیہ ابواللیث سمرقندی کے فتاوی نوازل میں ہے:

حتی لورفع رجلیه او احدهما لا تجوزصلاته

یہاں تک کہ اگر پنے دونوں یا ایک پیر کو اٹھایا تو اس کی نماز جائز نہیں ہے۔[کتاب الصلاة، ۷۳]

درمختار میں ہے:

وفیه یفترض وضع اصابع القدم ولوواحدة نحوالقبلة والالم تجز.

اور سجدہ میں پیر کی انگلیاں رکھنا اگرچہ ایک ہی ہو فرض ہے قبلہ کی طرف متوجہ کر کے ورنہ نماز جائز نہیں ہے۔[کتاب الصلاة، ۲/ ۲۰۴]

حلبی کبیری میں ہے:

لایجوزمع رفعهما.....المرادمن وضع القدم وضع اصابعهاقال الزاهدی ووضع رؤس القدمین حالة السجودفرض وفی مختصر الکرخی سجدورفع اصابع

رجليه عن الارض لاتجوز وكذافي الخلاصة والبزازيه وضع القدم بوضع اصابعه وان وضع اصبعا واحدة.

پیروں کا اٹھانا جائز نہیں ہے....سجدہ میں پیر رکھنے سے مراد پیر کی انگلیاں رکھنا ہے زاہدی نے کہا سجدہ کی حالت میں دونوں پیروں کے سروں کو رکھنا فرض ہے مختصر کرو خی میں ہے سجدہ کیا اور اپنے پیروں کی انگلیوں کو اٹھالیا تو نماز جائز نہیں اور ایسا ہی خلاصہ اور بزازیہ میں ہے قدم رکھنے کا مطلب انگلیوں کو رکھنا ہے اگر چہ ایک ہی انگلی ہو ۔[غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ۲۴۹]

قبلہ بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''سجدے میں کم از کم ایک انگلی مضبوطی سے زمین پر جمانا فرض ہے'' مزید فرماتے ہیں''سجدے کے اندر ہر پیر کی کم از کم تین انگلیوں کا پیٹ زمین سے لگنا واجب ہے جس میں انگوٹھا بھی شامل ہے اگر تین بار''سبحن ربی الاعلی'' کہنے کی مقدار تک تین میں سے کوئی اٹھی رہ گئی تو نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہوگی''[فتاویٰ بحرالعلوم کتاب الصلاۃ ج۱ص ۲۹۵]

(۴) اولیاء کرام اللہ کے مقرب بندے ہیں اور وہ اپنے مزارات میں زندہ ہیں ان کے تعلق سے امام کا یہ خیال کہ وہ مٹی کا ڈھیر ہیں یقیناً امام کی بدمذہبیت وگمراہی کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء اہلسنت نے جن عقاید ونظریات کو اجاگر فرمایا ہے ان میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اولیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اللہ نے انہیں تصرفات واختیارات عطا فرمائے ہیں۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری حدیث پاک ''ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فنبى الله حى يرزق'' (یقیناً اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے جسموں کو کھانا حرام فرمادیا ہے پس اللہ کے نبی حیات ہیں اور رزق دئے جاتے ہیں) کے تحت

اور''من عادى لى وليا فقد آذنته بالحرب''[صحيح البخارى ۲/ ۹۶۳ كتاب الرقاق باب التواضع]

(جس نے میرے ولی کی توہین کی اس سے دشمنی رکھی اس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں) ابن رجب حنبلی اس آخرالذکر حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

فاولياء الله تجب موالاتهم وتحرم معاداتهم.

اولیاء کرام کی محبت واجب اور ان سے عداوت حرام ہے۔[جامع العلوم والحكم ۶۷۴ الحديث الثامن والثلاثون]

علامہ ابن حجر ہیتمی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

قال الائمة ولم ينصب الله تعالىٰ المحاربة لاحدمن العصاة الاللمنكرين على اوليائه.

ائمہ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین اولیاء کرام کے علاوہ کسی گنہگار سے اعلانِ جنگ نہیں فرمایا۔[فتاوی حدیثیہ ج۱ص ۳۱۳]

''التلخيص المعين على شرح الاربعين للشيخ محمدبن صالح عثيمين''میں ہے:

ان معاداة اولياء الله من كبائر الذنوب لقوله''فقدآذنته''

اولیاء کرام سے عداوت بڑے گناہوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فقدآذنته'' کے سبب)[۱/۱۹۰]

علامہ ابن رجب بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

فمحبة اولياء الله واحبابه عمومامن الايمان وهى من اعلىٰ مراتبه وبغضهم محرم فهومن خصال النفاق.

اولیاء کرام اور ان کے عقیدت مند حضرات سے محبت ایمان میں سے

فرماتے ہیں:

ولذاقیل اولیاء اللّٰہ لایموتون ولکن ینتقلون من دارالی دار.

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہیں) [**مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۴۱۴/۳ کتاب الصلاۃ باب الجمعۃ**]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''اہلسنّت کا مذہب یہ ہے کہ روح انسانی بعد موت بھی زندہ رہتی ہے۔''

آگے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی کتاب تفسیر عزیزی کے حوالے سے فرمایا:

''دفن شدہ اولیاء اللہ اور دیگر صلحاء مومنین سے نفع وفائدہ کا حصول جاری ہے .... .وہ زیارت کے لئے قبر پر آنے والے عزیزواقارب اوردوستوں سے آگاہ ہوتے ہیں اوران سے انس حاصل کرتے ہیں۔''

مزید فرماتے ہیں:

''حیات شہداء قرآن عظیم سے ثابت ہے اور شہداء سے علماء افضل.... اور علماء سے اولیاء افضل ہیں تو جب شہداء زندہ ہیں اور فرمایا کہ انہیں مردہ مت کہو تو اولیاء کہ بدرجہا ان سے افضل ہیں ضروران سے بہتر حی ابدی ہیں'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۰۳/۲۹ تا ۱۰۵]

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اولیاء کرام اپنے مزارات میں زندہ ہیں تو پھر انہیں مٹی کا ڈھیر کہنا ان کی کھلی ہوئی توہین ہے اور جو اللہ کے ولیوں کی اہانت کرتا ہے اس سے متعلق حدیث میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

من اھان لی ولیا فقدبارزنی بالعداوۃ. [المعجم الکبیر للطبرانی ۲۶۴/۸]

ہے اور وہ محبّ کے عالی مرتبت ہونے پردال ہے اوران سے بغض حرام ہے اور بغض نفاق کی علامت ہے۔ [**فتح الباری، ۶۶/۱ کتاب الایمان**]

مذکورہ بالاتفصیل کی روشنی میں یہ واضح ہوگیا کہ اولیاء کرام زندہ ہیں ان کو مٹی کا ڈھیر کہنا گویا ان کی توہین اوران سے دشمنی وعداوت ہے اور یہ حرام ہے تو جو امام اولیاء کرام کی شان میں توہین کرکے حرام کا ارتکاب کرے اور عقائد اہلسنت کے خلاف دیوبندی وغیرہ فرقہ ہائے باطلہ کے باطل عقائد ونظریات کی ترجمانی کرے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ مسلمانانِ اہلسنّت پرلازم ہے کہ جب تک وہ اس عقیدہ خبیثہ سے توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں بلکہ ایسے شخص کو فوراامامت سے برطرف کریں اوراپنے ایمان اوراپنی نمازوں کو محفوظ کریں۔

حدیث شریف میں ہے:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم

گمراہوں سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب.**

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۲۰ رجمادی الاخری ۱۴۳۲ھ

دیہات میں جمعہ کی نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں ہمارا گاؤں ایک

ایسا دیہات ہے کہ جس میں ہمیشہ سے جمعہ ہوتا چلا آیا ہے گاؤں کے اندر تین مسجدیں ہیں جو جمعہ کے دن بھری ہوئی نظر آتی ہیں اور ہمارے گاؤں سے شہر کی دوری صرف پانچ کلومیٹر ہے آنے جانے کے لئے بہترین سڑک ہے گاؤں میں بھی سڑکیں ہیں اور بازار قائم ہے گاؤں کے اندر کچھ ٹائم سے دو فرض جمعہ مع خطبہ اور اس کے بعد چار فرض ظہر کے باجماعت پڑھے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے گاؤں میں انتشار ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم لوگ کس طریقہ سے نماز ادا کریں ایک وقت میں ظہر اور جمعہ کی نیت کیسے کریں جبکہ نیت بدلنے کے بعد نماز بھی بدل جاتی ہے۔ ہم لوگ پریشان ہیں کہ ظہر پڑھیں یا جمعہ اور گاؤں میں عیدگاہ بھی قائم ہے اور لوگ عید کی نماز پڑھتے ہیں تو کیا گاؤں میں عید کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

مسلمانان گلڑیا ہری کاشی پور اودھم سنگھ نگر اتراکھنڈ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

احناف کے نزدیک دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں نماز جمعہ کی صحت ادا کے لیے مصر یا فناء مصر شرط ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

خمسةٌ لاجمعةَ علیهم المراةُ والمسافر والعبد والصَّبی واهل البَادیة.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت مسافر غلام بچے اور گاؤں والے ان پانچ لوگوں پر نمازِ جمعہ نہیں ہے۔ [طبرانی، ۷۲/۱]

دوسری حدیث میں ہے:

لاجمعة ولاتشریق الافی مصرجامع.

روکنے کی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ جس طرح بھی اللہ تعالی کا نام لیں غنیمت ہے یہی وجہ ہے فقہاء کرام نے طلوع فجر کے وقت نماز جائز نہ ہونے کے باوجود بھی عوام کو روکنے سے منع فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پھر وہ اس نماز کو بالکل ہی نہ پڑھیں مزید براں کہ عید کے دن عیدگاہ میں نماز نفل منع ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی نفل پڑھتا ہے آپ نے منع نہیں فرمایا لوگوں نے کہا کہ آپ اسے منع کیوں نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں میں اللہ تعالی کی وعید ''ارأیت الذی ینهی عبدا اذا صلی'' میں داخل نہ ہوجاؤں'' [درمختار، باب العیدین: ۵۲/۳]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''بایں ہمہ اپنا یہ مسلک ہے کہ ایسی جگہ عوام جس طرح بھی اللہ ورسول کا نام لیں روکا نہ جائے نہ خود شرکت کی جائے اگر عدم شرکت میں فتنہ نہ ہو ورنہ بہ نیت نفل مشارکت ممکن'' [فتاوی رضویہ جدید ۳۶۷/۶]

البتہ دو رکعت نماز بنام جمعہ پڑھ لینے کے بعد ظہر کی نماز بھی باجماعت پڑھیں۔

ردالمحتار میں ہے:

لوصلوافی القری لزمهم اداء الظهر.

اگر دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھیں تو ان پر نماز ظہر کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ [ردالمحتار، باب الجمعۃ: ۷/۳]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

من لاتجب علیهم الجمعة من اهل القری والبوادی لهم ان یصلوا الظهر بجماعة یوم الجمعة باذان و اقامة.

گاؤں اور صحرا والوں پر جمعہ واجب نہیں بلکہ ان کے لئے حکم ہے کہ وہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت اذان واقامت کے ساتھ پڑھیں۔

جمعہ اور تشریق نہیں ہے مگر شہر میں ۔[سنن الکبری للبیھقی، کتاب الجمعۃ، ۱۷۹/۳]

حلبی کبیری میں ہے :

الشرط الاول المصر اوفناء ہ فلاتجوزفی القری عندنا.

جمعہ کی شرط اول مصر یا فناء مصر ہے لہٰذا ہم احناف کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ۔[غنیۃ المصلی شرح منیۃ المصلی،فصل فی صلاۃ الجمعۃ، ۴۷۳]

اور سائل نے سوال میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ جمعہ کی صحت ادا کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لئے مصر یعنی وہ آبادی جس میں متعدد کوچے دوامی بازار ہوں اور کوئی حاکم رعایا کے مقدمات کے لئے فیصل ہو یا فناء مصر یعنی شہر کا وہ مقام جو شہری ضرورتوں کے لئے متعین ہو جیسے شہر کی آبادی سے باہر اسٹیشن ہوائی جہاز کا اڈہ فوجی چھاؤنی قبرستان وغیرہ ،شرط ہے۔ ھٰکذا فی الکتب الفقھیہ .

اور گاؤں کا شہر کے قریب ہونا بھی جمعہ کو دیہات میں جائز نہیں کر سکتا۔ حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں۔

''جو آبادی فناء شہر میں نہیں خواہ وہ شہر سے قریب ہو اس میں جمعہ صحیح نہیں نہ ان لوگوں پر جمعہ واجب بحرالرائق میں ہے:''.... ولاتجب الجمعۃ علی اھل القری وان کانوا قریبا من المصر لان الجمعۃ انما تجب علی اھل الامصار'' [فتاویٰ صدر الافاضل، ص ۴۴۷]

ان عبارات مذکورہ کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ سوال میں مذکور گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ۔لیکن جو لوگ جمعہ کے دن دو رکعت نماز بنام جمعہ ادا کرتے ہیں انہیں شرعاً

[الباب السادس فی صلاۃ الجمعۃ، ۱/ ۱۴۵]

اور رہا ایک وقت میں ظہر اور جمعہ کی نیت کا مسئلہ تو دو رکعت بنام جمعہ خواہ فرض کی نیت سے پڑھیں یا نفل کی نیت سے وہ دونوں رکعتیں نفل ہی مانی جائیں گی اور ظہر کی نماز میں فرض کی نیت کی جائے گی اب دو نمازیں مختلف نیتوں سے ایک وقت میں آگے پیچھے ادا کرنی ہیں اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے جس کے لئے فتنہ وفساد پیدا کیا جائے۔ امام صاحب کو چاہئے کہ اصل مسئلہ سے عوام کو آگاہ کریں۔

تحریر بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں لیکن روکنے کی بھی اجازت نہیں اس لیے وہاں دو رکعت بنام جمعہ پڑھ لینے کے بعد لوگوں سے ظہر کی نماز با جماعت پڑھنے کے لیے کہا جائے جو لوگ نماز ظہر با جماعت کے لئے رک جائیں انہیں نمازِ ظہر پڑھائی جائے جو لوگ فتنہ کریں ان کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) عید کی نماز بھی دیہات میں جائز نہیں اس کے لئے بھی مصر یا فناء مصر شرط ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے :

کمان المصر أوفنائہ شرط جوازالجمعۃ فھوشرط جواز صلوۃ العید

جس طرح مصر یا فناء مصر جمعہ کے جائز ہونے کی شرط ہے اسی طرح نمازِ عید کے لئے بھی شرط ہے۔[ردالمحتار، باب الجمعۃ:۳/ ۷]

ھٰذاماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ.

کتبـــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ: ۲/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

ایک امام کی مسائل شرعیہ میں غلط بیانی

کیافرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) زیدجوکہ ایک محلّہ کی جامع مسجد میں خطابت کرتا ہے جمعہ کی نماز سے قبل لاؤڈسپیکر سے اعلان کرتا ہے کہ جن حضرات کو پانی نہیں ملا وہ تیمّم کر کے جمعہ کی جماعت میں شامل ہو جائیں جبکہ اس مسجد کے پاس چند قدوم کی مسافت پر اہل سنت کی دیگر مساجد بھی پائی جاتی ہیں، نیز یہ کہ گھر سے بھی بآسانی وضوکر کے لوگ نماز میں شامل ہوسکتے ہوں۔کیااس صورت میں تیمّم سے نماز جمعہ ادا ہوجائے گی؟ جن لوگوں نے خطیب صاحب کے اعلان پر تیمّم کر کے نماز ادا کی ،ان کی نمازوں کا کیاحکم ہے؟ تیمّم کن صورتوں میں جائز ہے؟

(۲) خطیب مذکور نے ہی چند برس قبل ایک چہلم کی محفل میں چہلم کوفرض قرار دیا، برائے کرم محافل چہلم کے متعلق حکم شریعت واضح فرمائیں۔

(۳) خطیب مذکور نے نعت رسول مقبول ﷺ کے ان اشعار کو بے ادبی، جہالت اور گستاخی قرار دیا ہے۔

ناں ترالے کے آقا شان میں وی پائی اے
ترے ہتھ ڈورسائیاں آپے توں چڑھائی اے
چڑھی ہوئی گڈی نوں چڑھائی رکھیں سوہنیا
چنگے ہاں یا مندے ہاں نبھائی رکھیں سوہنیا

(ترجمۂ اشعار: یعنی اے میرے آقا و مولی آپ ہی کے نام کی برکت سے مجھے اس

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحيم نحمده ونصلی علٰی حبيبه الكريم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام مذکور کا پانی ہوتے ہوئے بھی تیمّم کا اعلان کرنا نئی شریعت گڑھنا ہے امام مذکور سے پوچھا جائے کہ پانی موجود ہو اور کوئی شرعی عذر بھی نہ ہو اس کے باوجود نماز جمعہ کے لئے تیمّم کرنا کہاں جائز لکھا ہے دکھاؤ دعوی ہے کبھی بھی نہیں دکھا پائیں گے۔شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ اگر چہ نماز جمعہ فوت ہوجائے بغیر عذر شرعی تیمّم کی اجازت نہیں ہے اور نماز جمعہ کا فوت ہوجانا عذر شرعی نہیں ہے اس لئے کہ نماز ظہر اس کا بدل موجود ہے۔

نورالایضاح میں ہے:

وليس من العذرخوف فوت الجمعة.

جمعہ کے فوت ہونے کا خوف تیمّم کے لئے عذر نہیں ہے۔

مراقی الفلاح میں اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لان الظهر يصلى بفوت الجمعة.

اس لئے کہ نماز جمعہ فوت ہونے پر ظہر پڑھی جاسکتی ہے۔[باب التيمم، ۱/۶۷]

تیمّم کے جائز ہونے کے لئے علماء احناف نے چند شرطیں بیان فرمائی ہیں،

نورالایضاح میں ہے

يصح التيمم بشروط ثمانية الثانی العذر المبيح للتيمم كبعده ميلا عن ماء ولوفی المصرو حصول مرض وبرديخاف منه التلف اوالمرض وخوف عدووعطش واحتياج لعجن لاالطبق مرق ولفقدآلة و خوف فوت صلاة

جہان میں شان وعزت ملی ہے میری ڈور آپ ہی کے ہاتھ میں ہے جہان میں جو میری پذیرائی ہے اس کو قائم رکھنا۔ میں خواہ اچھا ہوں یا بُرا میری لاج نبھائے رکھنا۔)

کیا اس شعر میں گڈی یعنی پتنگ کا استعارہ استعمال کرنا معاذ اللہ بارگاہ رسالت میں گستاخی شمار ہوگا؟

(۴) مزید یہ بھی کہا کہ جو نعت خوان حضرات تُو، تیرا، تم وغیرہ الفاظ پر مشتمل نعتیں پڑھتے ہیں وہ گستاخ ہیں اللہ کرے کہ ان کی زبانیں گونگی ہوجائیں۔ کیا نعتیہ اشعار میں جناب رسالت مآب ﷺ کے لیے تو، تیرا اور تیرے وغیرہ کے الفاظ استعمال کرنا بے ادبی، جہالت اور گستاخی ہے؟

(۵) گائے یا اونٹ کی قربانی میں کتنے افراد شرکت کرسکتے ہیں؟

(۶) مذکورہ خطیب مولوی مودودی اور دیوبندی مولوی انور شاہ کشمیری کو بھی نیک پارسا عابد وزاہد خیال کرتا ہے؟

(۷) کیا صدقۂ فطر صرف عید کی نماز سے قبل ہی ادا ہوسکتا ہے؟ بعد میں کسی مسکین فقیر کو دینے سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا؟

(۸) شب برأت میں سو نوافل ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ مزید یہ بھی ارشاد فرمائیں کیا نوافل کی ادائیگی قضا نمازوں کی ادائیگی سے زیادہ ثواب کا موجب ہے؟

(۹) کیا نماز میں زبان سے نیت کرنا شرط ہے؟ اگر زبان سے نیت نہ کی جائے تو کیا نماز نہ ہوگی؟ بینوا توجروا

محمد ساجد قادری، مرکز الاولیاء لاہور، پاکستان

جنازۃ اوعید ولو بناء ولیس من العذر خوف فوت الجمعة والوقت.

تیمّم آٹھ شرطوں کے ساتھ صحیح ہے ان میں سے دوسری شرط وہ عذر جو تیمّم کو جائز کرے جیسے نماز کا ارادہ کرنے والا پانی سے ایک میل دور ہو اگرچہ شہر میں ہو یا مرض اور ٹھنڈ ہو جس سے فوت ہوجانے یا مرض کے بڑھنے کا خوف ہو اور دشمن کا خوف ہو، پیاس کا اندیشہ ہو، آٹا گوندھنے کے لیے پانی کی ضرورت ہو نا کہ شوربہ پکانے کے لئے اور پانی نکالنے کا آلہ نہ ہو، یا نماز جنازہ یا نماز عید کے چھوٹ جانے کا خوف ہو اگرچہ بناءً ہی ہو اور جمعہ کے چھوٹ جانے کا خوف اور وقت نکل جانے کا خوف عذر نہیں ہے۔

فتاویٰ نوازل میں ہے:

شرط جواز التیمم هو العجز عن استعمال الماء و ذالک قد یکون بعدم الماء وهو ان یکون بینه وبین الماء نحو المیل ...وقد یکون بخوف الهلاک ...او خوف زیادة المرض. [باب التیمم، ۵۴]

تیمّم کے جائز ہونے کی شرط پانی کے استعمال سے عاجز ہونا ہے اور عاجز ہونا کبھی پانی موجود نہ ہونے کے سبب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو اور کبھی عاجز ہونا ہلاک ہونے کے ڈر سے یا بیماری کے بڑھنے کے خوف سے ہوتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ جدید میں ہے:

’’عیدین یا جنازہ کی نماز جاتی رہنے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرے جمعہ و پنج گانہ کے لئے وضو کرنا لازم ہے اگرچہ جمعہ وجماعت فوت ہوجائے‘‘

[۲۹۷/۳]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ منیفہ ”سمح الندریٰ فیما یورث العجزعن الماء“ ملاحظہ فرمائیں، جس میں پانی کی موجودگی یا عدم موجودگی میں تیمّم کے جائز ہونے کی پونے دوسو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

الحاصل: امام پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور آئندہ بغیر تحقیق کے کوئی مسئلہ عوام کے روبرو بیان نہ کرے۔ اور جن لوگوں نے پانی پائے جانے کے باوجود بھی تیمّم سے نمازِ جمعہ ادا کی ہے ان کی نماز نہیں ہوئی ان پر نماز ظہر کی قضا فرض ہے۔ اور ان پر لازم ہے کہ احکام شرعیہ سے واقفیت رکھنے والے کو ہی اپنا امام منتخب کریں ورنہ ان کی ساری نمازیں رائیگاں جائیں گی۔

(۲) چہلم کی محفل پاک بغرض ایصال ثواب ممنوعات شرعیہ سے پاک وصاف ایک امرِ محمود ومستحسن ہے۔ امام مذکور کا چہلم کو فرض قرار دینا جہالت ہے۔ فرض شریعت میں اس حکم کو کہا جاتا ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اصول فقہ کی معتبر ومشہور کتاب اصول الشاشی میں ہے:

الفرض....فی الشرع ماثبت بدلیل قطعی. [اصول الشاشی،۱۰۳]

دررالاحکام میں ہے:

الفرض....حکم لزم بدلیل قطعی وحکمه ان یستحق العقاب تارکه بلاعذرویکفر جاحده.

فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو بلا عذر ترک کرنے والا مستحق عذاب اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

اور دلیل قطعی کا اطلاق آیات محکمہ اور خبر متواتر پر ہوتا ہے الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

الفرض .... ثبت بدلیل قطعی لاشبهة فیه کالکتاب والخبرالمتواترحتی انه یکفر جاهده.

فرض وہ حکم ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس میں کوئی شبہ نہ ہو جیسے

(۴) امام مذکور بڑا ہی بیباک اور علم سے کورا معلوم ہوتا ہے یہی نہیں بلکہ وہ اپنی مادری زبان اردو کو سمجھنے سے بھی عاجز ہے اردو زبان میں تو،تم، تیرا،تمہارا وغیرہ کا استعمال صرف تحقیر کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کے لئے بھی شائع وذائع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے لئے تو، تیرا کا استعمال، بہت سے علاقوں میں ماں کے لئے تو کا استعمال بلاشبہ تعظیم ومحبت کے لئے ہے نا کہ تحقیر وتذلیل کے لیے مزید یہ کہ اردو وفارسی کے مشاہیر شعرا کے نعتیہ کلام میں تو، تیرا کا استعمال کثرت سے پایا جاتا ہے اسے بے ادبی اور گستاخی پر محمول کرنا اور ان کی زبانوں کے گونگے ہونے کی بددعا کرنا یقیناً حماقت، سفاہت اور جہالت پر مبنی ہے۔ امام مذکور نے یہ اختراعی مسئلہ بیان کرتے وقت اور زبانوں کے گنگ ہونے کی بددعا کرتے وقت یہ بھی نہیں سوچا کہ میری زبان کے اس زہر آمیز جملے سے نہ جانے کتنے اولیا وعلما اور اکابر ملت کی بارگاہوں کا تقدس مجروح ہوگا۔ بے شمار اکابرامت نے اپنے کلام میں آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تو، تیرا، تمہارا وغیرہ کا استعمال کیا ہے ہم ذیل میں چند اکابر کے اشعار بطور ثبوت پیش کیے دیتے ہیں:

درج ذیل اشعار سیدی غوث اعظم علیہ الرحمہ کی جانب منسوب کئے گئے ہیں:

چوذره ذره شودایں تنم به خاك لحد

توبشنوی صلوات ازجمیع ذراتم

سلام به گویم وصلوات برتوهرنفسے

قبول کن به کرم ایك سلام وصلواتم

مولانا روم مثنوی شریف میں حضرت ابوبکر کے حضرت بلال کو خریدنے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کا بارگاہ رسالت میں ایک عریضہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

گفت مادوبندگان کوئے تو

کردمش آزادمن برروئے تو

تومرا امیدار بنده ویارغار

قرآن اور خبر متواتر یہاں تک کہ اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔
[جلد ۱، ص ۶ کتاب الطهارة]

الحاصل: چہلم کا لازم ہونا نہ تو آیات محکمہ سے ثابت ہے اور نہ ہی خبر متواتر سے لہٰذا امام صاحب کا چہلم کو فرض قرار دینا سراسر غلط اور دینی و علمی مسائل سے ناواقفیت کی کھلی دلیل اور شریعت پر افترا ہے امام مذکور پر علی الاعلان توبہ لازم ہے۔ نیز محفل چہلم از روئے شرع ایک امر محمود ہے اگر اس میں ممنوعات شرعیہ جیسے نوحہ، سینہ کوبی یا گریبان پھاڑنا یا ماتم کرنا تجدد غم وغیرہ نہ ہوں اور روایات صحیحہ کی روشنی میں شہداء کربلا اور دیگر اخیار کا ذکر خیر کیا جائے۔ تو بلاشبہہ موجب ثواب اور "عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة" کے مطابق باعثِ نزول رحمت ہے۔

(۳) احقر کو مذکورہ بالا اشعار میں از روئے شرع کوئی قباحت نظر نہیں آ رہی ہے ایسے استعارے ہر زبان میں موجود ہیں پتنگ وغیرہ کا استعمال مجاز ابلندی کے لئے ہوتا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ یا نبی میری زندگی کی ڈور اب آپ کے ہاتھ ہے یا جیسے کسی کے لئے بولا جائے کہ وہ تو علم کا پہاڑ ہے یا اس کا دماغ ساتویں آسمان پر ہے، یہ سب بطور مجاز بولا جاتا ہے۔ خطیب مذکور بغیر علم کے فتوی دینے میں جری معلوم ہوتا ہے۔ خطیب کو یہ نہیں معلوم کہ بغیر علم کے فتوی بازی کرنا ناجائز وحرام ہی نہیں بلکہ آسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت کا سبب بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من افتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض.

جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔ [کنز العمال، ۱۰/۱۹۳]

هیــچ آزادی نــخــواهــم زینهــــار

علامہ جامی فرماتے ہیں:

غریبم یارسول الله غریبم
ندارم درجهاں جزتوحبیبم
مرض دارم زعصیاں لادوائے
مگر الطاف توباشدطبیبم
بریں نازم که هستم امت تو
گنهگارم ولیکن خوش نصیبم

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

بلند آسماں پیش قدرت خجل
تومخلوق وآدم هنوزآب وگل
تواصل وجودآمدی ازنخست
دگرهرچه موجودشدفرع تست
تراعزلولاك تمكين بس است
ثنای توطه ويسين بس است

حضرت امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مجھے بھی یاد رکھیو ہوں تمہارا اُمتی عاصی
گنہگاروں کو جب تم بخشواؤ یارسول اللہ

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ واللہ

مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

مفتی اعظم فرماتے ہیں:

تو شمع رسالت ہے عالم تیرا پروانہ

تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

مذکورہ بالا اشعار مشتے نمونہ ازخروارے کے طور پر بیان کردئے گئے ہیں ورنہ فارسی اور اردو کا کوئی نعتیہ دیوان ایسا نہیں ملے گا جس میں بارگاہ رسالت کے لئے تو، تیرا کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔

الحاصل: نعت وغیرہ میں تو تیرا تمہارا کا استعمال بلاشبہ جائز ہے امام مذکور اپنے اس قول سے توبہ کے ساتھ رجوع کرے اور آئندہ بغیر تحقیق کے کوئی ایسا جملہ استعمال نہ کرے جس سے اولیا وعلما کی بارگاہوں کا تقدس پامال ہو۔

(۵) گائے یا اونٹ کی قربانی میں سات یا اس سے کم لوگوں کی شرکت جائز ہے البتہ سات سے زیادہ افراد ایک گائے یا اونٹ میں شریک نہیں ہوسکتے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

یجب ان یعلم ان الشاة لاتجزی الاعن واحدوان کانت عظیمة والبقر والبعیر یجزی عن سبعة اذاکانوایریدون به وجه الله تعالیٰ والتقدیربالسبع یمنع الزیادة لایمنع النقصان کذافی الخلاصة.

جاننا ضروری ہے کہ بکری اگرچہ بڑی ہو مگر وہ ایک ہی آدمی کی طرف سے جائز ہوگی اور گائے، اونٹ سات لوگوں کی طرف سے جائز ہے جب کہ وہ اس سے لوجہ اللہ قربانی کا ارادہ رکھتے ہوں اور سات کی قید سات سے زیادہ لوگوں کو شرکت سے روکنے کے لئے ہے نا کہ اس سے کم کے لئے۔ [۳۰۴/۵]

قل هوالله احدوتروی فی صحتهاآثارواخبارلیس علیها الاعتماد ولانقول انهاموضوعة کماقال الحافظ ابن الجوزی فان الحکم فی الوضع امره خطیروشانه کبیرمع انهااخبارترغیب والعامل علیهابنیته یثاب ویصدق عزمه واخلاصه فی ابتهاله یجاب والاولی تلقیهابالقبول من غیر حکم بصحتهاولاحرج فی العمل بها.

محدث غافقی نے لمحات الانوار میں اور صاحب انس المنقطعین نے اور ابوطالب مکی نے قوت القلوب میں عبدالعزیز دیرینی نے طہارۃ القلوب میں ابن جوزی نے کتاب النور میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں پندرھویں شب کی نماز (سو رکعت) کا ذکر کیا حافظ طبری نے فرمایا کہ مکلفین کے ہر ملک میں سب کے اتفاق سے پندرہویں شعبان کی رات میں سو رکعات نماز پر ایک ہزار قل ھو اللہ احد کے ساتھ عادت جاری ہے اور اس کی صحت پر جو آثار اور خبریں روایت کی گئی ہیں ان پر اعتماد نہیں ہے البتہ ہم ان کو موضوع بھی نہیں کہیں گے جیسا کہ ابن جوزی نے کہہ دیا اس لئے کہ وضع کا حکم بڑی چیز ہے مزید یہ کہ وہ ترغیب کی خبریں ہیں اور ان پر اپنی نیت سے عمل کرنے والا ثواب پائے گا اور اگر سچا ہوگا اس کا ارادہ اور اخلاص اس کی انکساری وعاجزی میں تو قبول کیا جائے گا اور ان آثار پر صحت کا حکم لگائے بغیر قبول کرلینا زیادہ بہتر ہے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [البحرالرائق، ۹۳/۲، باب الوتر والنوافل]

الحاصل: پندرہویں شعبان کی رات سو رکعت نماز ایک امر مستحسن ہے اور ان رکعات کو خلوص وللّٰہیت سے ادا کرنے والا بلاشبہ اجر وثواب کا مستحق ہے البتہ اگر قضا نمازیں ذمہ میں ہوں تو نوافل کی ادائیگی بے سود ہے۔

(۶) خطیب مذکور اگر مولوی کشمیری کی بدمذہبیت سے واقف ہونے کے باوجود اسے پارسا عابد وزاہد خیال کرتا ہے تو از روئے شرع دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

مجمع الانہر میں فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے ہے:

من شک فی عذابه وکفره فقد کفر.

جو کسی کافر کے عذاب اور کفر میں شک کرے کافر ہے۔[مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، ۳۶۵/۴]

خطیب پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح اور تجدید بیعت لازم وفرض ہے۔

(۷) صدقۂ فطر نماز عید سے قبل ادا کرنا سنت ہے لیکن اگر کسی وجہ سے نماز عید سے قبل ادائیگی نہ ہو پائے تو بعد میں ادا کرے عمر بھر اس کا وقت رہے گا اور جب بھی ادا کرے گا ادا ہی کہلائے گا قضا نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ففی ای وقت ادی مؤدیا لا قاضیاً .... غیر ان المستحب قبل الخروج الی المصلی.

کسی وقت بھی ادا کرے ادا ہی ہوگا قضا نہیں مگر یہ کہ عیدگاہ کے لئے نکلنے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے۔[باب صدقة الفطر، ۳۱۱/۳]

(۸) البحر الرائق میں ہے:

وصلاة ليلة النصف ذكرها الغافقی المحدث فی لمحات الانوار وصاحب انس المنقطعين وابوطالب المكی فی القوت عبد العزيز الديرينی فی طهارة القلوب وابن الجوزی فی كتاب النور والغزالی فی الاحياء قال الحافظ الطبری جرت العادة فی كل قطر من اقطار المكلفين بتطابق الكافة علی صلاة مائة ركعة فی ليلة النصف من شعبان بالف

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔

اے عزیز!

فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ ونذرانہ۔ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے وہ قابلِ قبول ہوں گے؟..... لاجرم محمد بن المبارک بن الصباح اپنے جزءِ املا اور عثمان بن ابی شیبہ اپنی سنن اور ابونعیم حلیۃ الاولیاء اور ھنّاد فوائد اور ابن جریر تہذیب الآثار میں عبدالرحمٰن بن سابط وزید وزبید پسرانِ حارث ومجاہد سے راوی:

فلما حضر ابابكر ن الموتُ دعا عمر فقال اتق اللّٰہ يا عمر واعلم ان له عملا بالنهار لا يقبله بالليل و عملا بالليل لا يقبله بالنهار واعلم انه لايقبل نافلة حتی تؤدی الفريضة ،الحديث“

یعنی جب خلیفہ رسول اللہ ﷺ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا: اے عمر اللہ سے ڈرنا اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انھیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں کہ انھیں دن میں کرو تو مقبول نہ ہوں گے، اور خبردار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کرلیا جائے، الحدیث۔

نیز فتوح الغیب شریف کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مبارک بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حضور مولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم يقبل منه واهين.

یعنی فرض چھوڑ کر سنّت ونفل میں مشغول ہوگا یہ قبول نہ ہوں گے اور خوار کیا جائے گا'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰]

(۹) نماز میں زبان سے نیت کرنا مستحب ہے شرط نہیں اگر زبان سے نیت نہ کی گئی تو کوئی حرج کی بات نہیں اس سے نماز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

النیة ارادة الدخول فی الصلاة والشرط ان یعلم بقلبه ای صلاة یصلی و ادناها مالو سئل لامکنه ان یجیب علی البدیهة .... ولاعبرة للذکر باللسان فان فعله لتجتمع عزیمة قلبه فهو حسن کذافی الکافی.

نماز میں داخل ہونے کے ارادہ کا نام نیت ہے اور نیت کی شرط یہ ہے کہ وہ دل میں جانتا ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے اور اس کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ اگر اس سے پوچھ لیا جائے تو برجستہ جواب دیدے اور زبان سے کہہ لینے کا کوئی اعتبار نہیں البتہ اگر نیت کے ساتھ اسے بھی جمع کر لے تو اچھا ہے ایسا ہی کافی میں ہے۔ [باب النیة، ۱/۶۵]

درمختار میں ہے:

التلفظ عند الارادة بها مستحب هو المختار.

نیت کے ساتھ زبان سے کہہ لینا مستحب ہے یہی مختار ہے۔

[باب شروط الصلاة، ۲/۹۲] هذاما عندی والعلم عندالله تعالیٰ

کتبــه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخه ۵/شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

کا یہ فعل اپنی مرضی سے ان کے مذہب کو حق جانتے ہوئے ان کے جلسہ کو دینی جلسہ سمجھتے ہوئے تھا تب تو ازروئے شرع ان پر حکم کفر عائد ہوگا۔ دیوبندیوں کے کفر پر مطلع ہوتے ہوئے ان کو مسلمان جاننے اور ان کے کفر پر راضی ہونے کی وجہ سے۔

حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

''جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔

وجیز امام کردری و درمختار و شفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

اجمع العلماء من شک فی عذابه و کفره فقد کفر.

علماء کا اجماع ہے کہ جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔''

[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/۳۷۸]

اور کتب عقائد کا مشہور ضابطہ ہے:

الرضابالکفر کفر. کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

لہٰذا ایسی حالت میں ان پر توبہ و تجدید ایمان تجدید نکاح لازم و ضروری ہے۔

درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولاده اولاد زنا، ومافیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة (ای تجدید الاسلام) وتجدید النکاح.

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ [باب المرتد، ۶/۳۹۱]

اہلسنت کی مسجد سے بدمذہبوں کے جلسہ میں شرکت کا اعلان حرام

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب نے جو سنی ہیں جمعہ کے روز دیوبندیوں کے جلسہ کا اعلان کیا۔ اعلان میں لوگوں سے جلسہ میں شرکت کی اپیل کی اور کہا کہ لوگ پہنچ کر اس جلسہ کو کامیاب بنائیں۔ امام صاحب کا اس طرح بدمذہبوں کے جلسہ میں شرکت کا اعلان کرنا شریعت کی روشنی میں کیسا ہے؟ اور امام صاحب کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ میں نے کمیٹی کے دباؤ میں یہ اعلان کیا اور کمیٹی میں سکریٹری دیوبندی ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی محمد مجاہد رضا نوری محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

عرب وعجم کے علماء اہلسنت کے نزدیک دیوبندی وہابی جماعت اپنے عقائد باطلہ وکفریہ کے سبب بددین، گمراہ، کافر ومرتد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ملاحظہ ہو اعلیٰ حضرت کی کتاب مستطاب حسام الحرمین نیز حضور صدر الافاضل محدث مرادآبادی قدس سرہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''وہابی بے دین منکر ضروریات دین خارج از اسلام ہیں'' [فتاوی صدر الافاضل، ص ۴۱۹]

جب دیوبندی جماعت کا کفر وارتداد متفق علیہ ہے تو پھر دیوبندیوں کے جلسہ کی دعوت دینا اور اسے کامیاب بنانے کی اپیل کرنا گویا لوگوں کو کفر کی دعوت پیش کرنا ہے اگر امام صاحب

اور اگر فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ امام صاحب کے قول کے مطابق کمیٹی کے دباؤ میں آکر انہوں نے انہوں نے جلسہ میں جانے اور اسے کامیاب بنانے کا اعلان کیا تب بھی امام صاحب نے ایک ناجائز وحرام کام کا ارتکاب کیا اور گناہ میں بددینوں کا ساتھ دیا فرمان الٰہی ہے:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

اے مسلمانو! بدمذہبوں کی طرف نہ جھکو نہیں تو تم کو جہنم کی آگ چھوئے گی)

[پارہ ۱۲، سورہ ھود آیت ۱۱۳]

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان''

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

اور کمیٹی کے دباؤ میں آکر خلاف شرع کام کرنا گویا دین پر دنیا کو ترجیح دینا ہے اور یہ عذاب الٰہی کا سبب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ.

اے نبی فرمادو کہ اے لوگو! اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیویاں تمہارا کنبہ تمہاری کمائی کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہاری پسند کا مکان ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار رکھو یہاں کہ اللہ اپنا عذاب اتارے اور اللہ تعالیٰ

نافرمانوں کوراہ نہیں دیتا۔[پارہ۱۰سورہ توبہ]
خلاف شرع کام میں کمیٹی ہو یا کوئی اور کسی کی اطاعت جائز نہیں۔
حدیث پاک میں ہے:

لاطاعة فی معصية الله انماالطاعة فی المعروف.

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت اور کسی کا لحاظ نہیں بلکہ اطاعت فقط نیک کام میں ہے۔[صحیح بخاری،۲/۱۰۷۸]

الحاصل: امام صاحب پر اس فعل شنیع پر راضی ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا حکم کفر عائد ہوگا اور انہیں از روئے شرع شریف علی الاعلان توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

علاوہ ازیں کمیٹی میں دیوبندی کو سیکریٹری منتخب کرنے اور اس کو دین کے معاملات میں دخل اندازی کرنے پر راضی ہونے کی وجہ سے اہل محلّہ پر بھی ضروری ہے کہ وہ بھی توبہ کریں اور فوراً اس بد مذہب دیوبندی کو سکریٹری کے عہدے سے برطرف کریں اس لئے کہ بد مذہبوں کی تعظیم کرنا اور اپنے دینی امور ان کے ہاتھوں میں سونپ دینا ناجائز وحرام ہے۔ ان کے لئے تو شریعت کا یہ حکم ہے جس پر عمل کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔

اعلیٰ حضرت مقاصد وشرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

حکم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والطعن واللعن .

یعنی بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض وعداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل وتحقیر کریں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۹۷]

باب الجنائز

ناکہ ان کو اپنے دینی امور کا حاکم ومختار بنائیں۔

حدیث میں ہے: **ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم.**

گمراہوں سے دُور بھاگو اُنہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔[صحیح مسلم،۱/۱۰]

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ.

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ

چپل پہن کرنماز جنازہ پڑھنا

کیافرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں عموماً نماز جنازہ راستے یامیدان میں پڑھی جاتی ہے جہاں گندگی رہتی ہے تو کیا جوتے چپل پہن کرنماز ادا کرسکتے ہیں یا جوتے چپل اتار کراس پر کھڑے ہوکر۔ ایسے مقامات پر جوتے چپل پہن کرنماز پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں اورعنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی محمداسرارالحق

(خطیب وامام) جامع مسجد محلّہ بانس پھوڑان کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

نمازِ جنازہ ایسی جگہ پر جہاں گندگی ہو یا گندگی کا احتمال ہونہ پڑھیں اوراگر پڑھیں تو ننگے پیر یاجوتے چپل کے ساتھ نہ پڑھیں۔اگرنجاست پر کھڑے ہوکر جوتے چپل پہن کرنماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔

فتاوی شامی میں ہے:

قدتوضع فی بعض المواضع خارج المسجد فی الشارع فیصلی علیھاویلزم منہ فسادھامن کثیرمن المصلین لعموم النجاسة وعدم خلعھم نعالھم المتنجسة.

بعض مقامات میں جنازہ مسجد کے باہرروڈپررکھ کرنماز ادا کی جاتی ہے اس سے بہت سے نمازیوں کی نماز میں فساد لازم آتا ہے کیونکہ وہ جگہ عام طورپرناپاک ہوتی ہے اورلوگ اپنے نجاست آلود جوتے اتارتے نہیں ہیں)

[ردالمحتار،باب صلاة الجنازة، ۱۲۹/۳]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو قام علی النجاسة وفی رجلیه نعلان اوجوربان لم تجز صلاته کذافی محیط السرخسی.

اور اگر نجاست پر کھڑا ہو اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔ [الفتاوی الھندیه،الفصل الثانی فی الطھارة، ١/٦٢]

البتہ جوتے چپل اُتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھیں تو نماز ہو جائے گی۔

محیط برہانی میں ہے:

لو قام علی النجاسة فی الصلاة وفی رجلیه نعلان او جوربان لاتجوز صلاته ولو فرش نعلیه اوجوربیه وقام علیهما جازت صلاته.

اگر کھڑا ہو جائے نجاست پر نماز میں اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں اور اگر اپنے جوتے اور پائتابے بچھالئے اور ان پر کھڑا ہو گیا تو نماز جائز ہے۔[١/٦٥،بیان احکام المحدث]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولو خلع نعلیه وقام علیهما جاز سواء کان مایلی الارض منه نجسا أو طاهرا اذا کان مایلی القدم طاهرا.

اور اگر اپنے جوتے اتار لئے اور ان پر کھڑا ہو گیا تو جائز ہے خواہ وہ حصہ جو زمین کی طرف ہے پاک ہو یا ناپاک جب کہ قدم کی طرف والا حصہ پاک ہو۔[الفصل الثانی فی الطھارة، ١/٦٢]

جائز ہے اور ابوبکر اسکاف اسی پر فتوی دیتے تھے اور امام ابویوسف کے نزدیک نماز جائز نہیں ہے ابوحفص کبیر اسی پر فتوی دیتے تھے۔[بدائع الصنائع کتاب الطھارة،باب ١/٢٣٩]

امام ابن عابدین شامی نے اس مسئلہ میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے۔ فرماتے ہیں:

وظاهره ترجیح قول محمد وهو الاشبه.

اور اس کا ظاہر امام محمد کے قول کی ترجیح ہے اور یہی اشبہ ہے۔ [ردالمحتار، باب مایفسد الصلاۃ، مطلب فی التشبہ باھل الکتاب،٢/٣٨٧]

نیز فتاوی عالمگیری میں بھی امام محمد کے قول کو ترجیح دی گئی ہے:

اذا صلی علی حجر الرّحا أو علی باب أو بساط غلیظ أو علی مکعب ظاهره طاهر وباطنه نجس یجوز عند محمد وبه کان یفتی الشیخ ابوبکر الاسکاف. وهو الاشبه باالترجیح هکذافی شرح منیة الصلی لابن امیر الحاج.

جب آٹے کے پتھر یا دروازے یا موٹے بچھونے یا مکعب پر جس کا اوپری حصہ پاک اور نچلا حصہ ناپاک ہو نماز پڑھی تو امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور ابوبکر اسکاف اسی پر فتوی دیتے تھے اور یہی ترجیح کے زیادہ لائق ہے)[فتاوی عالمگیری ،الفصل الثانی فی الطھارة، ١/٦٣]

علامہ عبدالحی کی کتاب **معین المفتی والسائل** جس کا ترجمہ دیوبندی عالم مفتی محمد عتیق مظاہری (استاد حدیث- جامع الہدیٰ، مراد آباد) نے کیا ہے، اس کتاب میں فتح القدیر کے حوالے سے ہے:

الاتری انه لوقام فی صلوته علی نجاسة وفی رجلیه

بحرالرائق میں ہے:

ولوقام علی النجاسة وفی رجلیه نعلان اوجوربان لم تجز صلاته لانه قام علی مکان نجس ولوافترش نعلیه وقام علیهما جازت الصلاة.

اگر کھڑا ہوجائے نجاست پرنماز میں اوراس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تواس کی نماز جائز نہیں اس لئے کہ وہ ناپاک جگہ پرکھڑاہے اوراگر اپنے جوتے اور پائتابے بچھالیے اوران پرکھڑاہوگیاتونماز جائز ہے۔[باب شروط الصلاة ۱/۴۶۶]

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں خلاصہ کے حوالے سے ہے:

لوصلی علی خشب وفی جانبه الآخر نجاسة ان کان غلظ الخشب بحیث یقبل القطع تجوز و الّافلا.

اگرلکڑی پرنماز پڑھی اوراس کی دوسری جانب نجاست ہے اگروہ لکڑی اس قدرموٹی ہوکہ کاٹی جاسکے توجائز ہے ورنہ نہیں۔[باب ما یفسد الصلاة، ۱۲۷۹]

بدائع الصنائع میں ہے:

اذاصلی علی حجرالرّحاأوعلی باب أوبساط غلیظ أوعلی مکعب ظاهره طاهروباطنه نجس یجوز عند محمدوبه کان یفتی الشیخ ابوبکرالاسکاف وعندابی یوسف لایجوزوبه کان یفتی الشیخ ابوحفص الکبیر.

جب آٹے کے پتھریادروازے یاموٹے بچھونے یامکعب پرجس کااوپری حصہ پاک اورنچلاحصہ ناپاک ہونماز پڑھی توامام محمد کے نزدیک

نعلان لا تجوز صلوته ولوفرش نعلیه اوجوربیه وقام علیهماجازت.

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اگرکوئی نمازمیں جوتے پہن کر نجاست پرکھڑاہوجائے تواس کی نمازدرست نہیں اوراگرجوتیوں یاجرابوں کو بچھاکر کھڑاہوجائے توجائز ہے۔[معین المفتی والسائل مترجم، ۳۶۹]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اگروہ جگہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک تھی یاجن کے جوتوں کے تلے ناپاک تھے اوراس حالت میں جوتاپہنے ہوئے نمازپڑھی ان کی نمازنہ ہوئی احتیاط یہی ہے کہ جوتااتارکراس پرپاؤں رکھ کرنمازپڑھی جائے کہ زمین یا تلااگرناپاک ہوتونمازمیں خلل نہ آئے۔''[فتاوی رضویہ جدید، ۹/۱۸۸]

حاصلِ کلام: ناپاک جگہ ننگے پیریاجوتے پہن کرنمازپڑھنے سے نمازنہیں ہوگی ہاں جوتے اُتارکراس پرکھڑے ہوکرنمازپڑھنے سے نمازہوجائے گی خواہ زمین یاجوتے کاتلادونوں ناپاک ہوں۔

هٰذاماعندی والعلم عندالله تعالیٰ.

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخه ۱۲/جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ

باب الحج والعمرہ

عرفات بليل فقد فاته الحج.

جو شخص رات کو عرفات میں ٹھہرا اس نے حج پالیا اور جس کا وقوف عرفہ رات سے فوت ہو گیا اس کا حج فوت ہو گیا۔ [سنن الدارقطنی، کتاب الحج، ۲/۲۴۱]

حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے:

من لم يقف بعرفة من ليلة المزدلفة من قبل ان يطلع الفجر فقد فاته الحج.

جس نے مزدلفہ کی رات میں طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفہ نہیں کیا اس کا حج فوت ہو گیا۔

نیز ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: **ولم يقف بعرفة فقد فاته الحج.**

اور وقوف عرفہ نہیں کیا تو حج فوت ہو گیا۔ [مؤطا امام مالک، کتاب الحج، ص، ۱۵۲]

لہٰذا اس پر آئندہ سال دوبارہ حج کرنا لازمی ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے:

من فاته عرفة بليل فقدفاته الحج فليحل بعمرة من غيردم وعليه الحج من قابل.

جس کا وقوف عرفہ فوت ہو گیا اس کا حج فوت ہو گیا وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اس پر کوئی دم نہیں البتہ آئندہ سال اس پر حج لازم ہے) [سنن الدارقطنی، ۲/۲۴۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے: **من احرم بالحج كان فرضاأومنذوراأوتطوعاًصحيحاًكان أو فاسد اسواء طرأفساده**

عرفات میں قیام حج کا سب سے بڑا رکن

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں پچھلے سال میں نے اپنے ماں باپ کو حج کرایا تھا جب وہ لوگ عرفات کے میدان میں جا رہے تھے تو میری والدہ کی شدید طبیعت خراب ہوگئی جس سے وہ آگے کے ارکان پورے نہیں کر پائیں حالانکہ انہوں نے قربانی کروادی تھی طواف کعبہ اور صفا و مروہ کی سعی بھی کر لی تھی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا میرے والدین کا حج مکمل ہوا یا نہیں؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

محمد شاداب کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

عرفات میں ٹھہرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے بلکہ اصل حج یہی ہے جس نے اسے پالیا اس نے حج پالیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحج عرفة فمن ادرک لیلة عرفة قبل طلوع الفجرمن لیلة جمع فقدتم حجه .

حج عرفہ ہے جس نے طلوع فجر سے قبل مزدلفہ کی رات میں وقوف عرفہ پالیا اس کا حج پورا ہوگیا۔[سنن النسائی باب فرض الوقوف بعرفة، ۲/۳۷]

اور جس کا وقوف عرفہ فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا حدیث شریف میں ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

من وقف بعرفات بلیل فقد أدرک الحج ومن فاته

أو انعقد فاسدا کما اذا أحرم مجامعا و فاته الوقوف بعرفة حتی طلع الفجر من یوم النحر فقد فاته الحج وعلیه ان یطوف ویسعی و یتحلل ویقضی من قابل ولا دم علیه کذافی الهدایه"

جس نے احرام باندھا حج فرض یا نذر یا نفل کا صحیح ہو یا فاسد برابر ہے کہ وہ فساد درمیان میں آگیا ہو یا شروع ہی سے ہو جیسا کہ مجامعت کی حالت میں احرام باندھا تھا اور وقوف عرفہ فوت ہوگیا یہاں تک کہ قربانی کے دن فجر طلوع ہوگئی تو اس کا حج فوت ہوگیا اس پر لازم ہے کہ طواف کرے اور سعی کرے اور احرام سے باہر ہو جائے اور آئندہ سال حج قضا کرے اور اس پر کوئی دم نہیں ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔[الفتاوی الہندیہ، کتاب المناسک، باب فی فوات الحج، ۱/۲۵۶]

فتاوی خانیہ میں ہے: من فاته الوقوف بعرفة فی وقت الوقوف فاته الحج.

جس کا وقوف عرفہ وقت وقوف میں فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا۔

[فصل فی فائة الحج، ۱/۲۵۶]

مذکورہ بالا عبارات کا ماحصل یہ نکلا کہ آپ کے والدین نے وقوف عرفہ ترک کیا جس کی کوئی تلافی نہیں سوائے اس کے کہ آئندہ سال حج کیا جائے آپ کے والدین پر لازم ہے کہ حج کی قضا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۷/جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ

آفاقی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں ایک شخص حرم شریف میں کام کرتا ہے جب اپنے وطن ہندوستان سے واپس آتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے اگر بغیر باندھے داخل ہوگئے تو دم دینا ہوگا کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا احرام کے ساتھ عمرہ بھی ضروری ہے؟

اور یہ بھی بتائیں کہ حدود حرم میں کام کرنے والا اگر زیارت کے لئے مدینہ گیا تو کیا واپسی میں اسے حدود حرم میں داخل ہونے سے پہلے عمرہ کے لئے احرام باندھنا اور حرم میں آکے عمرہ کرنا واجب ہے ایسا نہیں کیا تو کیا دم واجب ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

مبارک علی خاں رضوی

کا کیہ قربان گاہ حرم شریف مکہ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

از روئے شرع جب بھی کوئی باہر سے آنے والا مکہ شریف میں حاضر ہونا چاہے تو اس کے لیے میقات پہنچ کر احرام باندھنا واجب وضروری ہے عمرہ نہیں ہاں اگر بغیر احرام باندھے میقات سے گزر گیا تو اب اس پر شرعاً حج یا عمرہ واجب ہو گیا وہ میقات واپس آئے اور احرام باندھے عمرہ یا حج کی نیت کرے اگر وہ میقات واپس آکر احرام نہیں باندھتا اور میقات پر آئے بغیر احرام باندھ کر حج یا عمرہ کرلیتا ہے تو اس پر دم واجب ہے۔ یوہیں جب وہ مکہ سے مدینہ جاتا ہے تو گویا میقات سے باہر ہو جاتا ہے ایسی صورت میں وہ آفاقی یعنی باہر سے آنے والے کی طرح ہو جاتا ہے تو اگر وہ مکہ کو واپس ہوتا ہے تو میقات سے اسے احرام باندھنا ضروری ہے اگر نہیں باندھتا تو اوپر ذکر کیا گیا حکم نافذ ہوگا۔

میقات تک پہنچنے والا جب مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے چاہے حج اور عمرہ کے نیت سے یا تجارت کی غرض سے تو اس کے لیے بغیر احرام میقات سے گزرنا جائز نہیں ہے۔ [باب المواقیت، ج۵، ص ۳۸۲]

تحفۃ الفقہاء میں ہے:

الافاقی اذا جاوز المیقات لقصد الحج اولقصد مکة لتجارة من غیر احرام ودخل مکة کذلک فانه یلزمه اما حجة او عمرة عندنا.

باہر سے آنے والا اگر حج یا مکہ میں تجارت کے ارادے سے بغیر احرام کے میقات سے گزر کر مکہ میں داخل ہو گیا تو احناف کے نزدیک اس پر حج یا عمرہ واجب ہو گیا۔ [۱/۳۸۶]

ردالمحتار میں ہے:

المکی .... لا یجاوز میقات الآفاقی والافھو کالآفاقی لایحل له دخوله بلااحرام.

مکہ میں رہنے والا باہر سے آنے والے کے میقات سے نکلتے ہی اسی کے مثل ہو جائے گا اس کے لیے بھی مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز نہیں ہوگا۔ [کتاب الحج، مطلب فی المواقیت، ۳/۴۸۴]

واللہ تعالیٰ اعلم.

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۵/ ربیع النور ۱۴۳۴ھ

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”باہر سے مکہ معظّمہ کا قصد کرنے والے کو بے احرام ان مقاموں سے آگے بڑھنا حرام ہے“ [فتاوی رضویہ جدید ۱۰/۷۷۹]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا یجوز للآفاقی ان یدخل مکة بغیر احرام نوی النسک اولا ولو دخلها فعلیه حجة اوعمرة کذافی محیط السرخسی.

باہر سے آنے والے کے لیے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز نہیں ہے حج وعمرہ کی نیت ہو یا نہ ہو اور اگر بغیر احرام داخل ہو گیا تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہے ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔[باب فی المواقیت، ج ۱ ص ۲۲۱]

اسی میں ہے: اذادخل الافاقی مکة بغیر احرام وهو لا یرید الحج والعمرة فعلیه لدخول مکة اما حجة اوعمرة فان احرم بالحج او العمرة من غیر ان یرجع الی المیقات فعلیه دم لترک حق المیقات وان عاد الی المیقات واحرم فهذا علی وجهین فان احرم بحجة اوعمرة عما لزمه خرج عن العهدة الخ

جب باہر سے آنے والا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو اور اس کا حج اور عمرہ کا ارادہ نہ ہو تو اس پر مکہ میں داخل ہونے کے سبب یا تو حج ہے یا عمرہ پس اگر میقات کو لوٹے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھا تو حق میقات ترک ہونے کے سبب اس پر دم ہے اور اگر میقات کو واپس آکر احرام باندھا تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر حق میقات ترک ہونے کے سبب جو حج یا عمرہ لازم آیا تھا اس کا احرام باندھا تو دم ساقط ہو گیا۔الخ[باب مجاوزۃالمیقات بغیر احرام، ج ۱ ص ۲۵۳]

مبسوط سرخسی میں ہے:

لیس لاحد ینتهی الی المیقات اذاارادد خول مکة ان یجاوزها الابالاحرام سواء کان من قصده الحج او القتال او التجارة.

حائضہ عورت کے لئے ارکان حج کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسئلہ میں اگر ایام حج میں عورت حائضہ ہو جائے تو حج کے افعال کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا

قاری محمد ذاکر حسین

مدرسہ اہل سنت گلشن رضا کونڈا چوراہا کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

ایام حج میں حائضہ عورت سوائے طواف کعبہ اور سعی کے تمام ارکان وافعال ادا کرے گی۔

ملتقی الابحر میں ہے:

ولو حاضت عند الإحرام اغتسلت وأتت بجميع المناسک إلا الطواف.

اگر عورت احرام کے وقت حائضہ ہو جائے تو غسل کرے اور سوائے طواف کے تمام اعمال حج ادا کرے۔[ملتقی الابحر، کتاب الحج، ۱/ ۵۲]

عقود الدریہ میں ہے:

حَيْضُهَا لَا يَمْنَعُ شَيْئًا مِنْ نُسُكِهَا إلَّا الطَّوَافَ.

عورت کا حیض سوائے طواف کے افعال حج میں سے کسی سے مانع نہیں۔

[عقود الدریه فی تنقیح الفتاوی، ۱/ ۹۲]

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

المرأة إذا حاضت فی الحج إن حاضت قبل أن تحرم وانتهت إلی المیقات فإنها تغتسل وتحرم وإذا قدمت مكة وهی حائض تصنع كما یصنع الحاج غیر أنها لا تطوف بالبیت ولا تسعی بین الصفا والمروة وتشهد جمیع المناسک.

عورت جب دوران حج حائضہ ہوجائے تو اگر وہ احرام باندھنے سے پہلے حائضہ ہوئی ہے اور میقات تک حیض ختم ہوگیا تو وہ غسل کرے اور احرام باندھے اور جب حالت حیض ہی میں مکہ پہنچ گئی تو سوائے طواف کعبہ اور صفا و مروہ کی سعی کے تمام کام کرے جو حاجی لوگ کرتے ہیں)

[فتاوی قاضی خاں، ۱/۳۴۷،فصل فی كیفیة اداء الحج]

حاشیہ طحطاوی علی الدر میں ہے:

اغرب القهستانی حیث زادالسعی.

قہستانی نے انوکھی بات کہی کہ انہوں نے سعی کا اضافہ فرمایا یعنی حائضہ عورت کو طواف کے علاوہ سعی سے بھی منع فرمایا

[حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، ۱/۵۱۳]

ردالمختار میں ہے: **تنبیه قدمنا عن المحیط أن تقدیم الطواف شرط صحة السعی فعن هذا قال القهستانی فلو حاضت قبل الإحرام اغتسلت وأحرمت وشهدت جمیع المناسک إلا الطواف والسعی اه أی لأن سعیها بدون طواف غیر صحیح.**

خبردار ہم محیط کے حوالے سے بیان کرچکے ہیں کہ طواف کا مقدم ہونا سعی کے صحیح ہونے کی شرط ہے اسی وجہ سے قہستانی نے کہا کہ اگر عورت احرام باندھنے سے پہلے حائضہ ہوجائے تو غسل کرے اور احرام باندھے اور طواف

باب النكاح

وسعی کے علاوہ تمام مناسک ادا کرے اس لئے کہ بغیر طواف کے سعی کرنا صحیح نہیں ہے۔ [ردالمحتار، ۳/۵۵۲، کتاب الحج]

الحاصل: حائضہ عورت ایام حج میں طواف کعبہ اور سعی کے علاوہ تمام ارکان وافعال ادا کرے گی۔ ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ

کتبـــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۲۸/جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید نے کسی عورت سے زنا کیا اور اب وہ اس عورت کی جوان لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

حافظ محمد غلام یسین منڈل سرسلا مسجد نور ضلع کریم نگر حیدر آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

زید کے لئے اس عورت کی لڑکی سے نکاح جس سے وہ زنا کر چکا ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔قرآن مقدس میں ہے:

رَبَائِبُکُمُ اللَّاتِی فِی حُجُورِکُمْ مِنْ نِسَائِکُمُ اللَّاتِی دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

(اور (حرام ہیں تم پر) ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بی بیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو) [کنزالایمان سورہ نساء پارہ۴ آیت ۳۲]

مجمع الانھر میں ہے:

لَوْ زَنَی بِامْرَأَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ أُصُولُهَا وَفُرُوعُهَا

(اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس پر اس عورت کے اصول وفروع حرام ہو گئے)

[کتاب النکاح باب المحرمات، ۱/۴۸۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فَمَنْ زَنَی بِامْرَأَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَإِنْ عَلَتْ وَابْنَتُهَا وَإِنْ سَفُلَتْ.

وہ شخص جس نے کسی عورت سے زنا کیا اس پر عورت کی ماں اوپر تک (یعنی عورت کی نانی پرنانی وغیرھا) اور اس عورت کی بیٹی نیچے تک (یعنی نواسی وغیرھا) سب حرام ہیں۔[کتاب النکاح باب فی بیان المحرمات ۱/۲۷۴]

فتاوی رضویہ میں ہے:

رَبَائِبُکُمُ اللَّاتِی فِی حُجُورِکُمْ مِنْ نِسَائِکُمُ اللَّاتِی دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

اس آیہ کریمہ میں زن مدخولہ کی بیٹی حرام فرمائی اور جس طرح وصف "اللَّاتِی فِی حُجُورِکُمْ" یعنی اس کی گود میں پلنا بالا جماع شرط حرمت نہیں۔ مثلاً زید کسی پچیس سال والی عورت سے نکاح کرے اور اس کے پہلے شوہر سے اس کی ایک بیٹی چاردہ سالہ ہو جسے گود میں پالنا در کنار زید نے آج سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو کیا زید کو حلال ہو سکتا ہے کہ اس کی لڑکی سے بھی نکاح کر لے اور مادر دختر دونوں کو تصرف میں لا الہ الا اللہ یہ ہرگز شریعت محمد رسول اللہ ﷺ نہیں۔

اسی طرح وصف "نِسَائِکُم" یعنی ان مدخولات کا زوجہ و منکوحہ ہونا بھی بالاتفاق شرط نہیں، کیا لیلی و سلمی ماں بیٹی دونوں جس کی کنیز شرعی ہوں اسے حلال ہے کہ دونوں سے جماع کیا کرے، مادر و دختر دونوں ایک پلنگ پر، عیاذاً باللّٰہ، یہ شریعت محمدی ﷺ سے کس درجہ بعید ہے۔ حالانکہ ہرگز کنیزیں "نِسَائِکُم" میں داخل نہیں نہ ان کی بیٹیوں پر "رَبَائِبُکُم" صادق، غالباً ان حراموں کو حلال بتاتے ہوئے غیر مقلد صاحب بھی شرم کریں، تو ثابت ہوا کہ نکاح جس طرح بحکم تتمہ آیت "فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ" تحریم دختر کے لیے کافی نہیں، یونہی شرط و ضروری بھی نہیں یعنی نہ وہ علت ہے، نہ جزء علت اب آیہ کریمہ میں نہ رہا مگر "اللَّاتِی دَخَلْتُمْ بِهِن" یعنی ان عورتوں کی بیٹیاں جن کے ساتھ تم نے صحبت کی، معلوم ہوا صرف اس قدر علت تحریم ہے اور یہ قطعاً مزنیہ میں بھی ثابت کہ وہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ

دیوبندی لڑکے سے سنی لڑکی کا نکاح جائز نہیں

جناب مفتی صاحب قبلہ سلام مسنون!

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں؛

ایک سنی صحیح العقیدہ نے اپنی لڑکی کا رشتہ دیوبندی کے گھرانے میں کیا ہے ہم نے اس کو بہت سمجھایا پھر بھی نہیں مانا اب ان لڑکی ولڑکا کی شادی ہے لڑکی والے سنی ہیں جو ہمارے قریبی بھائی رشتہ دار ہیں کیا ایسی شادی میں جانا چاہئے یا نہیں؟ اگر لڑکی کی شادی میں نہیں جائیں گے تو آپس میں بھائی بھائی میں نفرت پیدا ہوگی اور بھائیوں میں آنا جانا بند ہو جائے ہم لوگ جس جگہ پر رہتے ہیں وہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے بیس ۲۰ گھروں کی آبادی ہے آپس میں ایک دوسرے کے بغیر نہیں چل سکتا اس صورت میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے؟

فقط سلام دعا گو تاج محمد اکبری کرڑا جالور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دیابنہ اپنے عقائد باطلہ وخبیثہ کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں ان کے ساتھ کسی سنی و سنیہ مرد و عورت کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

فقہ حنفی کی معتبر و مستند و متدل کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ.

مرتد کے لئے مرتدہ اور مسلمہ اور اصلی کافرہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔[باب المحرمات بالشرک ۱/۲۸۳]

اس نے صحبت کی، لاجرم بحکم آیت اس کی بیٹی اس پر حرام ہوگئی۔"

مزید فرماتے ہیں:

"اور حاصل آیت کریمہ یہ کہ جس عورت سے تم نے کسی طرح صحبت کی اگر چہ بلا نکاح اگر چہ بروجہ حرام، اس کی بیٹی تم پر حرام ہوگئی، یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب، اور یہی اکابر صحابہ کرام مثل حضرت امیر المومنین عمر فاروق وحضرت علامہ صحابہ عبداللہ بن مسعود وحضرت عالم القرآن عبداللہ بن عباس وحضرت اقرؤ الصحابہ ابی بن کعب وحضرت عمران بن حصین وحضرت جابر بن عبداللہ وحضرت مفتیہ چار خلافت صدیقہ بنت الصدیق محبوبہ رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین وجماہیر ائمہ تابعین مثل حضرات امام حسن بصری وافضل التابعین سعید بن المسیب وامام اجل ابراہیم نخعی وامام عامر شعبی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سلیمن بن یسار وامام حماد اور اکابر مجتہدین مثل امام عبدالرحمٰن اوزاعی وامام احمد بن حنبل وامام اسحٰق بن راہویہ اور ایک روایت میں امام مالک بن انس کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶]

الحاصل: زانی پر مزنیہ کی بیٹی قطعاً ناجائز وحرام ہے۔

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰہ اتم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۹/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے.... تو ایسوں سے نکاح باجماع مسلمین والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۷]

سنی صحیح العقیدہ ہوتے ہوئے اپنی لڑکی کا نکاح ایسے دیوبندی لڑکے سے کرنا جو علماء دیوبند کے کفریات پر مطلع ہوتے ہوئے بھی ان کو مسلمان جانتا ہو اگر اس کو مسلمان سمجھ کر رہے تو یہ کفر ہے اس لئے کہ کافر کے کفر میں شک کرنا اس کو کافر نہ ماننا بھی کفر ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں "جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔

وجیز امام کردری میں و درمختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

اجمع العلماء من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر.

علماء کا اجماع ہے کہ جو کافر کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے" [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۸]

ایسے شخص پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح لازم وضروری ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا، ومافیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ (ای تجدید الاسلام) وتجدید النکاح.

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ [باب المرتد، ۶/ ۳۹۱]

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص سے بموجب فرمان الٰہی:

وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔[کنزالایمان پارہ ۲۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

وفرمان رسول ﷺ:

ایاکم وایاهم لایضلونکم ولایفتنونکم.

گمراہوں سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔[صحیح مسلم، ۱/۱۰]

ہر طرح کا تعلق ختم کر دیں اور نکاح وغیرہ کسی بھی خوشی یا غم میں اس کے شریک نہ ہوں بلکہ اس سے منھ پھیر لیں۔

اعلیٰ حضرت مقاصد وشرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

حكم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والطعن واللعن.

یعنی بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض وعداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل وتحقیر کریں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/۳۹۷]

اور اگر وہ سنی صحیح العقیدہ کہلانے والا شخص اس دیوبندی کو کافر سمجھ کر ہی اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر رہا ہے تب بھی وہ سخت ناجائز وحرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ ایسے نکاح میں مسلمانوں کا شرکت کرنا ازروئے شرع ناجائز وحرام ہے۔

دیابنہ ووہابیہ کے یہاں لڑکی دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید جس کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے اپنی لڑکی کی شادی مشہور ومتصلب وہابی کے یہاں کر رہا ہے ازروئے شرع یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز زید کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو اس شادی میں شریک ہوں شریعت کا کیا حکم ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

(قاری) محمد نظر سلامی (امام) جامع مسجد غوثیہ کھائی کھیڑی کمال پور نجیب آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

وہابیہ ودیابنہ اپنے عقائد باطلہ مثلاً اللہ جھوٹ بول سکتا ہے، محمد ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی آ سکتا ہے، امتی عمل میں نبی سے بڑھ سکتا ہے، نماز میں نبی کا خیال گدھے بیل کے خیال اور بیوی سے مجامعت کے خیال سے بدتر ہے، جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں، نبی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، انبیاء واولیاء ہر مخلوق چھوٹی بڑی اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے، نبی کا علم شیطان سے کم اور جانوروں، پاگلوں، بچوں کے برابر ہے، صحابہ کو کافر کہنے والا کافر نہیں ہے، حضرت علی کا اسلام معتبر نہیں ہے، حضرت حسین جلیل القدر صحابی نہیں ہیں، وغیرہا۔(معاذ اللہ رب العلمین) کے سبب دائرۂ اسلام سے خارج اور بدترین کافر ومرتد ہیں، ان کے ساتھ نکاح تو درکنار نبی ﷺ نے ان جیسے باطل فرقوں سے وابستہ افراد کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے ان کے ساتھ نماز پڑھنے اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

فرمان الٰہی ہے:

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان.

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔[کنزالایمان، پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

رہا سائل کا یہ کہنا **''وہ ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں اور شادی میں شرکت نہ کرنے پر بھائی بھائی میں نفرت پیدا ہوگی اور ایک دوسرے کے بغیر کام نہیں چل سکے گا''** تو شریعت میں اس عذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔شریعت کے بانی نبی محترم محمد ﷺ کی حیات مبارکہ اوران کے اصحاب کرام کی مقدس زندگیاں اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔سائل کو چاہئے کہ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے ایمان کی حفاظت کرے،اور ایسے نکاح میں ہرگز ہرگز شریک نہ ہو ایمان وشریعت کے مقابل کسی رشتہ اور قرابت کا پاس ولحاظ مومن کی شان نہیں ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

لاطاعة فی معصیة اللّٰه انماالطاعة فی المعروف.

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت اور کسی کا لحاظ نہیں بلکہ اطاعت فقط نیک کام میں ہے۔[صحیح بخاری،۲/۱۰۷۸]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبـــه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۱۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ

فلا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تؤاكلوهم ولا تناكحوهم.

بدمذہبوں کے ساتھ نہ ان کے ساتھ پیو نہ کھاؤ نہ ان کے ساتھ نکاح کرو۔

اور فرماتے ہیں:

فلاتناكحوهم ولاتؤاكلوهم ولا تشاربوهم ولا تجالسوهم ولاتصلوا علیهم ولاتصلوا معهم.

بدمذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔[کنزالعمال ۱۱/ ۵۲۹: ۵۴۰]

فقہ حنفی کی معتبر ومستند ومتدل کتاب فتاوی عالمگیری جسے پانچ سو اکابر علماء نے ترتیب دیا ہے اس میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدة ولامسلمة ولا کافرة اصلیة وکذالک لایجوز نکاح المرتدة مع احد کذافی المبسوط.

مرتد کے لئے مرتدہ اور مسلمہ اور اصلی کافرہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے۔

[باب المحرمات بالشرک ۱/ ۲۸۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے....تو ایسوں سے نکاح باجماع مسلمین والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے'' مزید فرماتے ہیں کہ مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت ومرد سے مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہوسکتا[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۷]

الحاصل: زید کا اہل سنت سے وابستہ ہوتے ہوئے اپنی لڑکی کا نکاح دیوبندی لڑکے سے کرنا اپنی لڑکی کو زنا کے لئے پیش کرنا ہے۔ جیسا کہ عبارات بالا سے ظاہر ہو چکا ہے، لہٰذا زید پر فرض ہے کہ فوراً اپنے فعل سے باز آئے اور اپنی لڑکی کا نکاح کسی سنی صحیح العقیدہ کے ساتھ کرے اور اگر زید اپنی لڑکی کا نکاح دیوبندی وہابی لڑکے سے کر چکا ہے تو فوراً اپنی لڑکی کو واپس بلالے اور بلا طلاق وعدت اس کا نکاح دوسری جگہ کردے۔ اور اگر زید پھر بھی اپنی لڑکی کا نکاح وہابیوں کے یہاں ان کے عقائد باطلہ وکفریہ سے آگاہ ہوتے ہوئے ان کو مسلمان سمجھ کر کر رہا ہے تو یہ کفر ہے اس لئے کہ کافر کے کفر میں شک کرنا اس کو کافر نہ ماننا بھی کفر ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

"جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے وجیز امام کردری میں و درمختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے "اجمع العلماء من شک فی عذابه وکفره فقد کفر" علماء کا اجماع ہے کہ جو کافر کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے" [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۸]

ایسے شخص پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح لازم وضروری ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولاده اولاد زنا، ومافيه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة (ای تجدید الاسلام) وتجدید النکاح.

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولا دہو گی

ہیں: حکم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والطعن واللعن .

یعنی بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض وعداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل وتحقیر کریں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔ [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۹۷]

هٰذا ماعندی والعلم عندالله تعالیٰ.

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۳/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

نکاح میں ایک گواہ کی گواہی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ ایک لڑکے نے لڑکی سے ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح پڑھوایا شرعاً یہ نکاح ہوا یا نہیں، اس کے بعد لڑکی کے گھر والوں نے لڑکے سے زبردستی طلاق دلوائی لڑکے نے دباؤ میں آکر طلاق دے دی تو کیا دباؤ میں آکر لڑکے کے طلاق دیدینے سے طلاق واقع ہوگئی؟

صابر حسین بن ذوالفقار علی محلّہ نیاز نگر سنہری مسجد کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهّاب

بسم الله الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلی علیٰ حبیبه الکریم

از روئے شرع نکاح میں دو گواہ شرط ہیں صرف ایک گواہ کی موجودگی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ [باب المرتد، ۳۹۱/۶]

اور اگر وہ سنی صحیح العقیدہ کہلانے والا شخص اس دیوبندی کو کافر سمجھ کر ہی اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر رہا ہے تب بھی وہ سخت ناجائز وحرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ ایسے نکاح میں مسلمانوں کا شریک ہونا بھی از روئے شرع ناجائز وحرام ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان.

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [ترجمہ قرآن، کنز الایمان، پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسا شخص جب تک توبہ نہ کرلے بموجب فرمان الٰہی:

وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ [کنز الایمان پارہ ۲۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

وفرمان رسول ﷺ: **ایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم.**

گمراہوں سے دور بھاگو انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ [صحیح مسلم، ۱۰/۱]

اس سے دور رہیں اور اس سے ہر طرح کا تعلق ختم کردیں، نکاح وغیرہ کسی بھی خوشی یا غم میں اس کے شریک نہ ہوں بلکہ اس سے منھ پھیرلیں۔

اعلیٰ حضرت مقاصد وشرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فلا ینعقد النکاح بشاھد واحد.

ایک گواہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ [کتاب النکاح، ۲۶۷/۱]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''نکاح کے لئے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں گواہ ہونا لازم ہے صرف ایک مرد کے سامنے ایجاب وقبول کر لینے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۲۹۴/۱۱]

لہٰذا ایسا نکاح شریعت کی اصطلاح میں نکاح فاسد کہلاتا ہے جس میں قاضی شرع تفریق کرائے یا شوہر متارکہ کرے یعنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے چھوڑا وغیرہ اور طلاق خواہ جراہی ہو یہ بھی متارکہ کے حکم میں ہے۔ درمختار میں ہے:

یجب علی القاضی التفریق بینھما.....اومتارکۃ الزوج.

قاضی پر ان دونوں کی تفریق واجب ہے اور شوہر پر متارکہ۔ [کتاب النکاح، ۲۷۶/۴]

ردالمحتار میں ہے:

المتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لا تکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک.

نکاح فاسد میں متارکہ دخول کے بعد نہیں ہوتا ہے مگر قول سے جیسے کہے کہ میں نے تیرا راستہ خالی کیا یا تجھے چھوڑا۔ [۲۷۶/۴]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا وقع النکاح فاسدا فرق القاضی بین الزوج والمرأۃ...وفی مجموع النوازل الطلاق فی النکاح الفاسد یکون متارکۃ.

نکاح فاسد میں قاضی میاں بیوی میں جدائی کرائے ..اور مجموع نوازل میں ہے کہ نکاح فاسد میں طلاق متارکہ ہی ہوتی ہے۔[باب النکاح الفاسد، ١/٣٣٠]

علاوہ ازیں اگر شوہر نے عورت سے صحبت بھی کرلی ہوتو شوہر پر مہر بھی واجب ہوگا اور عورت پر متارکہ کے بعد عدت بھی۔ اور اگر صحبت نہ کی ہو تو مہر و عدت کچھ لازم نہ ہوگا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فان لم یکن دخل بھافلامھر لھاولاعدۃ وان کان قددخل بھا فلھا الخ.

اگر دخول نہ کیا ہوتو مہر اور عدت نہیں ہے ورنہ ہے۔[مرجع سابق]

ھٰذا ما عندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ.

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ٢٤/ ربیع الغوث ١٤٣٣ھ

طلاق کے بعد دوسرے سے نکاح

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زید نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دی اور اس کے بعد زینب کی عدت بھی گزر گئی تو کیا اب زینب کے ماں باپ دوسری جگہ زینب کا نکاح کر سکتے ہیں؟ ازروئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

شاہد حسین منجھرہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

شوہر کا بیوی کو دوسرے نکاح کی اجازت دینا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زینب کے شوہر کو بیس سال کی سزا ہوگئی ہے وہ پانچ سال سے جیل میں ہے اور زینب اپنے ماں باپ کے گھر ہے شوہر سے جب طلاق کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں طلاق کا لفظ زبان پر لانا نہیں چاہتا لیکن جب زینب کبھی اس سے ملنے جاتی ہے تو وہ اسے دوسرا نکاح کرنے کے لئے کہتا ہے تو کیا ایسی حالت میں زینب کو شرعاً دوسرے نکاح کی اجازت ہے؟ ازروئے شرع جو بھی حکم ہو عنایت فرمائیں۔

محمد شمیم رضوی
رضوی کتب خانہ محلّہ قلعہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

زینب کے شوہر کا زینب کو دوسرے نکاح کی اجازت دینا اگر بنیت طلاق ہے تب تو زینب بائنہ مانی جائے گی اور بعد عدت اسے نکاح کی شرعاً اجازت ہوگی اور اگر شوہر کا یہ کہنا طلاق کی نیت سے نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور زینب کو دوسرے نکاح کی اجازت حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ الفاظ کنایہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور الفاظ کنایہ سے طلاق واقع ہونے کے لئے طلاق کی نیت ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ انہیں جیسے الفاظ سے متعلق فرماتے ہیں:

''بقیہ چار الفاظ میں تین پیشیں کا حاصل اجازت نکاح دینا ہے اور وہ بے شک کنایات سے ہیں: فانہ ینبغی عن رفع قیدالنکاح

صورتِ مسئولہ میں زینب کا نکاح دوسری جگہ کرنے میں از روئے شرع کوئی ممانعت نہیں ہے۔ بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع نکاح نہ پائی جائے۔

مطلقہ عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین حیض گزرنے تک رکنے کا حکم فرمایا ہے:

والمطلقت يتربصن بانفسهن ثلثة قروء.

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔[کنز الایمان سورۃ البقرۃ پارہ۲ آیت ۲۲۹]

بلکہ اس دوران انہیں پیغام نکاح دینے سے بھی منع فرمایا گیا ہے:

ولاتعزمواعقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله.

اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔ [کنز الایمان، پارہ۲ آیت ۲۳۵]

البتہ عدت گزر جانے کے بعد وہ آزاد و مختار ہو جاتی ہیں اور پہلے شوہر کے لئے اجنبیہ ہو جاتی ہیں۔

تفسیر قرطبی میں آیت "والمطلقت يتربصن انفسهن ثلثة قروء" کی تفسیر میں ہے:

حتى انقضت عدتهافهى احق بنفسهاوتصيير اجنبيةمنه.

جب عدت پوری ہو جاتی ہے تو وہ خود مختار ہیں اور پہلے شوہر کے لئے اجنبیہ ہیں۔ [تفسیر قرطبی ۳/۱۲۰]

لہٰذا زینب کے والدین زینب کا نکاح جہاں چاہیں کرسکتے ہیں شرعاً اجازت ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۴/ ربیع الغوث ۱۴۳۳ھ

واخراجهاعن عصمة لنفسه كقوله تزوجى كمافى الخانية وابتغى الازواج كمافى الكنزو وهبتك للازواج كمافى الهندية.

چونکہ یہ الفاظ نکاح کی قید کو ختم کرنے کی خبر دیتے ہیں اور اپنی عصمت سے نکالنے کی خبر دیتے ہیں جیسے کہ خاوندیوں کہے تو نکاح کر جیسا کہ خانیہ میں ہے تو خاوند تلاش کر جیسا کہ کنز میں ہے میں نے تجھے شوہروں کے حوالے کیا جیسا کہ ہندیہ میں ہے......... تو ان آٹھ لفظوں کا حاصل صرف دو لفظ رہے ایک کنایہ جس سے بلحاظ نیت طلاق بائن پڑے گی۔"

مزید ردالمحتار کے حوالے سے فرماتے ہیں: **لايقع ديانة بدون النية.**

کنایہ کی صورت میں بغیر نیت طلاق واقع نہ ہوگی۔[فتاوی رضویہ جدید، ۱۲/۶۳۳،۶۳۴]

دوسرے مقام پر فتاوی عالمگیری کے حوالے سے فرماتے ہیں:

لو قال تزوجى ونوى الطلاق اوالثلث صح وان لم ينوشيألم يقع كذا فى العتابيه.

اگر کہا تو نکاح کر لے اور ایک طلاق یا تین طلاق کی نیت کی تو صحیح ہے اور اگر کچھ نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی جیسا کہ عتابیہ میں ہے)[مرجع سابق،۱۲/۵۲۴]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۸، شعبان المعظم، ۱۴۳۳ھ

بھاگی ہوئی بیوی کے مہر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید اور زینب کا نکاح ہوا زینب زید کے گھر ایک رات رہی دوسرے دن دعوت ولیمہ کے بعد زینب کے گھر والے اس کو گھر لے گئے تیسرے دن جب زینب کو لینے زید کے گھر والے پہنچے تو پتہ چلا وہ بکر کے ساتھ بھاگ گئی ہے زینب کے باپ نے بتایا کہ زینب نے زید سے شادی سے پہلے ہی بکر سے کورٹ میرج کرلیا تھا، اب زید اور اس کے گھر والے اس لڑکی کو رکھنا نہیں چاہتے اور طلاق دینا چاہتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں زینب مہر کی حقدار ہوگی؟ از روئے شرع حکم بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد ناظم، طفیل گارڈن کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اگر تحقیق سے یہ ثابت ہوجائے کہ زید سے شادی کرنے سے پہلے زینب اور بکر نے دو مسلمان گواہوں کے سامنے کورٹ میں ایجاب وقبول کیا ہے تو پھر یہ نکاح جو زید کے ساتھ ہوا وہ نکاح باطل ہے۔قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔[ترجمہ کنزالایمان، سورہ نساء، آیت ۲۴]

دونوں الگ ہوجائیں اس میں طلاق کی بھی حاجت نہیں۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

یکے ازینھا بھیچ وجہ پارہ ازاں بے ادایاابراء ساقط نہ گردد اگرچہ زن معاذاللہ فسق و فجور در زدیا عیاذ باللّٰہ مرتدہ شود فی الدرالمختار یتاکد عند وطء او خلوۃ صحت او موت احدھما‘‘

مہر نکاح سے لازم ہوجاتا ہے اور صحبت یا خلوت صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کی موت ہوجانے سے مہر پکا ہوجاتا ہے کہ ان کے بعد مہر کا کوئی حصہ بغیر ادا یا بغیر بیوی کے معاف کیے ساقط نہیں ہوگا اگرچہ بیوی فاسقہ فاجرہ یا معاذ اللہ مرتدہ ہوجائے درمختار میں ہے کہ صحبت یا خلوت صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کی موت سے مہر پکا ہوجاتا ہے۔[فتاوی رضویہ جدید، ۱۲/۱۲۶]

مزید فرماتے ہیں:

’’وہ عورت فاسقہ ہے سخت گنہ گار ہے مگران حرکات کے سبب مہر ساقط نہ ہوگا رکھنے نہ رکھنے کا مرد کو اختیار ہے۔‘‘ [فتاوی رضویہ جدید، ۱۲/۱۴۴]

واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

یکم محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

متوفیہ بیوی کے مہر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں میری بیوی اپنا مہر معاف کیے بغیر انتقال کرگئیں۔کوئی اولاد بھی نہیں چھوڑی، جو جہیز چھوڑا تھا وہ تو میں نے ان کے والدین کو دے دیا۔صرف مہر باقی ہے اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟

ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر. [فتاوی قاضی خاں، ۱/۴۱۶]

البتہ زید پر زینب کا مہر مثل یعنی اس جیسی لڑکیوں کا خاندان میں جو مہر عام طور پر رائج ہو لازم ہے اگرچہ مقرر کردہ مہر سے کم ہو۔ ہاں اگر مقرر کردہ مہر سے زیادہ ہو تو مہر مقرر ہی واجب الادا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مہر مثل و مہر مسمیٰ سے جو کم ہو لازم آئے گا''

مزید در مختار کے حوالے سے فرماتے ہیں:

فی الدر المختار یجب مہر المثل فی نکاح فاسد ... ولم یزد علی المسمیٰ ولو کان دون المسمیٰ لزم مہر المثل.

نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور مہر مثل مقرر کردہ مہر سے زیادہ نہ ہو اور اگر اس سے کم ہو تو بھی مہر مثل لازم ہوگا۔ [فتاوی رضویہ جدید ۱۲/۱۶۱]

اور اگر زینب کا بکر سے نکاح ثابت نہ ہو تو زینب بدستور زید کی بیوی رہے گی اور طلاق کے بعد مہر کی حقدار ہوگی ہاں اس کی اس حرکت قبیحہ کے سبب طلاق سے قبل اس کی عدم موجودگی اور طلاق کے بعد عدت کا نفقہ ضرور ساقط ہوگا مگر اس کا مہر زید پر لازم ہوگا۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جتنی مدت عورت فرار رہی اس مدت کا نفقہ تو زید پر اصلاً نہیں **فی الدر المختار لا نفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود.** (در مختار میں ہے کہ بلا وجہ شوہر کے گھر سے جانے والی عورت نافرمان ہے اس کا نفقہ نہیں) [فتاوی رضویہ جدید ۱۳/ ۴۲۸]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''مہر بنفس عقد زن وشوئی واجب شود و بوطی یا خلوت صحیحہ یا موت احد الزوجین تاکد و تقرر یابد کہ بعد وقوع

شریعت کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

محمد ناظم سیفی محلہ نئی بستی وجے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

مہر آپ کی بیوی کا ترکہ ہے جو ان کے وارثین کو حسب فرائض دیا جائے گا۔ کل مہر سے آپ کو نصف (آدھا) ملے گا بقیہ نصف میں تین حصے ہوں گے دو حصے آپ کے سسر کے اور ایک آپ کی ساس کو دیا جائے گا۔ قرآن شریف میں ہے:

ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد.

اور تمہاری بیویاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ ترجمہ کنز الایمان پارہ ۴ سورہ نساء آیت ۱۲]

فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابوہ فلامہ الثلث.

پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی۔ [مرجع سابق آیت ۱۱]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مہر میراث ہے ....جس کا جتنا حق حضرت حق عزوجل جلالہ نے مقرر فرما دیا وہ اسے دینا لازم ہے اور وہ خود اس کے لینے پر مجبور ہے الارث جبری لا یسقط بالاسقاط'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۶/ ۳۴۴]

علاوہ ازیں جہیز بھی عورت کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ ہے اسے بھی حسب فرائض شرعیہ تقسیم کرنا لازم ہے۔ اور اس کی تقسیم بھی مذکورہ بالا طریقہ سے ہوگی۔

ردالمحتار میں حاشیہ اشباہ کے حوالہ سے ہے:

المختار للفتوی ان یحکم یکون الجھاز ملکا....واما اذا جرت فی البعض یکون الجھاز ترکۃ یتعلق بھا حق الورثۃ وھو الصحیح.

فتویٰ یہی ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہے اس کی وفات کے بعد اس جہیز کے وارثین حقدار ہوں گے یہی صحیح ہے۔[ردالمحتار، کتاب النکاح، ۴/۳۰۹]

اسی میں ہے:

کل احد یعلم ان الجهاز للمرأة اذا طلقها تأخذه كله واذا ماتت یورث عنها

سب کو معلوم ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہے اگر شوہر اسے طلاق دیدے تو وہ کل لے لیگی اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے وارثین لیں گے۔ [مرجع سابق، ۴/۳۱۱]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جہیز ملک وترکہ ہندہ ہے برتقدیم عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم دین ووصیت چھ سہام ہوکر تین سہم (حصہ) شوہر دو سہم پدر، ایک مادر کو ملے گا اسی حساب سے مہر ہندہ اگر باقی ہو تقسیم ہوگا''[فتاوی رضویہ جدید ۱۳/ ۴۳۷] واللہ اعلم بالصواب.

کتبــه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۹/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

غیر کفو میں نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک ۱۸ سالہ لڑکی نے اپنے سے کم درجہ کی برادری والے لڑکے کے ساتھ بھاگ کر والدین کی رضامندی کے بغیر کورٹ میرج کرلیا

[مطلب الموضع التی یکون فیها السکوت کالقول، ۶/۱۸ ۷]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفوء .....وروى الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى أن النكاح لا ينعقد وبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى ، كذا فى المحيط والمختار فى زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسى رواية الحسن أقرب إلى الاحتياط ، كذا فى فتاوى قاضى خان فى فصل شرائط النكاح.

اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو امام حسن نے امام اعظم سے روایت کیا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور اسی کو ہمارے بہت سے مشائخ (اللہ رحم فرمائے ان پر) نے اختیار کیا ہے ایسا ہی محیط میں ہے اور ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے حسن کی روایت مختار ہے اور شیخ امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ امام حسن کی روایت احوط ہے ایسا ہی فتاوی قاضی خاں میں شرائط نکاح کی فصل میں ہے۔[۱/ ۲۹۳ باب الاکفاء]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''عاقلہ بالغہ کو اجازت نہیں کہ بے رضامندی صریح اولیا اپنا نکاح کسی غیر کفو سے کرلے اگر کرلے گی نکاح نہ ہوگا'' آگے فرماتے ہیں''بالغہ نے اپنی رائے سے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرلیا اور ایسا شخص ضرور غیر کفو ہے اور اس کے ساتھ بالغہ کا اپنی رائے سے نکاح کرلینا باطل محض ہے'' دوسری جگہ فرماتے ہیں''اور بالغہ ولی رکھتی ہے بے اجازت صریحہ ولی بعد علم بعدم کفاءت جو نکاح غیر کفو سے کرے باطل ہے'' مزید فرماتے ہیں''یہ نکاح جس سے ہوا اگر وہ عورت کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ

تو کیا یہ نکاح ازروئے شرع صحیح ہوگا جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی :۔شاہد خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں اگرلڑکی کے اولیاء کے لئے اس برادری میں نکاح کرنابرا جاناجاتا ہواور ان کی ذلت ورسوائی کا سبب ہوتو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا کیوں کہ ازروئے شرع غیر کفو میں بغیر اولیاء کی مرضی کے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہے۔

درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان .

غیر کفو میں نکاح کے بالکل جائز نہ ہونے کا فتوی دیا جائے گا، اورفساد زمان کی وجہ سے فتوی کے لئے یہی مختار ہے۔[باب الولی،۴/۱۵۶،۱۵۷]

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

لو تزوجت غیر کفوء فالمختار للفتوی روایۃ الحسن أنہ لا یصح العقد.

اگرعورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو فتوی کے لئے روایت حسن مختار ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔[باب الکفاءۃ،۴/۲۲۱]

اسی میں ہے:

علی روایۃ الحسن المفتی بھا فلا ینعقد النکاح ‘‘

اور مفتی بہا روایت حسن کے مطابق نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

میں ایسا کم ہے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار ہے جب تو یہ نکاح کہ زن بالغہ نے بے رضائے ولی خود کیا سرے سے ہوا ہی نہیں باطل محض ہے۔‘‘

نیز فتاوی خیریہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

سئل فی بکر بالغۃ زوجھا اخوھا من غیر کفوء باذنھا اجاب تزویجہ لھا باذنھا کتزوجھا بنفسھا وھی مسئلۃ من نکحت غیر کفو بلارضا اولیاء ھا افتی کثیر بعدم انعقادہ اصلا وھی روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ ففی المعراج معزیا الی قاضی خان وغیرہ والمختار للفتوی فی زماننا روایۃ الحسن.

باکرہ بالغہ کا اس کے بھائی نے غیر کفو میں نکاح کردیا جبکہ لڑکی نے اجازت دی ہو، سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا کہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہے جیسے لڑکی نے خود نکاح کیا ہو، یہ مسئلہ لڑکی کا خود غیر کفو میں اپنے اولیاء کی رضا کے بغیر نکاح کرنے کا ہے، بہت فقہاء نے اس نکاح کے اصلا منعقد نہ ہونے پرفتوی دیاہے، اور یہ امام حسن کی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے، تو معراج میں اس کو قاضی خاں وغیرہ کی طرف سے منسوب کرکے کہا کہ ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے یہی مختار ہے جو امام حسن نے روایت کی ہے۔‘‘[فتاوی رضویہ جدید،ج ۱۱ ص ۲۲،۷۷، ۲۹،۷۷،۷۳۴،۲۹۲،۶۹۹]

عبارات مذکورہ سے اس نکاح کا باطل ہونا صاف ثابت ہے البتہ اگر لڑکی کے باپ دادا وغیرہما اولیاء اجازت دیدیں تو ان کی صریح اجازت کے بعد ازروئے شرع ان دونوں کو ازسرنو نکاح کرنے کی اجازت ہوگی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''البتہ اگر امور مذکورہ بالا سے کسی امر میں ایسا بھی ہے جس کے باعث وہ شرعاً کفو نہ ٹھہرے، اور باپ نے اس پر مطلع ہو کر اپنی رضامندی ظاہر نہ کردی تھی تو بیشک، یہ نکاح سرے سے باطل ہوا کہ اب باپ کی رضامندی سے بھی صحیح نہیں ہوسکتا، اس تقدیر پر فرض ہے کہ مرد عورت فورا جدا ہو جائیں اور اس نکاح کو ترک کردیں، پھر اگر چاہیں تو بعد اجازت صریحہ پدراز سرنو نکاح کرلیں، واللہ تعالیٰ اعلم'' [مرجع سابق، ص ۵۵۷]

ھٰذا ماعندی والعلم اتم عنداللہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲ / شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

وقوع الفرقة والموت كذا في الكافي لو كانت زائرة أهلها أو كانت في غير بيتها لأمر حين وقوع الطلاق انتقلت إلى بيت سكناها بلا تأخير.

(فرقت (طلاق وغیرہ) اور شوہر کی موت) واقع ہو جانے پر معتدہ پر واجب ہے کہ جس گھر میں رہتی تھی اسی گھر میں عدت گزارے ایسا ہی کافی میں ہے اگر وہ گھر والوں کو دیکھنے گئی ہو یا کسی کام سے دوسرے کے گھر میں گئی ہو اور اس وقت طلاق واقع ہو جائے تو فوراً اپنے گھر میں واپس آجائے)

مزید اسی فتاوی میں ہے

"إذا طلقها ثلاثا أو واحدة بائنة وليس له إلا بيت واحد فينبغي له أن يجعل بينه وبينها حجابا حتى لا تقع الخلوة بينه وبين الأجنبية"

(جب شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دیں یا ایک طلاق بائن دی اور اس کے پاس صرف ایک گھر (کمرہ) ہے تو ضروری ہے کہ اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان ایک پردہ ڈال دے تاکہ دونوں کے درمیان خلوت واقع نہ ہو)

[فتاوی ہندیہ، ۱ / ۵۳۵، باب الحداد]

اور رہا معاملہ حیض کا کہ ایک خود بخود آیا اور دو دوائی سے تب بھی عدت پوری ہوگئی اس لئے کہ شریعت میں تین حیض کامل گزرانے کا حکم ہے خواہ وہ دوائی سے ہی کیوں نہ ہوں البتہ یہ دھیان رہے کہ حیض ہی ہو اور کسی طرح کا کوئی خون نہ ہو،

قرآن شریف میں مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے

''وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ''

(اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک)

[ترجمہ کنزالایمان، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸]

فتاوی عالمگیری میں ہے

باب الطلاق

مطلقہ کی عدت اور شوہر کے گھر میں رہنے کا حکم

زید نے زینب کو طلاق دی اور دونوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے جب کہ کمرے الگ تھے۔زینب گھر کا کام بھی کرتی تھی جیسے کپڑے دھونا کھانا پکانا اور اپنے بچوں اور گھر والوں کی دیکھ بھال کرنا اسی دوران زینب کو ایک حیض خود بخود آیا اور باقی دو حیض دوائی کے ذریعہ آئے کیا ایسی صورت میں زینب کی عدت پوری ہوگئی؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ زینب نے شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزاری ہے اور دوائی کرانے پر دو حیض آئے ہیں اس لئے عدت پوری نہیں ہوئی۔شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔

محمد عثمان امام ادے پوری چوپڑا تحصیل رام نگر ضلع نینی تال

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں زینب کی عدت پوری ہوگئی معتدہ (عدت والی عورت) مطلقہ کو شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارنا واجب وضروری ہے، اور غیر محرم حضرات سے پردہ میں رہتے ہوئے گھر کے کام کاج بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی بھی اجازت ہے۔شوہر اور بیوی الگ الگ کمرے میں رہتے ہیں تو ٹھیک ہے اور یہی حکم شرعی ہے اگر ایک ہی کمرہ ہو تب بھی پردہ درمیان میں ڈال کر عورت کے لئے اسی کمرے میں عدت کرنے کا حکم ہے،

فتاوی عالمگیری میں ہے:

”علی المعتدۃ أن تعتد فی المنزل الذی یضاف إلیھا بالسکنی حال

”اذاطلق الرجل امرأتہ...وھی حرۃ ممن تحیض فعدتھاثلاثۃ اقراء“

(جب مرد اپنی عورت کو طلاق دے تو اگر وہ آزاد حیض والی عورت ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے)[فتاوی ھندیہ، ۱/۵۲۶،باب فی العدۃ]

لہٰذا جب زینب کے تین حیض مکمل ہوگئے تو اس کی عدت پوری ہوگئی۔جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ شوہر کے گھر میں عدت نہیں ہوئی اور دو حیض دوائی کے ذریعہ آئے اس لئے عدت نہیں ہوئی وہ غلطی پر ہیں اس طرح کی فتوی بازی کرنے سے وہ شریعت کے مجرم ہیں توبہ کریں اور آئندہ دینی مسائل میں کسی طرح کی کوئی دخل اندازی نہ کریں۔

ھذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ.

کتبـــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی ککرالوی

مؤرخہ/۲۶ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

دوائی کے ذریعہ حیض آنے سے عدت کی تکمیل کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں زینب جسے اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہے طلاق کے بعد زینب کو پہلا حیض خود بخود آیا اور دوسرا تیسرا حیض دوائی کے ذریعہ تو کیا اس کی عدت از روئے شرع پوری ہوگئی؟ شریعت کا حکم بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

حیدر بخش صدیقی،ادے پوری چوپڑا رام نگر

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

قرآن شریف میں مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے:

''وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ''

(اورطلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک)[ترجمہ کنزالایمان، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸]

صدرالافاضل اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''جوآزادعورتیں ہیں یہاں ان کی عدت وطلاق کا بیان ہے کہ ان کی عدت تین حیض ہے''[خزائن العرفان، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

''اذاطلق الرجل امرأته.....وهی حرة ممن تحیض فعدتها ثلاثة اقراء''

(جب مرداپنی عورت کو طلاق دے تو اگر وہ آزاد حیض والی عورت ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں)[فتاوی ہندیہ،۱/۵۲۶،باب فی العدۃ]

صورت مسئولہ میں جب کہ زینب کے تین حیض مکمل ہوگئے ہیں از روئے شرع عدت تمام ہوگئی۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

کتبــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۲/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

ہونے کے سبب فقہاء متاخرین نے صریح میں شمار کیا ہے لہٰذا اس میں کسی نیت کی ضرورت نہیں ہے بغیر نیت بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔

منحة الخالق لابن عابدین حاشیه بحرالرائق میں ہے:

''أنت علی حرام ،أو حلال اللّٰه علی حرام حیث قال المتأخرون وقع بائنا بلا نیة لغلبة الاستعمال بالعرف''

تو مجھ پرحرام ہے یااللہ کا حلال مجھ پرحرام ہے متاخرین نے فرمایا عرف میں اس لفظ کے غلبہ استعمال کی وجہ سے بغیر نیت طلاق بائن پڑجائے گی[باب الطلاق،۳/۴۴۰]

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

''كما أفتى المتأخرون فی أنت علی حرام بأنه طلاق بائن للعرف بلا نیة''

(جیسا کہ متاخرین نے تو مجھ پرحرام ہے کے سلسلے میں فتوی دیا ہے کہ یہ عرف کی وجہ سے بغیر نیت طلاق بائن ہے)[۴/۵۰۴، کتاب الطلاق، باب الصریح]

ان عبارات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ جملہ عرف میں طلاق کے لئے کثرت استعمال کے سبب صریح میں داخل ہوکر طلاق بائن کا حکم رکھتا ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ بولنے والے نے پہلی مرتبہ بولنے ہی سے تین طلاق کی نیت نہ کی ہو اگر تین مرتبہ کہنے میں پہلی بار ہی تین طلاق کی نیت کرلی تو اب طلاق مغلظہ بائنہ واقع ہوگی کہ اب بیوی بغیر حلالہ شرعیہ پہلے شوہر کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اگر تین طلاق کی نیت نہ تھی یا عدد کی نیت نہ تھی تو چاہے جتنی بار بھی بولے ایک طلاق بائن ہی واقع ہوگی۔

بحرائق میں بزازیہ کے حوالے سے ہے

''وفی البزازیة أنت علی حرام ألف مرة تقع واحدة''

’’تو مجھ پرحرام ہے‘‘ کہنے سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں جاوید خاں نے اپنی بیوی تبسم جہاں کوفون پر تین بار کہا کہ تو مجھ پرحرام ہے،تو مجھ پرحرام ہے، تو مجھ پرحرام ہے۔ ایسی صورت میں کیا جاوید خاں کی بیوی تبسم جہاں پرطلاق واقع ہوگئی ؟اگر ہوگئی تو کون سی طلاق اوراس کا کیاحکم ہے شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی حاجی محمد شریف خاں رحمت شاہ بابا کی زیارت ،محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

الفاظ مذکورہ سے تبسم جہاں پرطلاق بائن پڑگئی اور تبسم جہاں جاوید خاں کے نکاح سے نکل گئیں۔اب تبسم جہاں مختار ہیں جہاں چاہیں نکاح کریں اگر وہ جاوید خاں ہی کے ساتھ رہنا چاہیں تو از سرنو نکاح کریں عدت میں یا عدت کے بعد۔اوراگردوسرے سے نکاح کرنا چاہیں تو عدت پوری کرنا ضروری ہے اور مطلقہ کی عدت تین حیض (ماہواری) ہے۔عدت کے بعدجس سے چاہیں نکاح کریں شرعاً اجازت ہے۔

حضوراعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ’’اوراس کہنے سے کہ تو مجھ پرحرام ہے طلاق بائن ہوگی عورت نکاح سے نکل گئی بعدعدت اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے اوراگراس شوہر سے نکاح چاہے تو عدت میں بھی ہوسکتا ہے اور بعد بھی‘‘[فتاوی رضویہ قدیم،۵/۶۷۲]

دوسرے مقام پرفرماتے ہیں ’’ہر چند یہ لفظ بوجہ عرف ملحق بالصریح ہے کہ بے حاجت نیت طلاق بائن واقع ہو‘‘[ایضاص۷۳۰]

یہ خیال رہے کہ مذکورہ الفاظ کنایہ میں سے ہیں مگرعرف میں طلاق کے لئے استعمال

(اور بزازیہ میں ہے تو مجھ پرحرام ہے ہزار بار کہنے سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی)

اس کے تحت بحرالرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق لابن عابدین میں ہے:

’’قلت ولعل الفرق أن قوله ألف مرة بمنزلة تكرار هذا اللفظ مرارا وإذا بانت بالمرة الأولى لا تبين بالثانية ، والثالثة وهكذا لأن البائن لا يلحق البائن بخلاف ما لو نوى بأنت على حرام الثلاث فإنه أوقعها جملة بمرة واحدة‘‘

(میں کہوں گا شاید ان کے قول ایک ہزار بار میں فرق یہ ہے کہ ان کا یہ قول اس لفظ کی بار بار تکرار کی منزل میں ہے اور جب پہلی مرتبہ تو مجھ پرحرام ہے کہنے سے طلاق بائن پڑگئی تو دوسری ،تیسری وغیرہ سے بائن نہیں ہوگی ،اس لئے کہ بائن بائن کولاحق نہیں ہوتی برخلاف اس کے کہ جب ایک بار کہنے سے تین بار کی نیت کرے تو تین طلاق ہی واقع ہوں گی)

[منحة الخالق حاشيه بحرالرائق،باب الطلاق،۳/۵۰۲]

نیزاسی حاشیہ میں ہے:

’’لو قال أنت على حرام ألف مرة تقع واحدة ‘‘

(اگر کہا تو مجھ پرحرام ہے ہزار بار تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی)[باب الكنايات فى الطلاق،۳/۵۲۵]

محیط برہانی میں ہے:

’’أنت على حرام ألف مرة تقع واحدة، لأن معنى كلامه مرة بعد مرة.‘‘

(تو مجھ پرحرام ہے ہزار بار سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی اس لئے کہ اس کے کلام کا معنی بار بارطلاق دینا ہے)[۳/۴۵۴]

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

"ألف مرة بمنزلة تكريره مرارا متعددة والواقع به في أول مرة طلاق بائن ففي المرة الثانية لا يقع شيء لأن البائن لا يلحق البائن"

(تو مجھ پر حرام ہے ایک ہزار بار یہ جملہ متعدد بار تکرار کی منزل میں ہے اور جب پہلی مرتبہ تو مجھ پر حرام ہے کہنے سے طلاق بائن واقع ہوگئی تو دوسری مرتبہ یہ کہنے سے کچھ واقع نہیں ہوگا، اس لئے کہ بائن بائن کولاحق نہیں ہوتی ہے)[۴/۴۶۴،کتاب الطلاق،باب الصریح]

بالجملہ: تبسم جہاں الفاظ مذکورہ کے سبب جاوید خاں کے نکاح سے نکل چکی ہیں اب ان کو اختیار ہے اگر جاوید خاں کے ساتھ رہنا چاہیں تو نکاح جدید کر کے رہ سکتی ہیں اور اگر کسی اور سے نکاح کرنا چاہیں تو عدت گزرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کی از روئے شرع مکمل اجازت ہے. واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۸ / رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

شوہر دو طلاق اور بیوی تین کی دعویدار

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید نے اپنی بیوی کو لڑائی کے دوران طلاق دی زید کا کہنا ہے کہ میں نے صرف دو بار طلاقیں دی ہیں زید کی بیوی کا کہنا ہے کہ زید نے تین بار

ہیں تو زید کی بیوی اوران چند عورتوں کے بیان کا شرعاً کچھ اعتبار نہ ہوگا اور زید کی بیوی پر صرف دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی جس میں زید کو اپنی بیوی سے عدت کے اندر بغیر نکاح کے رجعت کی شرعاً اجازت ہوگی۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

"اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا" [۱۲/۴۴۴]

رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ زید عدت کے دوران ہی بیوی سے دو گواہوں کی موجودگی میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے۔ اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ هكذا في الدر المختار والفتاوى الرضويه الجديده ،۱۲/۴۴۴]

علاوہ ازیں اگر زید کی بیوی واقعی اپنے قول میں سچی ہے تو وہ ہر ممکن زید سے چھٹکارے کی کوشش کرے چاہے مہر کے بدلے یا کچھ رقم وغیرہ کے عوض۔ اور اپنی مرضی سے اس کو خود پر قدرت نہ دے ورنہ وہ بھی گنہگار رہوگی اور اگر اس کے پاس چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ اگر بغیر مرضی کے اس کے ساتھ رہے گی تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔ کما في الفتاوى الرضويه الجديده، ۱۲/ ۳۹۶]

هٰذا ما عندي والعلم اتم عندالله تعالىٰ

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۷ / رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

طلاق دی ہے وہاں موجود چند عورتیں بھی اس بات پر گواہ ہیں۔معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں۔شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہیں۔
المستفتی چھنا حسن محلّہ وجے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب التواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

ایسی صورت میں کہ شوہر ایک یا دو طلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کی مدعی ہو شریعت کا حکم یہ ہے کہ بیوی شرعی گواہ پیش کرے اور گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں شوہر سے قسم لی جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه.

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔[ترمذی ابواب الاحکام ، ۱/۲۴۹]

دوسری حدیث میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر.

(دعوے کرنے والے پر گواہ اور منکر پر قسم ہے)[السنن البیھقی الکبریٰ کتاب الدعوی والبینات ، ۱۰/۴۲۷]

اور طلاق میں گواہی کے لئے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پرہیزگار نمازی غیر فاسق ضروری ہیں۔لیکن سوال سے ظاہر ہے کہ مدعی زید کی بیوی کے پاس دو شرعی گواہ نہیں ہیں صرف چند عورتیں گواہ ہیں شریعت میں طلاق کے معاملہ میں صرف عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے کمافی کتب الفقه والفتاوی.

لہٰذا اب زید کو قسم دی جائے گی اگر زید قسم کھائے کہ اس نے صرف دو طلاقیں دی

شوہر کا تین طلاق سے انکار

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں میں نے اپنی بیوی کو دو طلاق دی ہیں میری بیوی کا کہنا ہے کہ تم نے تین طلاقیں دی ہیں؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو بیان فرمائیں۔
محمد سلیم ماہی گیر محلّہ مدر کالونی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب التواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

ایسی صورت میں جب کہ شوہر دو طلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کی دعویدار ہو بیوی پر شرعی گواہ یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پرہیزگار نمازی غیر فاسق پیش کرنا ضروری ہیں اور اگر بیوی کے پاس شرعی گواہ نہ ہوں تو پھر شوہر قسم کھائے۔

حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه.

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔[ترمذی ابواب الاحکام ، ۱/۲۴۹]

اگر شوہر قسم کھائے کہ اس نے صرف دو ہی طلاقیں دی ہیں تو اس کی بیوی پر صرف دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی اور وہ اپنی بیوی سے عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے یعنی عدت کے دوران اپنی بیوی سے دو گواہوں کی موجودگی میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے۔ اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔''

[فتاوی رضویہ جدید،۴۴۴/۱۲]

الحاصل: تمہاری بیوی کے پاس اگر شرعی گواہ ہیں تو اس کی بات معتبر ہوگی ورنہ تمہیں قسم کھانا پڑے گی اور اس کے بعد تم عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجعت کرسکتے ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۸/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

طلاق مغلظہ اور بیوی کا الفاظ طلاق نہ سننے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ میں ذیل میں تاریخ ۲۹ اپریل ۲۰۱۳ء کو شاداب علی نے اپنی بیوی رخسار کو ایک مجلس میں تین مرتبہ کہا میں نے تجھے طلاق دی طلاق دی طلاق دی کیا ایسی صورت میں رخسار شاداب علی کے نکاح سے نکل گئی اس کے دو گواہ محمد شکیل خان وارسعید علی صدیقی ہیں۔ اور کیا رخسار کا ان الفاظ کو سننا ضروری ہے۔ بینوا توجروا۔

سائل حاجی محمد فاروق سیفی ٹھاکردوارہ۔

گو أدنى المخافتة إسماع نفسه فقط وكذا كل ما يتعلق بالنطق كالطلاق..... أى أدنى المخافتة فى هذه الأشياء إسماع نفسه حتى لو طلق بحيث صحح الحروف ولكن لم يسمع نفسه لا يقع ولو طلق جهرا ووصل به إن شاء الله بحيث لم يسمع نفسه يقع الطلاق.

ہلکی آواز کم سے کم اتنی کہ خود سن سکے بس۔ اور اسی طرح ہر وہ معاملہ جس میں بولی کو دخل ہے جیسے طلاق.... اس میں کم از کم اتنی آواز ہو کہ خود سن سکے یہاں تک کہ اگر کسی نے طلاق دی کہ حروف بھی صحیح تھے لیکن اس نے خود سنا نہیں تو طلاق نہیں واقع نہیں ہوگی اور اگر اتنی زور سے دی اور اس میں ان شاء اللہ بھی ملالیا اور الفاظ طلاق کو سن لیا لیکن ان شاء اللہ کو خود نہ سنا تو طلاق واقع ہوگئی۔[، کتاب الصلوۃ، ۱/۱۵۷]

اعلیٰ حضرت اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سننا ضرور نہیں جبکہ شوہر نے اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے۔[فتاوی رضویہ ۳۶۲/۱۲]

مزید فرماتے ہیں:

''ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگر چہ کسی مانع مثلاً غل شور چکی ، مینہ، بہرے پن وغیرھا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہوجائے گی

.ادنی الحد خروج صوت یصل الی اذنه ولو حکماً کمالو کان هناک مانع من صمم او جلبة اصوات اونحو ذالک.

(آواز کی کم سے کم حد یہ ہے کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگر چہ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

ازروئے شرع شاداب کی بیوی رخسار پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل گئی۔

قرآن مقدس میں ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔[ترجمہ کنزالایمان، سورہ بقرہ، آیت،۲۳۰]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسر اعظم حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر بحرمت مغلظہ حرام ہوجاتی ہے اب نہ اس سے رجوع ہوسکتا ہے نہ دوبارہ نکاح جب کہ حلالہ ہو یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدت گزارے دوبارہ نکاح کرلیں۔[تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ، آیت،۲۳۰]

فقیہ ابو اللیث سمرقندی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

اذاطلق الرجل امرتہ المدخول بھاثلاثایقع الطلاق

جب کسی شخص نے اپنی مدخولہ بیوی کو تین طلاقیں دیدیں تو طلاق واقع ہوگئی۔[فتاوی نوازل، کتاب الطلاق،۱۹۷]

اور رخسار کے لئے طلاق کا سننا ضروری نہیں۔اگر شاداب نے اتنی آواز سے طلاق دی ہے کہ خود سنی ہو تو طلاق ہوجائے گی رخسار یا کسی اور کا سننا ضروری نہیں ہے۔

مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

حکماً ایسا ہو مثلاً آواز تو پہنچ جاتی مگر بہرے پن یا شور وغل کی وجہ سے نہ پہنچی۔)

[فتاوی رضویہ ۱۲/ ۳۷۴]واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۴/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں زید نے شراب کے نشہ میں اپنی بیوی زینب سے یہ کہا کہ برقعہ اٹھاؤ اور اپنی بہن کے گھر جا میں تجھے طلاق دوں گا زید انکار کرتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا لیکن زینب اور وہاں موجود کچھ عورتوں اور بچوں کا کہنا کہ زید نے ایسا کہا ہے تو کیا ایسی صورت میں زینب مطلقہ مانی جائے گی؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

اچھن خاں، گرام بڑھیوں والا جسپور اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیہ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں زینب پر طلاق واقع نہیں ہوئی اس لئے نہیں کہ زید نشہ میں تھا نشہ میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے بلکہ اس لئے کہ زید نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ وقوع طلاق کے لئے کافی نہیں زید نے تو آئندہ طلاق دینے کا وعدہ کیا ہے اور وعدے سے ازروئے شرع طلاق واقع نہیں ہوتی۔جیسا کہ فقہ کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

سئل نجم الدین عن رجل قال لامرأته اذھبی الیٰ بیت امک فقالت طلاق دہ تا بروم فقال توبرو من طلاق دادم فرستم قال لاتطلق لانہ وعد

حضرت نجم الدین سے سوال کیا گیا اس آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی سے کہا اپنی ماں کے گھر چلی جا بیوی نے کہا طلاق دے تاکہ میں جاؤں تو شوہر نے کہا تو جا میں طلاق بھجوادوں گا تو حضرت نجم الدین نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ وعدہ ہے۔[۱/۳۸۴ **باب ایقاع الطلاق فصل الطلاق بالفاظ الفارسیۃ**]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''وعدے سے طلاق نہیں ہوتی جواہر الاخلاطی میں

''طلاق میکنم طلاق بخلاف قولہ کنم لانہ یتمحض الاستقبال'' طلاق میکنم (یعنی طلاق کرتا ہوں) حال ہونے کی وجہ سے طلاق ہے اس کے برخلاف طلاق کنم (طلاق کروں گا) کہا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ محض استقبال ہے''[فتاوی رضویہ جدید،۱۳/۱۱۸]

الحاصل: زید کے کہے ہوئے الفاظ سے زینب پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ **ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ**

کتبـــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۱۶/شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

(۱) زیور اگر زینب کی ملکیت ہے تو اس کے لئے طلاق کی ضرورت نہیں اور مہر اگر مطلق ہے یعنی جس کا کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا ہے تو وہ شوہر یا بیوی کی موت یا طلاق سے ادا کرنا واجب ہوتا ہے جب تک شوہر یا بیوی کا انتقال نہ ہو یا بیوی کو طلاق نہ ہو مہر کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور اگر مؤجل کہا اور کوئی میعاد اصلاً نہ بیان کی تو وہ طلاق یا موت تک مؤجل ٹھہرے گا اور بعد فرقت ہی واجب الادا ہوگا اس سے پہلے مطالبہ کا عورت کو استحقاق نہیں۔ردالمحتار میں ہے''**حق طلبہ انماثبت لھابعدالموت او الطلاق** (مہر مؤجل میں بیوی کو مطالبہ کا حق شوہر کی موت یا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے)''[فتاوی رضویہ جدید،۱۲/۱۴۲]

(۲) زینب اگر سسرال سے ناحق نکل کر آئی اور بعد میں زید کے بلانے پر بھی وہ زید کے ساتھ نہ گئی تو زینب ناشزہ و نافرمان مانی جائے گی زید پر اس کا نفقہ واجب وضروری نہیں اور اگر زید نے گھر جانے کا مطالبہ ہی نہیں کیا تو پھر زید پر زینب کا نفقہ حسب استطاعت واجب وضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور جب تک کوئی امر مانع نفقہ مثلاً عورت کا شوہر کے گھر سے ناحق نکل جانا یا اس کے یہاں آنے سے ناحق انکار کرنا نہ پایا جائے بلاشبہہ وہ مستحق نفقہ وسکنیٰ رہے گی....

درمختار میں ہے:

النفقۃ تجب للزوجۃ علی زوجھاولوھی فی بیت ابیھااذالم یطالبھاالزوج بالنقلۃ بہ یفتی وکذااذاطالبھاولم تمتنع او امتنعت للمھرلاخارجۃ من بیتہ بغیرحق وھی الناشزۃ حتی تعود.

(اگر بیوی اپنے میکہ میں ہو اور خاوند اس کو اپنے گھر لے جانے کا مطالبہ

طلاق، مہر، بچی کے پیدائش کا خرچ، بچی پر کس کا حق، وغیرھا چند اہم مسائل

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) اگر زینب خود طلاق لینا چاہتی ہو تو کیا وہ مہر اور زیور لینے کی حقدار ہے؟

(۲) زینب اور زید کے مابین اختلاف ہوا زینب میکہ میں آگئی ماں باپ نے طلاق حاصل ہونے تک زینب کا جو خرچ تو کیا زید سے اس دوران کئے ہوئے خرچ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے؟

(۳) زینب کی بچی کی پیدائش اسپتال میں ہوئی زینب کے ماں باپ نے مکمل خرچ کیا اور پرورش بھی وہی کر رہے ہیں اور اب وہ چاہتے ہیں کہ وہ رقم جو بچی کی پیدائش و پرورش میں خرچ ہوئی وہ بچی کے باپ سے لی جائے تو آیا شریعت میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

(۴) بچی تین سال کی ہے اور زید اس بچی کو زینب کے پاس سے لیجانا چاہتا ہے تو کیا اسے بچی کو لیجانے کا حق حاصل ہے؟

(۵) بالغ ہونے پر بچی اپنے ماں کے پاس رہنا چاہتی ہے یا باپ کے پاس یہ فیصلہ بچی کی مرضی پر منحصر ہوگا یا نہیں؟

(۶) کیا بچی کی پیدائش سے لیکر جوان ہونے تک پرورش پڑھائی لکھائی کا خرچ زید پر لازم ہے؟

شریعت کی روشنی میں مذکورہ بالا سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

محمد عقیل انصاری رام نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

نہ کرے تب شوہر پر اس کا نفقہ ضروری ہے یوں ہی جب وہ خاوند کے بلانے پر گھر جانے سے انکار نہ کرے یا مہر غیر مطلق کے مطالبہ کے سبب انکار کرے تب بھی شوہر پر نفقہ واجب وضروری ہے لیکن اگر شوہر کے گھر سے باہر بلا وجہ رہتی ہو تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں اس لئے کہ وہ اس صورت میں شوہر کے گھر واپس نہ آنے تک نافرمان مانی جائے گی۔)'' [فتاوی رضویہ جدید ۱۳/ ۴۲۴، ۴۲۵]

(۳) بچی کی پیدائش و پرورش وغیرہ کے اخراجات بچی کے باپ زید پر لازم ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ بچی صاحب مال نہ ہو۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر بچہ نے اپنی ماں کے ترکہ یا کسی اور وجہ سے سے اتنا مال پایا ہے جس کے سبب اسے شرعاً غنی کہا جائے اور زکوٰۃ دینا نا روا ہو تو یہ سب مصارف خاص اسی کے مال سے ہوں گے باپ پر واجب نہیں کہ اپنے پاس سے صرف کرے ہاں ان مصارف کی کار پردازی بحکم ولایت باپ کے ذمہ ہوگی اور اگر بچہ کے پاس اتنا مال نہیں تو بیشک یہ صرف باپ کے ذمہ میں ہیں۔۔۔۔**وفی الدر المختار و تجب النفقة لطفله الفقیر فان نفقة الغنی فی ماله الحاضر**'' (درمختار میں ہے کہ بچے کا نفقہ اگر وہ فقیر ہو تو باپ پر ہے کیونکہ اگر وہ فقیر نہ ہو تو غنی ہونے کی وجہ سے نفقہ اس کے اپنے موجودہ مال سے کیا جائے گا) [فتاوی رضویہ جدید ۱۳/ ۳۹۵]

(۴) نو سال کی عمر تک وہ بچی (لڑکی) ماں زینب کی پرورش میں رہے گی جب کہ بعد طلاق وعدت اس بچی کے غیر محرم سے نکاح نہ کرے بچی کے غیر محرم سے نکاح کے بعد بچی کی پرورش کا حق ماں سے ساقط ہو جاتا ہے تو اگر غیر محرم سے نکاح نہیں کیا تو ہو تو نو سال تک بچی زینب کے پاس رہے گی اس کے بعد زید کے سپرد کی جائے گی اس سے پہلے زید کا اس بچی کو لے جانے

کا مطالبہ کرنا از روئے شرع جائز نہیں ہے۔

ایسا ہی فتاوی رضویہ [۳۸۴/۱۳] اور دیگر کتب فقہ میں۔

(۵) وہ بچی مدت حضانت (پرورش) یعنی نو سال کے بعد سے جب تک کنواری ہے باپ دادا کے پاس رہے گی مگر جب عمر پختہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو جہاں چاہے رہے۔

صدرالشریعہ فتاوی شامی وفتاوی عالمگیری کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں:

''لڑکی نو برس کے بعد سے جب تک کنواری ہے باپ دادا بھائی وغیرھم کے یہاں رہے گی مگر جب کہ عمر رسیدہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار ہے جہاں چاہے وہاں رہے'' [بہار شریعت، حصہ ہشتم]

(۶) جب تک بچی بالغہ نہ ہو اور اس کے پاس اپنا مال نہ ہو تب تک اس بچی کی پرورش اور دینی تعلیم وتربیت کے اخراجات کی ذمہ داری زید پر ہے اس کے علاوہ نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''اولاد کا نفقہ ان کی محتاجی کی حالت میں لازم ہوتا ہے اگر مال رکھتے ہیں ان کا نفقہ باپ پر نہیں ورنہ ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۴۶۱/۱۳]

بہارِ شریعت میں ہے:

''نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے جبکہ اولاد فقیر ہو یعنی خود اس کی ملک میں مال نہ ہو اور آزاد ہو...طالب علم کہ علم دین پڑھتا ہو اور نیک چلن ہو اس کا نفقہ بھی اس کے والد کے ذمہ ہے'' [بہار شریعت حصہ ہشتم]

ھٰذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۲۹/ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ

والدین کی نافرمانی کرنا۔ [بخاری شریف کتاب الادب، ۸۸۴/۲]

علامہ عینی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شیخ تقی الدین سبکی کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

قال الشیخ تقی الدین السبکی ان ضابط العقوق ایذاؤھما بأی نوع من أنواع الأذی قل او کثر۔

(شیخ تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ نافرمانی والدین کو تکلیف پہنچانا ہے کسی بھی طرح ہو کم ہو یا زیادہ) [باب عقوق الوالدین من الکبائر، ۱۴۷/۱۵]

لہٰذا زید پر لازم ہے اپنے والدین کے حکم کی تعمیل کرے اور زینب کو طلاق نہ دے جہاں تک ممکن ہو نباہ کی کوشش کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۲۳/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

فون پر طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں میں نے اپنی بیوی کو فون پر تین بار طلاق دی مگر میری بیوی کہتی ہے کہ فون کٹ گیا تھا میں نے سنا ہی نہیں ایسی حالت میں میری بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

رئیس الدین خاں جسپور

والدین کا بیٹے کو طلاق سے روکنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید اپنی پہلی بیوی زینب کو طلاق دیکر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے لیکن والدین طلاق دینے سے منع کر رہے ہیں۔ البتہ زید کو دوسری شادی کی اجازت دے رہے ہیں۔ زید کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے؟ بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد رئیس احمد جودھپور راجستھان

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اگر زینب کو طلاق دینے سے والدین کو تکلیف ہو اور وہ ان کی ناراضگی کا سبب بنے تو زید کا زینب کو طلاق دینا جائز نہیں ہے۔

زید پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین کے حکم پر عمل کرے کیونکہ والدین کی فرماں برداری واطاعت گزاری جائز باتوں میں شرعاً لازم وضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۱/۱۵۷]

اوران کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللہ ﷺ ألا أنبئکم باکبر الکبائر قلنا بلی یارسول اللہ ﷺ قال الاشراک باللہ و عقوق الوالدین.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں تو ہم نے کہا کہ کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ فرمایا اللہ کا شریک ٹھہرانا

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ پڑ گئی۔ دوبارہ رکھنا ہو تو بلا حلالہ چارہ کار نہیں۔ اور بیوی کے لئے طلاق کا سننا ضروری نہیں۔

اعلیٰ حضرت اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سننا ضرور نہیں جبکہ شوہر نے اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے۔ [فتاوی رضویہ ۱۲/۳۶۲]

مزید فرماتے ہیں:

''ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگرچہ کسی مانع مثلاً غل شور چکی، بینہ، بہرے پن وغیرھا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہو جائے گی. ادنی الحد خروج صوت یصل الی اذنہ ولو حکماً کما لو کان ھناک مانع من صمم او جلبۃ اصوات او نحو ذالک الخ.

(آواز کی کم سے کم حد یہ ہے کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگرچہ حکماً ایسا ہو مثلاً آواز تو پہنچ جاتی مگر بہرے پن یا شور وغل کی وجہ سے نہ پہنچی) [فتاوی رضویہ ۱۲/۳۷۴]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبـــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

میرے خدا نے بھی تجھے طلاق دی کہنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید نے اپنی بیوی سے جھگڑا کیا لیکن جھگڑے کے دوران زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی بلکہ بعد میں طلاق دی اور اس طلاق کا محلّہ کے کئی لوگوں سے ذکر بھی کیا اور جب دو دن کے بعد بیوی گھر آئی تو زید نے اسے باہر نکال دیا اور کہا میں نے تجھے ہوش وحواس میں طلاق دی میرے خدا نے بھی تجھے طلاق دی اس جملہ کو کئی بار زید نے دہرایا اس وقت جب زید نے طلاق دی اور خدا کے تعلق سے یہ خراب جملہ بولا بیوی کے علاوہ اور بھی کئی مرد اور عورتیں وہاں موجود تھیں۔لیکن زید کا کہنا ہے کہ میں نے صرف ایک بار شروع میں کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں۔اور لڑکی اور بہت سارے ذمہ دار لوگ جو وہاں موجود تھے ان کا کہنا ہے کہ زید نے ہمارے سامنے کئی بار طلاق دی ہے۔اب ایسے حالات میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی اور اگر طلاق ہوگئی تو کون سی طلاق ہوئی کیا دونوں کے ملنے کی کوئی صورت ہے۔شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتیان مختار احمد محمد خان محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

شوہر ایک طلاق کا اقرار کرے اور بیوی کئی بار طلاق دینے کا بیان دے تو ایسی صورت میں شرعاً شہادت وحلف کی ضرورت پیش آتی ہے۔حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه.

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعویٰ کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/۲۴۹]

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔'' [۱۲/۴۴۴]

حاصل کلام: زید صرف ایک بار طلاق کا اقرار کرتا ہے اور بیوی اور اس کے علاوہ لوگ تین سے زائد مرتبہ طلاق کا بیان دے رہے ہیں تو اگر تین سے زائد طلاق کا بیان دینے والوں میں دو ایسے گواہ جو پرہیز گار نمازی خلاف شرع کام نہ کرنے والے موجود ہوں تو زید کے انکار کے باوجود زید کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ پڑ جائیں گی اور اب وہ زید کے لئے بے حلالہ ونکاح جائز نہ ہوگی۔اور اگر بیان دینے والوں میں دو گواہ شرعی موجود نہ ہوں تو زید سے قسم شرعی لے جائے گی اگر زید قسم کھالے تو زید کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی۔اور اگر زید نے جھوٹی قسم کھائی ہے تو اس کا وہ گنہگار رہوگا مستحق عذاب نار ہوگا۔اور اگر زید کی بیوی اپنے قول میں سچی ہے تو وہ ہر ممکن زید سے چھٹکارے کی کوشش کرے چاہے رقم دے کر ہی۔اور اپنی مرضی سے اس کو اپنے پر قدرت نہ دے ورنہ وہ بھی گنہگار رہوگی اور اگر اس کے پاس چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ اگر بغیر مرضی کے اس کی ساتھ رہے گی تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا. کمافی **الفتاوی الرضویه الجدیدہ** [۱۲/۳۹۶]

علاوہ ازیں زید کا یہ جملہ ''**میں نے طلاق دی اور میرے خدا نے طلاق دی**'' اگر شرعی گواہوں سے ثابت ہو جائے تو زید کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی ایک کا تو زید خود اقرار کر رہا ہے اور دوسری ''**میں نے طلاق دی**'' اور تیسری ''**میرے خدا نے طلاق دی**'' کا ثبوت گواہانِ شرعی سے حاصل ہو گیا۔

''**خدا نے طلاق دی**'' یہ طلاق صریح کے حکم میں ہے جیسا کہ فقہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔الجوہرۃ النیرۃ میں ہے: **لوقال لھا طلقک اللّٰہ .... وقع الطلاق**

دوسری حدیث میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر .

دعوے کرنے والے پر گواہ اور منکر پر قسم ہے۔ [السنن البیھقی الکبریٰ کتاب الدعوی والبینات، ۱۰/۴۲۷]

چونکہ شہادت کا نصاب نکاح وطلاق میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں لہٰذا دو گواہ خواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں پرہیز گار نمازی عادل غیر فاسق یعنی جو علی الاعلان گناہ نہ کرتے ہوں مثلا مرد داڑھی نہ منڈاتے ہوں عورتیں بے پردہ نہ گھومتی ہوں اس کے علاوہ کوئی کام خلاف شرع نہ کرتے ہوں تو وہ اگر گواہی دیں کہ زید نے اپنی بیوی کو متعدد مرتبہ طلاق دی ہے تو ان کی گواہی قابل قبول ہوگی اور شرعا نافذ مانی جائے گی ، اور زید کا ایک سے زائد طلاق کا انکار قابل سماع وقبول نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

واشھدوا ذوی عدل منکم.

اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کرلو۔ [پارہ ۲۸، سورہ طلاق، آیت ۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نمازی پرہیز گار ثقہ عادل قابلِ قبول شرع گواہی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی زید کا انکار نہ سنا جائے گا۔''
[فتاویٰ رضویہ جدید، ۱۲/۴۴۴]

اور اگر ایسے گواہ موجود نہ ہوں تو پھر زید سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو اس کی بات معتبر مانی جائے گی زید کی بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر قسم کھانے سے انکار کردے تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

اگر بیوی سے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی تو طلاق واقع ہوگئی)[۵۱/۳]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

رجل قال لامرأته طلقک اللّٰہ تعالیٰ تطلق وان لم ینو کذا فی الخلاصة.

کسی آدمی نے اپنی عورت سے کہا کہ تجھے اللہ نے طلاق دی طلاق واقع ہوجائے گی اگرچہ نیت نہ کی ہو ایسا ہی خلاصہ میں ہے۔[الباب الثانی، ۱/۳۵۹]

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں:

ولو قال لامرأته قد طلقک اللہ ذکر فی المواقعات انه یقع نوی اولم ینو

اگر اپنی بیوی سے کسی نے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی ذکر کیا گیا ہے مواقعات میں کہ واقع ہوجائے گی نیت کرے یا نہ کرے۔[فتاوی نوازل، کتاب الطلاق، ۲۰۹]

البتہ اس جملہ کے سبب زید کو توبہ اور تجدید ایمان چاہئے اس لئے کہ طلاق ایک جائز لیکن مبغوض امر ہے اور اس کا اطلاق اللہ کی شان کے لائق نہیں لہٰذا ایسا جملہ استعمال کرنا جو اللہ کی شایان شان نہ ہو بحکم فقہاء کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت مجمع الانھر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اذا وصف اللہ بمالا یلیق به...یکفر

جو چیز اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہ ہو اس سے اللہ کو متصف کرنا کفر ہے۔[فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/۵۶۷] **ھذا ما عندی والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ**

کتبـــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۰/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

شوہر کا تین طلاق سے انکار

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی بیوی سے کچھ فاصلہ پہ کھڑے ہو کر صرف ایک بار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی میرے فرشتوں نے تجھے طلاق دی۔ لیکن میری بیوی اور بیوی کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ میں نے یہ جملہ کئی بار دہرایا حالانکہ یہ بات غلط ہے میں نے صرف ایک بار ہی یہ جملہ کہا تھا۔ تو اب کیا میری بیوی میرے نکاح سے نکل گئی۔ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شکیل خان محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلّی علی حبیبه الکریم

اگر آپ کی بیوی یا بیوی کے گھر والے اپنے بیان پر دو گواہ شرعی نمازی پرہیز گار پیش کرتے ہیں تو شریعت میں آپ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ گواہوں کے مطابق آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اب بیوی آپ کے لئے بغیر حلالہ ونکاح جائز نہیں ہوگی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نمازی پرہیز گار ثقہ عادل قابل قبول شرع گواہی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی زید کا انکار نہ سنا جائے گا۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۲/۴۴۴]

اور اگر وہ آپ کے خلاف گواہ شرعی نہ پیش کرسکیں تو آپ کو قسم شرعی کھانا پڑے گی اگر آپ قسم کھالیں گے تو بیوی پر صرف دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی۔

اور فرشتوں سے متعلق کہے ہوئے جملہ کے سبب آپ توبہ کریں اور آئندہ ایسے جملوں کے استعمال سے بچیں۔ هٰذا ما عندی والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ، ۲۱/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

طلاق کے عدد میں میاں بیوی کا اختلاف

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں محمد الیاس نے اپنی بیوی فریدہ کو تین مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں طلاق دی محمد الیاس اور ان حاضرین کا کہنا ہے کہ دو بار طلاق دی ہے لیکن محمد الیاس کی بیوی فریدہ کا کہنا ہے کہ تین یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق دی ہے۔ فریدہ کے علاوہ کوئی بھی دو طلاق سے زیادہ بتانے والا نہیں ہے ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد مقبول، محمد رئیس، پرمانندپور کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلّی علی حبیبه الکریم

صورتِ مسئولہ میں فریدہ کے پاس شرعی گواہ نہ ہونے کے سبب محمد الیاس کی بات قسم کے ساتھ قابلِ قبول ہوگی یعنی محمد الیاس قسم کھا کر کہے کہ میں نے دو ہی طلاق دی ہیں تو فریدہ پر صرف دو ہی طلاق رجعی واقع ہوں گی۔ اور محمد الیاس کو اپنی بیوی فریدہ سے عدت کے اندر اندر بغیر نکاح کے رجعت کرنے کی اجازت ہوگی۔

فتاویٰ رضویہ جدید میں ہے:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا'' [۴۴۴/۱۲]

اللہ یا فرشتوں کی طرف طلاق وغیرہ کی نسبت کا مقصد اپنی بات کو پختہ کرنا ہوتا ہے اس لئے عند العلماء وہ بھی طلاق کے حکم میں ہے۔

الجوھرۃ النیرۃ میں ہے:

لو قال لها طلقک الله ....وقع الطلاق.

اگر بیوی سے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی تو طلاق واقع ہوگئی۔ [۵۱/۳]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

رجل قال لامرأته طلقک الله تعالیٰ تطلق وان لم ینو کذا فی الخلاصة. [عالمگیری الباب الثانی، ۳۵۹/۱]

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں:

ولو قال لامرأته قد طلقک الله ذکر فی المواقعات انه یقع نوی اولم ینو. [فتاوی نوازل کتاب الطلاق، ۲۰۹]

حاصل کلام: گواہ شرعی نہ ہونے پر آپ کی قسم کا اعتبار ہوگا اور آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوں گی جس میں آپ کو عدت کے اندر رجعت کا حق حاصل ہوگا رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ عدت کے دوران ہی بیوی سے یہ الفاظ کہیں کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ **کمافی الفتاوی الرضویه الجدیده. ۴۴۴/۱۲**

شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر شوہر ایک یا دو طلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کا دعویٰ کرے تو بیوی پر ضروری ہے کہ شرعی گواہ پیش کرے اور طلاق میں گواہی کے لیے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پرہیزگار نمازی غیر فاسق ضروری ہیں اور اگر بیوی گواہ پیش نہ کر سکے تو شوہر سے قسم لی جائے۔ حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه.

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔ [**ترمذی ابواب الاحکام، ۲۴۹/۱**]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا'' [فتاوی رضویہ جدید، ۴۴۴/۱۲]

اور رجعت کا طریقہ کیا ہے اس سے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ زید عدت کے دوران ہی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۴۴۴/۱۲] **والله تعالیٰ اعلم.**

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۸/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

مطلقہ بعد عدت نفقہ کی شرعاً حقدار نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں ؛

(۱) مطلقہ عورت نان ونفقہ کی حقدار ہے یا نہیں اور اگر حقدار ہے تو کب تک؟

(۲) کیا مطلقہ عورت کو شوہر سے عمر بھر نان ونفقہ کا مطالبہ جائز ہے اور کیا شوہر پر اس مطالبہ کا پورا کرنا ضروری ہے؟

شریعت کی روشنی جوابات مرحمت فرمائیں۔

رحمت علی خان ایڈوکیٹ محلّہ کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دونوں سوالات کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) ہاں مطلقہ عورت عدت تک نفقہ کی حقدار ہے اور شوہر پر اپنی مطلقہ بیوی کا عدت تک نفقہ واجب ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وللمطلقات متاع بالمعروف حقاعلی المتقین.

اور طلاق والیوں کے لئے بھی مناسب طور پر نان ونفقہ ہے یہ واجب ہے پرہیز گاروں پر [پارہ۲، سورہ بقرۃ آیت ۲۴۱، کنز الایمان]

ملّا جیون اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

وھی قولہ تعالیٰ للمطلقات متاع بالمعروف ففی بیان نفقۃ المطلقات اذالمتاع النفقۃ.....فمعنی الآیۃ ان المطلقۃ تجب نفقتھاعلی الزوج مادامت معتدۃ''

مطلّقہ عورت کے لیے عدت تک شوہر پر نفقہ واجب وضروری ہے۔ عدت کے بعد شوہر مطلقہ کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہیں۔

(۲) جواب اوّل سے جب یہ واضح ہوگیا کہ عدت تک ہی شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ لازم وضروری ہے۔ تو مطلقہ کو عدت کے بعد شوہر سے زندگی بھر نفقہ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں اور شوہر پر بھی عدت کے بعد بیوی کا نفقہ دینا ضروری نہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق واقع ہونے سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے۔

وبموت احدھماوطلاقھایسقط المفروض.

نفقہ موت اور طلاق سے ساقط ہوجاتا ہے۔

[العقود الدریۃفی تنقیح الفتاوی باب النفقۃ، ۱/۸۸ ۴،وتنویر الابصارباب النفقۃ، ۵/۳۱۴]

نفقہ عدت کا تابع ہے جب تک عدت ہے اس وقت تک شوہر پر نفقہ لازم ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

النفقۃ تابع للعدۃ.

نفقہ عدت کے تابع ہے۔ [کتاب الطلاق باب النفقۃ، ۵/۳۳۳]

لہٰذا جب عدت پوری ہوگئی تو نفقہ بھی ختم ہوگیا۔

محیط برھانی میں ہے:

لانفقۃ لھا بعد مُضی مدۃ العدۃ.

عورت کے لئے عدت گزر جانے کے بعد نفقہ نہیں ہے۔ [الفصل فی نفقۃ المطلقات، ۴/۲۳۸]

بحرالرائق میں ہے:

المعتدۃ اذالم تا خذ النفقۃ حتی انقضت عدتھاسقطت نفقتھا.

آیت کریمہ میں متاع سے مراد نفقہ ہے پس آیت کا معنی یہ ہے کہ مطلقہ کا نفقہ جب تک وہ عدت میں ہے شوہر پر ضروری ہے۔[تفسیرات احمدیہ پارہ۲،سورۃ البقرۃ صفحہ ۱۱۵]

علامہ بدرالدین عینی کی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری اور امام زیلعی کی تصنیف لطیف نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

انی سمعت رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم یقول للمطلقة الثلاث النفقة والسکنٰی مادامت فی العدة.

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جسے تین طلاقیں ہو چکی ہوں جب تک وہ عدت میں ہے اس کے لئے نفقہ اور سکنٰی ہے، یعنی کھانے پینے پہنے اور رہنے کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے[عمدة القاری کتاب العدة ۱۴/ ۳۴۴،نصب الرایه کتاب الطلاق،۳/۲۷۳]

مبسوط سرخسی میں ہے:

ولکل مطلقة بثلاث اوواحد ةالسکنی والنفقة ما دامت فی العدة.

ہر مطلقہ کے لئے جو مطلقہ تین طلاق سے ہو یا ایک سے سکنٰی اور نفقہ ہے جب تک وہ عدت میں ہے. [۵/ ۲۰۱،باب النفقة فی الطلاق]

الجوہرۃ النیرۃ اور ہدایہ میں ہے:

واذاطلق الرجل امرأته فلهاالنفقة والسکنٰی فی عدتها

جب مرد نے اپنی عورت کو طلاق دی تو عورت کے لئے عدت میں نفقہ اور سکنی ہے[الجوهرة النیرة کتاب النفقات ۳/ ۱۲۹،اهدایه کتاب الطلاق باب النفقة، ۲/ ۴۴۳]

حاصل کلام: قرآن وحدیث اور عبارات فقہاء کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ

عدت والی جب عدت پوری ہونے تک نفقہ نہ لے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ [کتاب الطلاق باب النفقة ۴/ ۳۳۷]

علاوہ ازیں نفقہ در حقیقت شوہر کا بیوی کو پابند کرنے کا بدل ہے جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

''نفقة الزوجة جزاء الاحتباس''

بیوی کا نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔[باب النفقة ،۵/ ۳۶۶]

اور فتاوی نوازل میں ہے:

النفقة جزاء الاحتباس.

نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔ [باب النفقات، ۲۲۳]

اور بیوی عدت تک شرعا شوہر کی پابند ہے اس کے بعد نہیں تو جب بیوی عمر بھر عدت کے بعد شوہر کی پابند ہی نہیں ہے تو پھر بھلا عمر بھر کا نفقہ کس بات کا؟

مزید برآں کہ عدت میں بھی نفقہ اس شرط پر ہے کہ بیوی شوہر کے گھر میں عدت گزارے اگر شوہر کے گھر میں عدت نہیں گزارتی اپنی مرضی سے شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں اور عدت گزارتی ہے تب بھی از روئے شرع وہ نفقہ کی حقدار نہیں۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

المعتدة اذاخرجت من بیت العد ةتسقط نفقتها

عدت والی جب عدت کے گھر سے نکل جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔[کتاب الطلاق باب النفقة، ۴/ ۳۳۸]

وهکذافی فتاوی الهندیة[الفصل فی نفقة المعتدة، ۱/ ۵۵۸]

تحریر کا لب لباب فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں ملاحظہ کریں، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۴۱۵]

مزید فرماتے ہیں:

''مہر ونفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں''

[فتاوی رضویہ جدید،۱۳/ ۴۷۵]

ھٰذا ما عندی والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ

کتبـــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۳/شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

طلاق مغلظہ کے بعد حلالہ کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک لڑکا برادری شیخ نے ایک لڑکی برادری تیلی سے اس کے والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا نکاح میں جو گواہ تھے ان کے تعلق سے بتایا جاتا ہے کہ وہ سب فاسق معلن شرابی قسم لوگ تھے۔ بعد نکاح جب لڑکی والوں کو علم ہوا تو وہ اس سے بہت ناراض ہوئے اور لڑکی پر دباؤ بنایا گیا لڑکی اور لڑکے کے علاحدہ نہ ہونے کی صورت میں لڑکی والوں نے دونوں سے تعلقات ختم کرلئے مگر لڑکا اور لڑکی دونوں اسی نکاح کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزارتے رہے پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد لڑکی والوں نے لڑکے پر دباؤ بناتے ہوئے کسی خاص میٹنگ میں لڑکے سے طلاق طلب کی ان کی طلب اور دباؤ پر لڑکے نے بذریعہ ٹیلی فون لڑکی کو طلاق دے دی جس پر لڑکی نے طلاق کی عدت کی مدت کو پورا کیا اور پھر بغیر کسی نکاح وحلالہ وغیرہ کے لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ساتھ پہلے جیسی زندگی گزارنے لگے ساتھ ہی پھر لڑکی حاملہ ہوگئی اور لڑکے سے بتائے بغیر ہی اپنی مرضی سے دوائی وغیرہ سے حمل ساقط بھی کرادیا اس تفصیل کے بعد اب کچھ مدت سے لڑکا اور لڑکی اصل صورت مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے اپنے ازدواجی تعلقات ختم کئے ہوئے ہیں اور تلاش وجستجو میں ہیں کہ از روئے شرع پھر سے یہ

عدتها انها تحل لزوجها الاول اذا كان النكاح الثانى صحيحا.

وہ عورت جسے اس کے شوہر نے تین طلاق دیدیں ہوں اس کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ (اللہ ان سے راضی ہوا) نے فرمایا کہ وہ اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر وہ اس سے مجامعت کرے پھر وہ اسے طلاق دے پھر یہ عدت گزارے تاکہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوسکے جب کہ دوسرا نکاح صحیح ہوا ہو۔

[۱۰۷/۴، باب نکاح الاحصان فی المطلقة ثلاثا]

مبسوط سرخسی میں ہے:

ولا تحل له المرأة بعد ما وقع عليها ثلاث تطليقات حتى تنكح زوجا غيره يدخل بها.

تین طلاق سے مطلقہ عورت اپنے شوہر کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور وہ اس سے ہم بستر نہ ہوجائے۔[۱۴/۶، کتاب الطلاق]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وإن كان الطلاق ثلاثا فى الحرة ... لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا فى الهداية

اگر آزاد عورت تین طلاق سے مطلقہ ہوتو اپنے شوہر کے لئے جب تک حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور وہ اس سے مجامعت نہ کرلے پھر وہ دوسرا شوہر طلاق دے یا انتقال کرجائے ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔[۴۷۳/۱، فصل فیما تحل فی المطلقة] واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

کتبـــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۴/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

دونوں ازدواجی زندگی گزارسکیں۔آیاان دونوں کے لئے ازدواجی زندگی گزارنے کی شرعاکیاترکیب ہوسکتی ہے اوراگرنہیں توکیاان کاایک گھرمیں رہناکیساہے جواب عنایت فرمائیں،اورعنداللہ ماجورہوں وعندالناس مشکورہوں۔فقط

المستفتی صوفی محمد جمشید عالم صابری،صابری نئ بستی پیران کلیرشریف

الجواب بعون الملک الوہاب التواب

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں عورت پرطلاق مغلظہ واقع ہوگئی اوروہ اپنے شوہرکے نکاح سے نکل گئی۔اگروہ اپنے اسی شوہرکے ساتھ رہناچاہتی ہے توکسی دوسرے مردسے نکاح کرے اوروہ اس سے صحبت کرکے طلاق دےاس کے بعدیہ عورت عدت گزارکرپہلے شوہرسے نکاح کرسکتی ہے۔

قرآن مقدس میں ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

پھراگرتیسری طلاق اسے دی تواب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے [ترجمہ کنزالایمان،سورہ بقرہ،آیت،۲۳۰]

اس آیت کریمہ کی تفسیرمیں صدرالافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''تین طلاقوں کے بعدعورت شوہرپربحرمت مغلظہ حرام ہوجاتی ہے اب نہ اس سے رجوع ہوسکتاہے نہ دوبارہ نکاح جب کہ حلالہ ہویعنی بعدعدت دوسرے سے نکاح کرے اوروہ بعدصحبت طلاق دے پھرعدت گزارے دوبارہ نکاح کرلیں۔'' [تفسیرخزائن العرفان،سورہ بقرہ،آیت،۲۳۰]

امام محمدبن حسن شیبانی کی کتاب ''حجۃ''میں ہے:

قال ابوحنیفة رضی اللہ عنه فی المراۃ یطلقها زوجها ثلاثا ثم تنکح زوجا غیرہ فیدخل بها ویجامعها ثم یطلقها فتنقضی

باب العدۃ

عدت کے چنداہم مسائل

کیافرماتے ہیں علماءکرام ان مسائل میں؛

(۱) گیارہویں شریف کی تین تاریخ کومیرے شوہرکاانتقال ہوامیری عدت کب تک پوری ہوگی؟

(۲)عدت کاحکم کیاہےاورکیاعدت کےدوران سرمیں تیل اورکنگھی کااستعمال کرسکتی ہوں؟

(۳) مجھےمیرے شوہردکھائی نہیں دیتے کیاپڑھوں اورتبارک کتنےکلومیں ہوناچاہئے

(۴) میں اوپررہتی ہوں نیچے ہندوکرایہ داررہتے ہیں غسل خانہ اورلیٹرین نیچے ہیں۔میرے نیچے جانے میں کوئی حرج تونہیں؟

(۵) کیاکلمہ شریف کےعلاوہ کچھ اورپڑھ سکتی ہوں؟

(۶)میں اپنے شوہرکافوٹودیکھ سکتی ہوں یانہیں؟

وجےنگرنئ بستی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کےجوابات بالترتیب مرقوم ہیں:

(۱)موت کی عدت ازروئے شرع غیرحاملہ کے لئے چارمہینےدس دن ہے۔قرآن شریف میں ہے:

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجایتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا

اورتم میں جومریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چارمہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ [پارہ۲،سورۂ بقرہ،آیت۲۳۴]

اور چار مہینے دس دن ۱۳شعبان المعظم کوہوں گے یعنی آپ کی عدت ۱۳شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ کو پوری ہوجائے گی۔

(۲) مذکورہ بالاآیت کریمہ کےتحت عدت کاحکم بیان کرتے ہوئے حضورصدرالافاضل علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

''اس مدت میں نہ وہ نکاح کرے نہ اپنامسکن چھوڑے نہ بے عذر تیل لگائے نہ خوشبولگائے نہ سنگار کرے نہ رنگین اور ریشمیں کپڑے پہنے نہ مہندی لگائے''[تفسیرخزائن العرفان پارہ۲سورۂ بقرہ،آیت۲۳۴]

فتاویٰ عالمگیری میں معتدہ کے لئے یہ احکام مذکور ہیں:

الاجتناب عن الطیب والدهن والکحل والحناء والخضاب ولبس المطیب والمعصفروالثوب الاحمر وما صبغ بزعفران ولبس القصب والخزوالحریرولبس الحلی والتزین والامتشاط کذافی التتارخانیه

عدت والی عورت خوشبو،تیل،سرمہ،مہندی،خضاب نہ لگائے اورخوشبو بسے ہوئے،کسم کے رنگے ہوئے،سرخ کپڑے اورزعفران سے رنگے کپڑے نہ پہنے اورقصب،خزاور ریشم نہ پہنے اورزیور نہ پہنے زینت ترک کرے اور کنگھی نہ کرے ایساہی تاتارخانیہ میں ہے۔[۱/۵۳۳:باب فی الحداد]

البتہ ان چیزوں کااستعمال مجبوری میں جائزہے۔اورسر میں تیل بھی اس وقت ڈال سکتی ہیں جب دردہویاایسی عادت پڑگئی ہوکہ نہ ڈالنے پردردہوگااورزینت کاارادہ نہ ہو۔

اقول ولاقرة عین فیه لمن یتمسک التصاویر فی صندوقه لینظر فیها متی شاء فانهاوان کانت مستورة مادامت فی الصندوق لکنه یفتحه و یخرجها فتظهرفیاتی التحریم والامساک لامرممنوع کمن امسک امرأة لیفجر بهافی اثم الفجورحین لایفجرلان الاعمال بالنیات.

میں کہوں گا کہ اس عبارت میں اس شخص کی آنکھ کی ٹھنڈک نہیں جس نے بکس میں تصویریں رکھی ہوں کہ جب چاہے انہیں دیکھ لے اس لئے کہ اگرچہ وہ چھپی ہوئی ہیں لیکن جب وہ بکس کھول کرنکالے گا نمایاں ہوں گی لہٰذاتحریم کاحکم ہوگااورممنوع چیزکورکھنابھی منع ہے جیسے کہ کوئی عورت کو بدی کے لیے روک لے تواس پر بدی کا گناہ ہوگا اگرچہ وہ بدی نہ کررہا ہواوراعمال کااعتبارنیت سے ہے۔[عطایاالقدیر فی حکم التصویر،ص۵۶]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخه۲۳رجمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

عدت کے بعد بیوی کے لئے نفقہ کاحکم

محترم جناب مفتی صاحب.................السلام علیکم

بعدسلام کے گزارش یہ ہے کہ میں نے ۲۰۰۳ء میں اپنی بیوی رضیہ بیگم دختر جناب عبدالستارکوطلاق دے دی تھی۔اب میری بیوی میرے دس سال کی لڑکی اورتیرہ سال کے لڑکے

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

أمافی حالة الاضطرارفلابأس بهاان اشتكت رأسها او عينها فصبت عليهاالدهن اواكتحلت لاجل المعالجة فلابأس به ولكن لا تقصد به الزينة كذافی المحيط لواعتادت الدهن فخافت وجعايحل بهالولم تفعل فلا باس به.

مجبوری کی حالت میں کوئی حرج نہیں اگر سر یا آنکھ میں درد ہو تو بطور علاج سر میں تیل لگانے یا آنکھ میں سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ زینت کا ارادہ نہ ہوایسا ہی محیط میں ہے اور اگر تیل ڈالنے کی عادت ہے اور خوف ہے کہ نہ ڈالنے پر درد بڑھ جائے گا تو تیل ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔[مرجع سابق]

اور کنگھی کا استعمال بھی مجبوری کی حالت میں جائز ہے جب کہ موٹے دندانوں سے کنگھی کی جائے:

ان امتشطت بالطرف الذی اسنانه منفرجة لابأس به.

جس طرف موٹے دندانے ہیں اس طرف سے کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[مرجع سابق]

(۳) کثرت سے درود شریف اور سورہ فاتحہ (الحمد شریف) پڑھا کریں۔اور تبارک شریف کی شرع میں کوئی مقدار متعین نہیں ہے جس قدر ہو سکے کریں۔**هكذافی ملفوظات اعلیٰ حضرت.**

(۴) یہ آپ کے لئے عذر ہے لہٰذا پردہ کر کے جائیں تا کہ کسی غیر محرم کی نظر آپ پر نہ پڑے۔

(۵) بالکل کلمہ شریف کے علاوہ قرآن شریف اور دیگر اوراد و وظائف پڑھ سکتی ہیں۔

(۶) جی نہیں۔ از روئے شرع فوٹو کا رکھنا اور اس کا دیکھنا جائز نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

کے ساتھ اپنے میکے رہ رہی ہے۔آپ سے گزارش ہے کہ شریعت کی روشنی میں جواب دینے کی زحمت فرمائیں کہ کیا میری بیوی طلاق ہونے کے بعد مجھ سے اپنا گزارا کرنے کے لئے خرچ لینے کی حقدار ہے اگر ہے تو کب تک؟

ذاکر حسین ولد جناب فدا حسین
نندپور نرکاٹو پا با جپور ضلع اودھم سنگھ نگر
۲۲ رجنوری ۲۰۱۳ء

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم نحمده ونصلی علی حبيبه الكريم

وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته!

از روئے شرع عدت کے بعد شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ لازم وضروری نہیں ہے۔رضیہ بیگم کی عدت ختم ہو چکی ہے اب انہیں شوہر سے خرچ لینے کا حق نہیں ہے۔کیوں کہ نفقہ عدت کا تابع ہے جب تک عدت ہے اس وقت تک شوہر پر نفقہ ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے: **النفقة تابع للعدة.**

نفقہ عدت کے تابع ہے۔[كتاب الطلاق باب النفقة، ۵/۳۳۳]

تو اب جب کہ عدت پوری ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے نفقہ بھی ختم ہو گیا۔

محیط برہانی میں ہے: **لا نفقة لهابعدمُضی مدة العدة.**

عورت کے لئے عدت گزر جانے کے بعد نفقہ نہیں ہے۔[الفصل فی نفقة المطلقات، ۴/۲۳۸]

نفقہ درحقیقت بیوی کے پابند ہو جانے کا بدلہ ہے جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

نفقة الزوجة جزاء الاحتباس.

بیوی کا نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔[باب النفقة، ۵/ ۳۶۶]

اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ بیوی عدت تک از روئے شرع پابند ہوتی ہے اس کے بعد نہیں تو جب بیوی عدت کے بعد پابند ہی نہیں رہی تو پھر بھلا خرچ کس بات کا دیا جائے گا؟

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۴۱۵] مزید فرماتے ہیں ''مہر و نفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۴۷۵]

البتہ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لڑکے اور لڑکی کے خرچ کا مطالبہ کرے اس لئے کہ بچوں کا خرچ آپ پر واجب ہے کذافی البحر و ردالمحتار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۹/ ربیع النور ۱۴۳۴ھ

درمختار میں ہے: لان ماله ثمة مباح فيحل برضاه مطلقا بلاغدر. [كتاب البيوع باب الربا، ۷/ ۴۲۳]

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

ولان مالهم ای مال اهل الحرب مباح فی دارهم لانه غير معصوم بل هو على اصل الاباحة فبای طريق اخذه المسلم اخذ ما لا مباحا اذلم يكن فيه ای فی اخذه غدر لان الغدر حرام. [کتاب البیوع باب الربا، ۷/ ۳۸۵]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فلايحرم علينامعهم الاالغدرفاذاجاوزته و اخذت منهم مااخذت باسم ای عقدار دت فقداخذت مالامباحالاتبعة عليك فيه.

ہم پر ان کے ساتھ سوائے دھوکہ بازی کے کچھ حرام نہیں اور جب تو دھوکہ بازی سے بچتے ہوئے ان کا مال جس عقد کے نام سے چاہے لے تو تو نے ان سے مال مباح حاصل کیا اس پر تجھ سے کوئی مواخذہ نہیں۔ [فتاوی رضویہ جدید، ۱۷/ ۳۶۹]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''جو کافر مطیع اسلام نہ ہو نہ سلطنت اسلامیہ میں مستامن ہو بلا غدر و بدعہدی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا ممنوع نہیں [فتاوی رضویہ جدید، ۱۷/ ۳۵۶]

هذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

باب البیوع

کافر حربی سے فائدہ لینا

باسمہ تعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین کہ زید نے ۳۵ کلو مینتھے کا تیل غیر مسلم کو بیچ دیا لیکن زید نے اسکی رقم اسی کے پاس چھوڑ دی کیونکہ اسی نے توجہ دلائی کہ تم مجھ سے رقم نہ لو بلکہ ۳۵ کلو کی رقم تصور کر کے ہر ماہ پندرہ روپے کلو کے حساب سے فائدہ لیتے رہو صورت حال میں زید کا یہ فائدہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ریاست حسین عزیزی خطیب وامام نوری مسجد سلطان پور پٹی ضلع اودھم سنگھ نگر اتراکھنڈ
مؤرخہ ۲۳ ستمبر ۲۰۱۱ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں زید کا غیر مسلم سے اس طرح کا فائدہ لینا از روئے شرع بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں اور ان کا مال معصوم نہیں ہے لہٰذا کافر حربی سے اس کی مرضی سے بغیر دھوکہ وخیانت کے جو مال بھی مسلمان کو حاصل ہوا گرچہ عقد فاسد کے ذریعہ ہی وہ مسلمان کے لئے جائز وحلال ہے۔

امام کاسانی کی کتاب بدائع الصنائع میں ہے:

ان مال الحربی لیس بمعصوم بل ھو مباح فی نفسہ.

حربی کافر کا مال معصوم نہیں ہے بلکہ وہ فی نفسہ جائز ہے۔[کتاب البیوع ۴/۴۱۶]

کسی کی زمین چھیننے والا قیامت میں زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) زید اور بکر نے دوسرے فریقوں کے ساتھ مل کر ایک پلاٹ خریدا جس کے بٹوارے میں زید اور بکر کے حصہ میں سواسترہ گز چوڑی زمین آئی اس طرح زید کے حصہ میں دس گز چوڑی زمین آئی جو دونوں کی رضامندی سے زید نے وہ زمین تیسرے فریق کو بیچ دی دوسرے فریقوں میں سے ایک فریق نے بکر کی زمین میں سے کچھ زمین زبردستی سے دبالی اس پر بکر نے کچھ نہیں کہا اب بکر زید کو کمزور دیکھتے ہوئے دبی ہوئی زمین میں کا حصہ زید سے مانگتے ہیں زید کے دس ہزار روپیہ بھی بکر پر باقی تھے اگر بکر کی زمین کا حصہ زید کی طرف ہوتا ہے تو اُس وقت کی قیمت دی جائے یا اس وقت کی؟

(۲) زید اور بکر کی جو زمین شرکت کی تھی وہ زمین بکر نے تاریخ 2\8\2004. کو بیچ دی بکر نے روپیہ زیادہ لے لئے زید کو کم دئے بکر نے حساب نہیں کیا اب زید کے روپیہ زیادہ نکلتے ہیں یہ روپیہ اس وقت کے لینے چاہئے یا اس وقت کے؟

(۳) زید اپنی بچی ہوئی زمین بیچ رہا تھا اس وقت بکر نے کہا کہ آپ سے ایک گز چوڑی زمین ہمیں لینی ہے ایک گز زمین کم کر کے بیچنا زید نے وہ ایک گز چوڑی زمین بطور قیمت چھوڑ دی کیونکہ بکر اپنا مکان بنانے کے لئے بس رہے تھے لیکن مکان نہ بنا کر تین یا چار سال کے پہلے وہ زمین بکر نے بیچ دی زید سے نہیں بتایا لیکن زید کو بعد میں پتہ چلا اب زید کو بکر سے اس زمین کے روپیہ لینے ہیں اس زمین کی قیمت اُس وقت کی لینی چاہئے یا اس وقت کی؟

محمد اسحاق صدیقی محلّہ تھانہ سابق کاشی پور ضلع اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

مذکورہ بالاتمام سوالات کے جوابات بالترتیب مرقوم ہیں:

(۱) صورتِ مسئولہ میں بکر کی زمین پر تیسرے فریق کا جبراً قبضہ کرلینا ازروئے شرع ناجائز وحرام ہے نیز بکر کا زید کو کمزور جانتے ہوئے اس سے اپنی مغصوبہ زمین کے حصہ کا مطالبہ کرنا بھی ازروئے شرع جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من اخذمن الارض شیئاًبغیرحقه خسف به یوم القیامة الیٰ سبع ارضین.

جس شخص نے کسی کی تھوڑی سی زمین بھی ناحق لے لی قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسایا جائے گا۔[بخاری شریف]

لہٰذا بکر کی زمین غصب کرنے والے پر لازم ہے کہ بکر کی زمین فوراً بکر کو واپس کرے اور اس سے حاصل شدہ منافع بھی بکر کو ادا کرے۔ اور بکر پر بھی ضروری ہے کہ زید سے بیجا مطالبہ نہ کرے۔

البتہ اگر واقعی بکر کی زمین کا حصہ زید کی طرف نکلے تو اس صورت میں زید موجودہ قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے بکر کے حصہ کی ادائیگی کرے۔

(۲) بکر پر زید کے جو روپئے اس وقت بچے تھے بس وہی لئے جائیں گے۔ مثلاً زمین ایک لاکھ میں بیچی گئی اور زید اور بکر حصہ میں برابر کے شریک تھے بکر نے زید کو بیس ہزار روپے دیئے تو اب بکر پر زید کے تیس ہزار باقی رہے تو اب اُس وقت یا اِس وقت کی قید کے بغیر تیس ہزار روپے ہی ادا کیے جائیں گے۔

باب الذبائح

وہابی کے ذبیحہ کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں دیوبندی کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یا حرام اور مسلمانوں کو اس کا کھانا کیسا؟

المستفتی حاجی اصغر حسین بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے کافر ومرتد ہیں اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ ازروئے شرع حرام ہے۔ مسلمان کو اس کا کھانا جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

فلاتؤکل ذبیحة اهل الشرک والمرتد.

مشرک اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔[جلد۵ ص ۲۸۵، کتاب الذبائح]

امام کاسانی نے بدائع الصنائع میں فرمایا:

فلاتؤکل ذبیحة اهل الشرک والمجوسی والوثنی و ذبیحة المرتد.

مشرک اور آتش پرست اور بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ [بدائع الصنائع ۴/۱۶۴]

(۳) صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے زمین اس وقت قیمت طے کئے بغیر اس لحاظ سے چھوڑی تھی کہ بکر جب قیمت ادا کرے گا اس وقت بکر کو بیچ دوں گا تو اب بکر سے زید زمین کی موجودہ قیمت وصول کر سکتا ہے۔

ھٰذا ما عندی و العلم عند اللّٰہ تعالی

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۰/صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

اور بحر الرائق میں کنز الدقائق کی عبارت ''لامجوسی ووثنی و مرتد'' کے تحت ہے:

یعنی لاتحل ذبیحۃ ھؤلاء

یعنی آتش پرست اور بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ [کتاب الذبائح، ۹/۳۰۶]

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''غیر مقلدین وہابیہ پر بوجوہ کثیرہ الزام کفر ہے...... اور ذبیحہ کا حلال ہونا نہ ہونا حکم فقہی ہے خصوصاً وہی احتیاط کہ مانع تکفیر ہو یہاں ان کے ذبیحہ کے کھانے سے منع کرتی ہے کہ جمہور فقہائے کرام کے طور پر حرام و مردار کا کھانا ہوگا لہٰذا احتراز لازم ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۲۰/۲۴۹]

مزید فرماتے ہیں: ''دیوبندی کا ذبیحہ مردار ہے اور دیوبندی کا بھیجا ہوا گوشت اگرچہ مسلمان کا لایا ہوا ہو مردار ہے'' [مرجع سابق]

ان عبارات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ دیوبندی وہابی وغیرہما فرقہائے باطلہ کا ذبیحہ حرام ہے، اس کا کھانا جائز نہیں۔ ہاں وہ لوگ جو دیوبندی عقائد کفریہ تو نہیں رکھتے لیکن دیوبندی و سنّی دونوں جماعتوں میں گھلے ملے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذبیحہ حرام نہیں ہے۔ البتہ بچنا مناسب ہے۔ ھٰذا ما عندی و العلم عند اللّٰہ تعالیٰ۔

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۴/ربیع النور ۱۴۳۳ھ

باب الاضحیه

خصی جانور کی قربانی افضل ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں ؛

(۱) کیا ہمارے نبی ﷺ نے خصی جانور کی قربانی کی ہے؟

(۲) اور خصی جانور کی قربانی کرنا افضل ہے یا نہیں؟

مدلل جواب مرحمت فرمائیں

(حافظ) محمد خورشید بھو پور پیپل سانہ مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش ہیں:

(۱) جی ہاں نبی کریم ﷺ نے خصی جانور کی قربانی کی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، أَوْ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ ، اشْتَرَى كَبْشَيْنِ عَظِيمَيْنِ ، سَمِينَيْنِ ، أَقْرَنَيْنِ ، أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوأَيْنِ

حضرت عائشہ یا حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب قربانی

باب الحظر والاباحة

کا ارادہ فرمایا تو سفید و کالے رنگ کے موٹے تازے سینگ والے خصی کئے ہوئے دو مینڈھے خریدے۔

[سنن ابن ماجه،باب اضاحی رسول الله ﷺ،۲۲۵]

دوسری حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ ذَبَحَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ الذَّبْحِ کَبْشَیْنِ أَقْرَنَیْنِ أَمْلَحَیْنِ مَوْجُوأَیْنِ.

حضرت جابر سے مروی ہے کہ قربانی کے دن نبی کریم ﷺ نے دو سینگ والے سفید و کالے رنگ کے خصی کئے ہوئے دو مینڈھے ذبح فرمائے'' [سنن ابو دائو،۲/۳۸۶،باب مایستحب من الضحایا،]

(۲) علماء کرام کے نزدیک خصی جانور کی قربانی افضل ہے۔

تحفۃ الفقہاء میں اور مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر میں امام اعظم ابوحنیفہ سے مروی ہے:

عن الإمام إن الخصی أولی لأن لحمه ألذ وأطیب

امام اعظم ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ خصی بہتر ہے اس لئے کہ اس کا گوشت بہت زیادہ لذیذ اور بہت اچھا ہوتا ہے۔[تحفة الفقهاء لسمرقندی،۸۶/۳، کتاب الاضحیه،مجمع الانهر،کتاب الاضحیه،۱۷۱/۴]والله تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۵/جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

کرایہ دار کا مکان خالی کرنے کے عوض رقم کا تقاضا کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص کرائے کے مکان پر رہتا ہے اب مکان مالک اس سے مکان خالی کرانا چاہتا ہے کرائے دار خالی کرنے کے عوض مکان مالک سے پیسہ مانگ رہا ہے کیا یہ جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

حاجی محمد یعقوب انصاری محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

کرائے دار کا مالک مکان سے مکان خالی کرنے پر پیسہ مانگنا ازروئے شرع جائز نہیں۔ جب اجارہ کی مدت ختم ہوگئی تو مالک مکان کو مکان خالی کرانے کا مکمل اختیار ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جب مدت اجارہ ختم ہوگئی شرعاً اس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقاً جائز ہے.... ردالمحتار میں اوائل بیوع میں ہے:

فللموجر اخراجه من یده اذا مضت مدة اجارته.

کرائے پر دینے والے کو مدت اجارہ ختم ہو جانے پر دوکان (وغیرہ) کو کرائے دار کے قبضہ سے نکالنے کا حق حاصل ہے۔ [فتاویٰ رضویہ جدید:۱۸۰/۲۰]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللّٰہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

فاتحہ ونیاز میں آیات مختلفہ کی تلاوت کے جواز پر تفصیلی فتوی

مفتی صاحب قبلہ سلام مسنون!

میں دارالعلوم امام احمد رضا رتنا گیری میں رابعہ جماعت کا متعلم ہوں چند سال قبل آپ کے پاس بھی تعلیم حاصل کر چکا ہوں، میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ فتاوی رضویہ میں اعلیٰ حضرت نے فاتحہ میں مختلف سورتیں پڑھنا جائز لکھا ہے اور حدیث بھی پیش کی ہے، لیکن علامہ عبدالحی نے اپنی کتاب معین المفتی والسائل میں اس کو ناجائز لکھا ہے اور انہوں نے بھی حدیث پیش کی ہے مجھے معلوم یہ کرنا ہے کہ ان دونوں میں سے کس کی بیان کردہ حدیث قابل قبول اور راجح ہے۔ اور اس کی وجہ ترجیح کیا ہے۔ مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

(حافظ) محمد عبدالواجد

متعلم امام احمد رضا رتنا گیری متعلم جماعت رابعہ۔

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

فاتحہ ونیاز میں سور متفرقہ وآیات مختلفہ کی تلاوت معمولات اہلسنت میں سے ہے اہلسنت کے نزدیک یہ معمول جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ فاتحہ ونیاز کے جواز واستحسان کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے ابوداؤد کی ایک حدیث پیش کی ہے جب کہ علامہ عبدالحی نے اس کے برخلاف

اور کچھ وہاں سے ملا لیتا ہوں۔ ارادۂ الٰہیہ یوں ہی ہوتا ہے، فرمایا:

کلکم قد اصاب.

تم تینوں نے ٹھیک بات کی درست کام کیا۔ الخ

[فتاوی رضویہ جلد ۳ص ۴۸۱]

اور علامہ عبدالحی سے جب اس معاملہ میں استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

ھٰذا مما لا اصل لہ ولا اثر لہ فی کتب المتقدمین وفی الاتقان فی علوم القرآن فاما خلط سورۃ بسورۃ فعد الحلیمی ترکہ من الآداب لما اخرجہ ابو عبید عن سعید بن المسیب ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مر ببلال وھو یقرأ من ھٰذہ السورۃ فقال یا بلال مررت بک وانت تقرأ من ھٰذہ السورۃ ومن ھٰذہ السورۃ فقال اخلط الطیب بالطیب فقال اقرء السورۃ علی وجھھا اوقال علیٰ نحوھا الخ. [معین المفتی والسائل ص ۳۶۲]

یعنی سور مختلفہ وآیات متفرقہ پڑھنے کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ اس کے لئے کوئی حدیث کتب متقدمین میں موجود ہے اور الاتقان میں ہے کہ ایک سورۃ کو دوسری سورۃ سے ملانا حلیمی نے ترک آداب میں شمار کیا ہے، اس دلیل سے کہ ابوعبید نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال کے پاس سے گزرے اور وہ کچھ اس سورت سے پڑھ رہے تھے اور کچھ اس سورت میں سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے بلال! میں تمہارے پاس آیا اور تم اس سورت اور اس سورت میں سے پڑھ رہے تھے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں طیب کو طیب میں ملا رہا تھا سرکار نے فرمایا سورت کو اس کے مثل پڑھو یعنی ترتیب سے پڑھو۔

حدیث نقل کی ہے ہم یہاں دونوں حضرات کے بیان کردہ جوابات کو نقل کرکے اس پر قدرے گفتگو کرتے ہیں اعلیٰ حضرت سے جب سور و آیات مختلفہ پڑھنے کے سلسلے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے اس انداز میں جواب مرحمت فرمایا:

''یہ صورت بلاشبہ جائز ومباح ہے سنن ابی داؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت پست آواز سے پڑھتے دیکھا، اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت بلند آواز سے، اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ کچھ ایک سورت سے پڑھا اور کچھ دوسری سورت سے لیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

قداسمعت من ناجیت یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جس سے مناجات کرتا ہوں وہ اس پست آواز کو بھی سنتا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اوقظ الوسنان واطرد الشیطان.

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لئے اتنی آواز سے پڑھتا ہوں کہ اونگھتا جاگے اور شیطان بھاگے۔

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کی:

کلام طیب یجمعہ اللّٰہ بعضہ الی بعض.

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجید سب پاکیزہ کلام ہے کچھ یہاں سے

الحاصل: اعلیٰ حضرت کی مستدل حدیث پاک سے جواز اور علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث پاک سے عدم جواز ثابت ہوا۔

اب آیئے ہم تفصیل سے دونوں حضرات کی مستدل حدیث پاک کا جائزہ لیں تاکہ یہ بات منکشف ہوجائے کہ دونوں حضرات میں سے کس کی مستدل حدیث کا معیار مقبول ہے۔

اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث پاک سنن ابی داؤد جلد اص ۱۸۸، کے علاوہ سنن الکبریٰ ۳/۱۱، شعب الایمان للبیہقی ۵/۳۲۰، تاریخ بغداد ۱۳/۲۸۵، میں بھی متعدد اسناد سے مروی ہے۔ اس حدیث پاک کو حضرت ابوسلمہ سے روایت کرنے میں محمد بن عمرو متفرد ہے گویا تمام سندوں کا دارومدار محمد بن عمرو پر ہے۔

علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث پاک کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف ۲/۲۶۴، اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف ۲/۴۹۵، اور بیہقی نے شعب الایمان ۲/۴۳۰، میں متعدد سندوں سے روایت کیا ہے۔ ان کی اسناد کا دارومدار عبدالرحمٰن بن حرملۃ پر ہے کیوں کہ اس حدیث کو سعید بن مسیّب سے صرف عبدالرحمٰن نے روایت کیا ہے۔

بالجملہ اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث کے اصل راوی محمد بن عمرو اور علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن حرملہ ہیں دونوں کی حیثیت جانے بغیر حدیث پر کسی طرح کا کوئی حکم لگانا تحقیق کے خلاف ہے لہٰذا آیئے ہم پہلے محمد بن عمرو کے متعلق محدثین وائمہ نقاد کے آراء ونظریات کا جائزہ لے لیں۔

امام ذہبی نے محمد بن عمرو کے متعلق فرمایا:

الامام المحدث الصدوق... وحدیثہ فی عداد الحسن قال النسائی وغیرہ لیس بہ بأس وقال ابوحاتم صالح الحدیث، وقال عبداللّٰہ بن احمد سمعت ابن معین سئل عن سھیل والعلاء بن عبدالرحمٰن، وعبداللّٰہ بن محمد بن عقیل، وعاصم بن عبیداللّٰہ فقال لیس حدیثھم بحجۃ قیل لہ

فمحمدبن عمرو؟قال هوفوقهم قلت روی له البخاری مقرونابآخروروی له مسلم متابعة....وسئل یحیی بن سعیدعن محمدبن عمروفقال للسائل تریدالعفواورنشددقال بل شددقال لیس ممن ترید،قال الجوزجانی لیس بالقوی وهوممن يُشتهیٰ حدیثه قال ابن عدی: روی عنه مالک فی المؤطاوارجواانه لاباس به وروی احمدبن ابی مریم عن یحیی بن معین ثقة.

[سیر اعلام النبلاء ۱۳۶/۶، ۱۳۷]

ابن عدی نے کامل میں تحریر فرمایا:

قال یحیی القطان واماامحمدبن عمروفرجل صالح لیس باحفظ الناس للحدیث وامایحییٰ بن سعیدفکان یحفظ ویدلس،حدثناعلان ثناابن ابی مریم سمعت یحییٰ بن معین یقول محمدبن عمربن علقمةثقة....قال السعدی محمدبن عمرو لیس بقوی الحدیث ویشتهی حدیثه..... ولمحمدبن عمروبن علقمة حدیث صالح وقدحدث عنه جماعة من الثقات کل واحدمنهم ینفردعنه بنسخة ویغرب بعضهم علی بعض ....وارجوأنه لاباس به[۲۲۴/۶، ۲۲۵]

ذہبی نے میزان الاعتدال میں فرمایا:

شیخ مشهور،حسن الحدیث....اخرج له الشیخان متابعة وقال یحیی بن معین کانوایتقون حدیثه وروی احمدبن ابی مریم عن ابن معین ثقة ......وقال عبدالله بن احمدسمعت یحییٰ بن معین یقول سهیل،والعلاء بن

الغرض محمد بن عمرو کو امام ذہبی نے ’’حسن الحدیث‘‘ اورصدوق فرمایا تو ابوحاتم نے ’’صالح الحدیث‘‘ سے تعبیر کیا،ابن حجر نے ’’صدوق له اوهام‘‘فرمایا،امام نسائی،ابن عدی اور ابن مبارک نے ’’لیس به بأس، ولابأس به،ولم یکن به باس‘‘ کے ذریعہ عدم ضعف کی جانب اشارہ کیا امام سیوطی نے نسائی،ابن مدینی، یحییٰ قطان اور ابوحاتم کے حوالہ سے ثقاہت پر جزم فرمایا، یحییٰ القطان نے ثقہ فرمایا تو کبھی ’’رجل صالح لیس باحفظ الناس‘‘ فرمایا اور کبھی محمد بن عمرو کے تعلق سے سائل کے تشدد مراد لینے پر جواب میں ’’لیس ممن ترید‘‘ کے ذریعہ نرمی کا پہلو اختیار کیا،اور یحییٰ بن معین نے کہیں ’’کانوا یتقون‘‘ کے ذریعہ محدثین کا اس کی حدیث سے احتیاط برتنے کو بیان کیا تو کہیں ثقہ فرمایا اور کہیں سہیل،علاء بن عبدالرحمٰن اور ابن عقیل کی حدیث پر عدم حجت کا حکم لگا کر محمد ابن عمرو کو ان پر فوقیت دے کر گویا ابن عمرو کی حدیث کے لائق حجت ہونے کی جانب اشارہ کیا۔امام بخاری ومسلم وامام مالک اور ثقات کی جماعت نے ابن عمرو سے روایت کیا ہے۔

علاوہ ازیں امام جوزجانی،سعدی، یحییٰ بن سعید قطان اور ابن سعد نے ’’لیس بقوی ولیس بقوی الحدیث ویضعفه بعض الضعف،ویستضعف‘‘ کا حکم لگا کر قدرے ضعف سے متصف فرمایا ہے۔خلاصہ یہ کہ اکثر ائمہ نقاد کے نظریات بالا کی روشنی میں محمد بن عمرو حسن الحدیث وصالح الحدیث راوی ہے اور اس کی حدیث لائق حجت ہے۔

برخلاف عبدالرحمٰن بن حرملہ کے کہ اکثر ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے اور اس کی حدیث پر عدم حجت کا حکم لگایا ہے۔المغنی فی الضعفاء میں ہے:

’’عبدالرحمن بن حرملة الاسلمی عن ابن المسیب قال ابن معین صالح قال یحییٰ القطان ضعیف وقال ابوحاتم لایحتج به ولینه البخاری‘‘[۵۳۴/۱]

ابن جوزی کی کتاب الضعفاء والمتروکین میں ہے:

’’ضعفه یحییٰ بن سعیدوالبخاری‘‘[۹۲/۲]

عبدالرحمن،وابن عقیل لیس حدیثھم بحجةقال ومحمدبن عمروفوقھم.[۳/۶۷۳،۶۷۴]

علامہ جلال الدین سیوطی نے اسعاف المبطأ برجال المؤطا میں فرمایا:

وثقہ النسائی وابن المدینی وابنہ یحییٰ القطان و ابوحاتم.[۲/۳۵۳]

الجرح والتعدیل للرازی میں ہے:

”ابن المدینی قال سمعت یحییٰ بن سعید یقول محمدبن عمرواحب الی من ابن حرملة......عبدالرحمٰن قال سالت ابی محمدبن عمروبن علقمه فقال صالح الحدیث یکتب حدیثه“[۸/۳۱]

کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی میں ہے:

قال یحییٰ مازال الناس یتقون حدیثه وقال مرة ثقة وقال السعدی لیس بقوی.[۳/۸۸]

ابن حبان کی ثقات میں ہے:

کان یخطیء.۷/۳۷۷

علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں فرمایا:

قال احمدبن ابی مریم عن ابن معین ثقة.....وقال الحاکم قال ابن المبارک لم یکن به باس وقال ابن سعدکثیرالحدیث یستضعف.[۳/۲۶۳]

اورتقریب میں فرمایا:

صدوق له اوھام.[۴۹۹]

ابن حبان نے اپنی ثقات میں فرمایا:

کان یخطی[۷/۶۸]

تہذیب التہذیب میں ہے:

قال یحییٰ بن سعیدعنه کنت سیء الحفظ فرخص لی سعیدفی الکتابة قال یحییٰ بن سعیدمحمدبن عمرواحب الی من ابن حرملةوکان ابن حرملةیلقن وقال ابن خلادالباھلی سألت القطان عنه فضعفه ولم یدفعه وقال ابن اسحاق عن ابن معین صالح وقال ابوحاتم یکتب حدیثه ولایحتج به وقال النسائی لیس به باس وذکره ابن حبان فی الثقات وقال یخطیء....وقال محمدبن عمرکان ثقة کثیرالحدیث ...وقال الساجی صدوق یھم فی الحدیث.[۲/۵۰۱]

الجرح والتعدیل میں ہے:

یکتب حدیثه ولایحتج به.[۵/۲۲۳]

تاریخ ابن معین بروایۃ دوری میں ہے:

حدثنایحییٰ قال حدثنایحییٰ بن سعید عن عبد الرحمن بن حرملة قال کنت سیء الحفظ اوکنت لااحفظ قال فرخص لی سعیدبن المسیب فی الکتاب.[۱/۱۵۳]

شرح علل الترمذی لابن رجب میں ہے:

وذکرابن ابی خیثمة عن ابن معین عن یحییٰ عن ابن حرملةقال کنت سیء الحفظ فسالت سعیدبن المسیب

فرخص لی فی الکتاب.[۱۱۷]

المقتنیٰ فی سرد الکنیٰ للذھبی میں ہے:

ابو حرملة ...شیخ مالک لیس بالمتین عندھم.[۱/۱۷۱]

ابن حجر نے "صدوق ربما اخطا" فرمایا۔[تقریب التہذیب صفحہ ۳۳۹]

قطع نظر تضعیف سے بعض ائمہ نے توثیق بھی کی ہے

تہذیب التہذیب میں ہے:

نقل ابن خلفون عن ابن نمیر انه وثقه[۲/۵۰۱]

امام غیتابی نے مغانی الاخیار میں فرمایا:

قال محمد بن عمر، وکان ثقة کثیر الحدیث.[۳/۲۱۰]

امام ذہبی کی کتاب من تکلم فیہ میں ہے:

وثق، وضعفه القطان، وقال ابو حاتم لایحتج به.[۳۲۸]

کاشف میں امام ذہبی نے فرمایا:

قال ابن معین صالح.[۱/۶۲۵]

عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ اکثر ائمہ نے ابن حرملہ کی تضعیف کی ہے اور اس کی حدیث کے لائق حجت ہونے سے انکار کیا ہے یعنی اس کی حدیث لکھی جائے گی لیکن اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا اور یہ بات خود ابن حرملہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ وہ سوء حفظ کا شکار تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ سوء حفظ کے راوی کی حدیث کا اگر متابع نہ ملے تو اس حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ برخلاف محمد بن عمرو کے کہ اس کی حدیث لائق حجت ہے جیسا کہ میزان الاعتدال میں ہے:

یحییٰ بن معین یقول سھیل، والعلاء بن عبدالرحمٰن، وابن عقیل لیس حدیثھم بحجة قال ومحمد بن

(۳) یحیی قطان اور یحییٰ قطان کے قول کو مقام نقد میں رکھنے والے ائمہ نے محمد بن عمرو کو ابن حرملہ سے زیادہ مقبول مانا ہے اور اسے ابن حرملہ پر فوقیت دی ہے۔

(۴) نیز ابن حرملہ کی حدیث میں ایک راوی سعید بن المسیب ہیں جن کے بغیر کسی واسطہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کی وجہ سے ان کی حدیث مرسل ہے، کیونکہ وہ تابعی ہیں، اور بغیر واسطہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تابعی کی روایت مرسل ہوتی ہے جسے جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف کا درجہ ملا ہے۔ اس کے برخلاف محمد بن عمرو کی روایت کردہ حدیث متصل ہے جسے کم از کم حسن کا درجہ حاصل ہے، لہذا جمہور محدثین کی اس رائے کے مطابق بھی اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی ذکر کردہ حدیث کو علامہ عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث پر فوقیت حاصل ہوگی، اور اسے ہی راجح قرار دیا جائے گا۔

سطور بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ فاتحہ میں سور متفرقہ و آیات مختلفہ کی تلاوت کے جائز ہونے پر اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث پاک ہی قابل قبول لائق ترجیح ہے اور علامہ عبدالحی کی بیان کردہ حدیث پاک مرجوح اور غیر مقبول ہے۔

ھٰذا ماعندی واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۹/رجب ۱۴۳۲ھ

عمرو فوقهم. [۳/۷۳،۷۴]

برسبیل تنزل ابن حرملہ کوضعیف نہ بھی مانا جائے تب بھی محمد بن عمرو کو ابن حرملہ پر فوقیت حاصل ہے جیسا کہ شرح علل الترمذی لابن رجب میں ہے:

قال یحییٰ ومحمدبن عمرو اعلیٰ من سهیل بن ابی صالح وهوعندی فوق عبدالرحمٰن بن حرملة[۱/۴۴۷]

ضعفاء العقیلی میں ہے:

یحییٰ بن سعید یقول محمدبن عمرو احب الی من بن حرملة. [۲/۳۲۸]

الجرح والتعدیل للرازی میں ہے:

ابن المدینی قال سمعت یحییٰ بن سعید یقول محمدبن عمرو احب الی من ابن حرملة[۸/۳۱]

اور جب ابن حرملہ پر ابن عمرو کو فوقیت حاصل ہے تو ابن عمرو کی حدیث کو بھی ابن حرملہ کی حدیث پر فوقیت حاصل ہوگی محمد بن عمرو کی حدیث کو امام ذہبی نے درجۂ حسن میں رکھا ہے لہٰذا ابن عمرو کے مقابلہ میں ابن حرملہ کی حدیث کو حسن سے کم درجہ پر محمول کیا جائے گا اور ابن عمرو کی حدیث کو حسن مقبول تسلیم کیا جائے گا۔

تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی مستدل حدیث علامہ عبدالحی کے مستدل حدیث سے چند وجوہات کی بنیاد پر قوی تر اور اس کے مقابلہ میں قابل قبول ولائق حجت ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت کی مستدل حدیث پاک کا راوی محمد بن عمرو علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن حرملہ سے زیادہ قوی اور ثقاہت میں زیادہ ہے۔

(۲) محمد بن عمرو لائق حجت راوی ہے برخلاف عبدالرحمٰن کے کہ اس کی حدیث کو صرف لکھنے کا حکم ہے اس سے احتجاج نہیں کر سکتے۔

دو احادیث کی تحقیق

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں؛

(۱) کیا 'من زارقبری وجبت له شفاعتی'' حدیث ہے اگر ہے تو کن کتابوں میں ہے چند کتابوں کے نام بیان فرمائیں اور اس حدیث کا معیار کیا ہے؟

(۲) ''انامدینة العلم وعلی بابها'' کا بھی حکم بیان فرمائیں کہ کیا یہ بھی حدیث ہے کن کتابوں میں ہے اور اس کا معیار کیا ہے؟ بینوا توجروا

محمد رضا مرآدباد

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

دونوں حدیثوں کی تحقیق بالترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) ہاں یہ حدیث شریف ہے اور حسب ذیل کتابوں میں موجود ہے:

سنن دارقطنی (۳/۳۳۴)، شعب الایمان للبیهقی فصل الحج والعمرة (۶/۵۲)، جامع صغیر للسیوطی باب حرف المیم (۲/۳۲۹)، کنزالعمال باب زیارة قبرالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل لعلامة عبدالحی لکهنوی (۱/۱۱۲) ذخیرة الحفاظ لمقدسی (جلد۴) الفتح الکبیر للسیوطی الکبیر للسیوطی (۳/۱۸۵) الدرالمنثوره للسیوطی (۱/۴۳۲) فیض القدیر شرح جامع صغیر لمناوی (۶/۱۸۱) تیسیر شرح جامع صغیر لمناوی (۲/۸۱۳)

اور اس کے علاوہ بھی کتابوں میں مل سکتی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے مزید تفصیل کے لیے الرفع والتکمیل لعلامہ عبدالحی ملاحظہ ہو۔

(۲) ''انا مدينة العلم وعلی بابها'' (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) حدیث ہے۔اور درج ذیل کتب میں موجود ہے۔

المعجم الکبیر للطبرانی (۹/ ۲۶۸) المستدرک للحاکم (۳/ ۱۲۶) الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (۱/ ۳۳۹) الحاوی للفتاوی (۲/ ۵۱)

یہ حدیث پاک حسن کے درجہ میں ہے۔امام جلال الدین سیوطی اپنی تصنیف لطیف ''اللآلی المصنوعه'' میں امام ابن حجر کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

وسئل شيخ الاسلام ابو الفضل بن حجر عن هٰذا الحديث فی فتيا فقال هٰذا الحديث اخرجه الحاكم فی المستدرک وقال انه صحيح وخالفه ابو الفرج بن الجوزی فذكره فی الموضوعات وقال انه كذب والصواب خلاف قولهما معاً وان الحديث من قسم الحسن لا يرتقی الی الصحة ولا ينحطه الی الكذب وبيان ذلک يستدعی طولاً ولكن هٰذا هو المعتمد فی ذالک انتهیٰ.

شیخ الاسلام ابوالفضل ابن حجر سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا فتیا میں تو آپ نے فرمایا حاکم نے متدرک میں اس حدیث کی تخریج کی اور صحیح فرمایا حالانکہ ابوالفرج ابن جوزی نے ان کی مخالفت کی اور موضوعات میں اس کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ جھوٹی ہے اور ٹھیک ان دونوں کے اقوال کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ حدیث حسن کی قسم سے ہے نہ اس کو صحیح تک ترقی دی جائے گی اور نہ ہی اسے کذب تک گھٹایا جائے گا اس کا بیان طوالت چاہتا ہے لیکن یہی معتمد ہے اس سلسلے میں) [۱/ ۳۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت]

حكايات و اسانيد فيه. (الدرر الکامنه، جلد۳ص: ۱۴۲)

☆ ابن الوردی کا قول: ان فی البهجة امورا لا تصيح ومبالغات فی شاذ الشيخ عبدالقادر لا تليق الا بالربوبية.

(کشف الظنون، ج ۱، ص ۲۵۷)

☆ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس (ابن الوردی) نے اس کے مصنف (ابوالحسن شطنوفی) کو وضع حدیث (حدیث خود گھڑنے) کا مرتکب قرار دیا ہے۔ (لسان المیزان، ج ۴، ص ۳۳۸)

☆ نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی:

اقول و هذا الكتاب هو (بهجة الاسرار) و فيه نسب الحكايات الشركية التی لا تلائم حال الابرار (الی حضرت الشيخ عليه الرحمة) و هو مملو بالاكاذيب والاباطيل''(التاج المكلل: ۱۶۴، رقم الترجمة: ۱۵۹)

☆ شیخ عبدالرحمٰن واسطی: ''شطنوفی کذاب متہم ہے اس کی کتاب بہجۃ الاسرار سے خود شیخ عبدالقادر جیلانی کی شخصیت کے خدوخال انجانے لگتے ہیں۔''

(مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں از ڈاکٹر غلام قادر لون: ۵۰۷)

☆ کچھ کتب تصوف کا تعارف کرواکر ڈاکٹر لون صاحب لکھتے ہیں:

''لیکن ان میں سب سے بدتر حال بہجۃ الاسرار کا ہے اس کے مصنف علی بن یوسف شطنوفی ہیں جنہیں وضع حدیث کا مرتکب کہا گیا ہے۔'' (ایضا: ۵۰۶)

☆ علامہ زین الدین ابن رجب لکھتے ہیں:

''ابوالحسن شطنوفی نے شیخ عبدالقادر کے اخبار ومناقب میں تین اجزاء جمع کیے ہیں جن میں غلط اور صحیح روایات لکھی ہیں اور انسان کے جھوٹا ہونے

الحاصل: استفتاء میں مندرج عبارات احادیث ہیں اور متعدد کتب میں ہیں اور دونوں درجۂ حسن میں داخل ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبـــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

بہجۃ الاسرار کی صحت وتوثیق پر تفصیلی فتوی

جناب مکرم مفتی صاحب وہابیہ غیر مقلدین کے مدرسہ جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، لاہور کے سہ ماہی رسالہ ''**نداء الجامعہ**'' بابت مارچ ۲۰۱۲ء میں عبدالرحمٰن ضیاء نامی شخص کا ایک مضمون بہجۃ الاسرار کے حوالہ سے شائع ہوا، مضمون کے مندرجات کا خلاصہ مع حوالہ پیش خدمت ہے:

''محققین علماء نے اس کتاب کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ اس پر اور اس کے مولف شطنوفی پر سخت تنقید کی ہے کیونکہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا شخص خود بھی جان سکتا ہے کہ اس میں کافی جھوٹی باتیں ہیں۔''

(سہ ماہی نداء الجامعہ، مارچ ۲۰۱۲: ۴۰)

☆ علامہ ذہبی نے کہا: **لقد اتی بمصائب فی کتاب بھجۃ الاسرار یشھد القلب ببطلانہ**'' (لسان المیزان جلد ۴ ص: ۲۳۸)

☆ شیخ کمال الدین جعفر: حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کا مصنف بہجۃ الاسرار کے متعلق قول نقل کیا ہے:

ذکر فیہ غرائب و عجائب و طعن الناس فی کثیر من

کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرے۔''

☆ مزید لکھتے ہیں:

''میں نے اس کتاب کے بعض حصوں کو دیکھا میرا دل مجہول لوگوں سے لی گئی ان روایات پر اعتماد کرنے کی اجازت نہیں دیتا اس کتاب میں شطحیات طامات دعاوی اور ایسا باطل کلام ہے جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف اسے منسوب کرنا مناسب ہے۔'' (ذیل طبقات الحنابلہ طبع دار المعرفہ بیروت جلد ۳، ص ۲۹۳)

☆ مزید کہا: ''شطنوفی نے اپنی اس کتاب بہجۃ الاسرار میں جو باتیں بیان کی ہیں ان کے بیان کرنے میں شطنوفی متہم ہے۔'' (**ذیل الطبقات الحنابلہ لابن رجب**، ج ۳، ص: ۲۹۳)

برائے کرم مندرجہ بالا حوالہ جات اور مضمون نگار کی تنقید بر بہجۃ الاسرار و مولف بہجۃ الاسرار کی حقیقت واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد ساجد رضا قادری لاہور

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

مضمون نگار عبدالرحمٰن ضیا نے کتاب ''**بہجۃ الاسرار**'' کے بطلان اور اس کے مصنف امام شطنوفی کے کذاب ہونے پر جن حوالہ جات کا سہارا لیا ہے احقر نے جب ان حوالہ جات کی طرف مراجعت کی تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ مضمون نگار نے جس بہجۃ الاسرار کے خلاف مذکورہ بالا عبارات کو پیش کیا ہے **وہ امام شطنوفی کی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' نہیں بلکہ علی بن عبداللہ بن جہضم کی کتاب بہجۃ الاسرار ہے۔**

مضمون نگار نے خیانت کا جس طرح مظاہرہ کیا ہے وہ یقیناً ان کے مکتبہ فکر سے وابستہ علما سے انہیں ورثہ میں ملا ہے اور وہ اپنے مکتبہ فکر کی جانب سے ضرور انعام کے مستحق ہیں۔ ہم یہاں عبدالرحمٰن ضیا کی پیش کردہ عبارات کا جائزہ لیتے ہیں۔

مضمون نگار نے لسان المیزان کے حوالے سے علامہ ذہبی کا یہ قول بطور استدلال پیش کیا ہے:

لقد اتی بمصائب فی کتاب بھجة الاسرار یشھد القلب ببطلانھا.

ہم نے جب لسان المیزان کا مطالعہ کیا تو یہ عبارت ہمیں ملی تو ضرور، مگر جب سیاق وسباق پڑھا تو مضمون نگار کی علمی صلاحیت ولیاقت سامنے آ گئی۔

ملاحظہ ہو:

علی بن عبداللّٰہ بن جھضم الزاھدابوالحسن شیخ الصوفیة بحرم مکة ومصنف کتاب بھجة الاسرارمتھم بوضع الحدیث قال ابن خیرون تکلم فیه قال وقیل انه کان یکذب وقال غیره اتھموه بوضع صلاة الرغائب توفی سنة ۴۱۴،....وقال المصنف فی تاریخ الاسلام ''لقداتی بمصائب فی کتابه بھجة الاسرار' یشھدالقلب ببطلانھا وروی عن ابی بکرالنجادعن ابن ابی العوام عن ابی بکرالمروذی محنة احمدفاتی بھابعجائب وقصص لایشک من له ادنی ممارسة ببطلانھاوھی شبیة بماوضعه البلوی فی محنة الشافعی.(لسان المیزان لابن حجر، ۵/۵۵۴، ۵۵۵)

ترجمہ: ''علی بن عبداللہ بن جہضم حرم مکہ کے صوفیا کا شیخ اور کتاب بہجۃ الاسرار کا مصنف وضع حدیث سے متہم ہے ابن خیرون نے کہا کہ وہ متکلم فیہ ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا تھا اوران کے علاوہ لوگوں نے اسے

ہے اپنی کتاب میں مصائب لایا ہے ابن خیرون نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ جھوٹ بولتا تھا۔

لسان المیزان لابن حجر تاریخ الاسلام وسیر اعلام النبلا لذھبی کی مذکورہ بالاعبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ علامہ ذہبی نے جس کتاب کے بطلان کا حکم فرمایا ہے وہ علی بن عبداللہ بن جہضم کی ''بہجۃ الاسرار'' ہے نہ کہ امام شطنوفی کی بہجۃ الاسرار۔

مضمون نگار نے مزید حافظ ابن حجر کے حوالے سے بہجۃ الاسرار سے متعلق شیخ کمال الدین جعفر کا درج ذیل قول نقل کیا ہے لکھا ہے:

''حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کا مصنف بہجۃ الاسرار کے متعلق قول نقل کیا ہے: **ذکر فیه غرائب و عجائب و طعن الناس فی کثیر من حکایات و اسانید فیه.**''

اس کے جواب میں ''**الاعلام للزرکلی**'' ملاحظہ ہو جس میں امام شطنوفی کا ذکر کرتے ہوئے ابن حجر کی اس عبارت کو نقل کیا گیا اور حاشیہ میں اس کی تردید بھی کی گئی ہے۔ اعلام کے متن میں ہے

علی بن یوسف بن حریزبن معضاداللخمی ابو الحسن الشطنوفی عالم بالقراء ات کا ن شیخ الدیارالمصریة فی عصره من فقھاء الشافعیة...... قال ابن حجرذکرفیه غرائب و عجائب وطعن الناس فی کثیرمن حکایاته و اسانیده فیه''

ترجمہ: شطنوفی قراءات کے عالم اپنے دور میں دیار مصر کے شیخ شافعی فقیہ تھے.... ابن حجر نے فرمایا کہ شطنوفی نے کتاب بہجۃ الاسرار میں غرائب وعجائب بیان کیے ہیں اور لوگوں نے ان کی بیان کردہ حکایتوں اور سندوں پر طعن کیا ہے۔

صلاۃ رغائب کے وضع کے سبب متہم قرار دیا ہے ۴۱۴ھ میں وفات ہوئی.... اور مصنف (امام ذہبی) نے تاریخ الاسلام میں فرمایا کہ ''وہ کتاب بہجۃ الاسرار میں ایسے مصائب لایا کہ دل جن کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

اورخود امام ذہبی کی کتاب تاریخ الاسلام میں جب اس عبارت کو تلاش کیا تو سیاق و سباق کے ساتھ عبارت کچھ اس طرح تھی:

علی بن عبداللّٰہ بن الحسن بن جھضم بن سعید ابو الحسن البورانی الصوفی نزیل مکۃ ومصنف کتاب بھجۃ الاسرارفی اخبار القوم....... ولقداتی بمصائب یشھد القلب ببطلانھا فی کتاب بھجۃ الاسرار.

(تاریخ الاسلام ووفیات المشاھیروالاعلام للذھبی مطبع دارالکتاب العربی بیروت لبنان،۲۸،ص ۲۵۰، ۲۵۱)

ترجمہ: علی بن عبداللہ بن جہضم کتاب بہجۃ الاسرار میں ایسے مصائب لایا کہ دل جن کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

نیز سیر اعلام النبلا میں بھی علامہ ذہبی علی بن عبداللہ اور اس کی کتاب بہجۃ الاسرار سے متعلق اسی طرح کا حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

علی بن عبداللّٰہ بن الحسن بن جھضم الھمدانی المجاورمصنف کتاب بھجۃ الاسرار....لیس بثقۃ بل متھم یاتی بمصائب قال ابن خیرون قیل انہ یکذب.

(سیراعلام النبلاء لذھبی، ۲۶۵/۳۳)

ترجمہ: علی بن عبداللہ بن جہضم بہجۃ الاسرار کا مصنف ثقہ نہیں ہے بلکہ متہم

حاشیہ میں ہے:

قلت ھذاخلط بین ترجمۃ الشطنوفی الذی عاش ومات بمصر، وترجمۃ ابن جھضم علی بن عبداللّٰہ الھمدانی المجاور بالحرم المکی المتوفی قبلہ بثلاثۃ قرون. (الاعلام للزرکلی، ۳۴/۵)

ترجمہ: یہ خلط ہے شطنوفی جنہوں نے مصر میں زندگی گزاری اور وہیں انتقال فرمایا اور ابن جہضم علی بن عبداللہ ہمدانی حرم مکہ کے مجاور کے درمیان جو شطنوفی سے تین قرن قبل وصال پا چکے تھے۔''یعنی امام ابن حجر نے امام شطنوفی کے ترجمہ میں علی بن جہضم کی کتاب بہجۃ الاسرار کا ذکر کر دیا ہے اور یہ ان کا سہو ہے۔

مزید یہ کہ شیخ کمال الدین کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس میں دو باتیں ہیں ایک بہجۃ الاسرار میں غرائب وعجائب کا ہونا تو یہ تو ہمیں بھی مسلم ہے اس لئے کہ کرامات غرائب وعجائب کے زمرے ہی میں آتی ہیں اور دوسری بات یہ کہ لوگوں نے بہجۃ الاسرار کی بہت سی حکایتوں اور سندوں میں طعن کیا ہے تو شیخ کی یہ بات مبہم ہونے کے سبب لائق اعتبار نہیں ہے کیوں کہ شیخ نے نہ تو ان واقعات کا ذکر فرمایا نہ طعن کرنے والوں کا اور نہ ہی طعن کا وہ کس انداز کا طعن ہے تو بھلا اس کتاب کے معتبر ہونے پر اکثر اسلاف کی صراحت کے خلاف شیخ کا قول مبہم کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

نیز یہ بھی خیال رہے کہ حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کے درج بالا قول سے قبل یہ عبارت ''**کان الناس یکرمونہ ویعظمونہ وینسبونہ الی الصلاح**'' اور اس قول کے بعد ''**کان عالما تقیا مشکور السیرۃ**'' بھی تحریر فرمایا ہے۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک امام شطنوفی کذاب یا وضاع نہیں ہیں اور جب ایسا ہے تو پھر شیخ کمال الدین کا قول لائق اعتنا نہیں رہتا کیوں کہ ان کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہجۃ الاسرار کتاب

میں مندرج واقعات پر لوگوں نے طعن کیا ہے تو اگر انہوں نے واقعات کے جھوٹا یا من گڑھت ہونے کا طعن کیا ہے تو پھر مصنف کا کذاب یا وضاع ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ امام ابن حجر کی مذکورہ بالا دونوں عبارتیں اس کے برخلاف گواہی دے رہی ہیں۔

علاوہ ازیں شاید مضمون نگار نے امام ابن حجر کی کتاب مستطاب غبطة الناظر في ترجمة الشيخ عبدالقادر نہیں دیکھی ورنہ وہ امام سے متعلق غلط فہمی کا شکار نہیں ہوتے کیوں کہ امام نے اپنی اس کتاب میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے جو واقعات درج فرمائے ہیں وہ اسی بہجۃ الاسرار سے ماخوذ ہیں جا بجا امام نے بہجۃ الاسرار کا حوالہ دیا ہے اور بیشتر مقامات پر قال الشيخ نورالدين الشطنوفي تحریر فرمایا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابن حجر کے نزدیک امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار دونوں ہی درجۂ اعتبار میں تھے ورنہ وہ امام شطنوفی اور ان کی بہجۃ الاسرار سے استفادہ کیوں کرتے؟

مضمون نگار نے آگے کشف الظنون کے حوالے سے بہجۃ الاسرار کے خلاف ابن الوردی کا قول نقل کیا ہے لیکن اس کے آگے کی عبارت جو ابن الوردی کے جواب میں لکھی گئی ہے اور جس سے مضمون نگار کے مدعا پر بجلیاں گرتی نظر آرہی ہیں مضمون نگار نے اس کو بالکل حذف کر دیا ہے۔ کشف الظنون میں مندرج ابن الوردی کا قول اور اس کی تردید میں صاحب کشف الظنون کا جواب ملاحظہ ہو:

ذکر ابن الوردی فی تاریخه ان فی البهجة امورا لاتصح و مبالغات فی شان الشيخ عبدالقادر لاتليق الا بالربوبية ومثل هذه المقالة قيل عن الشهاب ابن حجر العسقلاني واقول ما المبالغات التي عزيت اليه ممالايجوز على مثل وقدتتبعت فلم اجد فيهانقلاً الاوله فيه متابعون وغالب ماورده فيهانقله اليافعي في اسنى المفاخر وفي نشر المحاسن وروض الرياحين وشمس الدين بن الزكي الحلبي ايضافي كتاب الاشراف

نگار نے شروع میں لسان المیزان کا مغالطہ دیکر قارئین کو بہکانے کی کوشش کی تھی وہی ناپاک کوشش یہاں بھی کارفرما ہے احقر کے مطالعہ کے مطابق لسان المیزان میں صرف علی بن عبداللہ بن جھضم کے کذاب اور وضاع ہونے اور اس کی کتاب کے باطل ہونے کا ذکر ہے امام شطنوفی کے کذاب یا غیر ثقہ ہونے یا ان کی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' کے غیر معتبر ہونے کا ذکر پوری کتاب میں نہیں ہے اور ان شاء اللہ مضمون نگار کبھی دکھا بھی نہیں پائے گا۔

مضمون نگار نے آگے نواب صدیق حسن بھوپالی کے حوالے سے بہجۃ الاسرار کو اکاذیب واباطیل سے بھرا ہوا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مضمون نگار کو یہ اچھی طرح سے معلوم ہوگا کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک نہ اس کا کوئی وقار ہے اور نہ ہی اس کی کتابوں کا یہ وہی نواب بھوپالی ہے جس نے اسی کتاب التاج المکلل صفحہ ۲۰۷ پر لکھا ہے:

فعل الصحابي لايصلح للحجة.

صحابی کا فعل لائق حجت نہیں۔

یہ وہی نواب ہے جس نے بدورالاہلۃ صفحہ ۱۷۵ پر دبر میں وطی کرنا جائز لکھا ہے، صفحہ ۱۸ پر گدھی کتیا اور سورنی کے دودھ کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۱۶ پر سور کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۱۵ پر شراب کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۳۹ پر عورت کا تنہا یا باپ بیٹے بھائی چچا ماموں کے ساتھ ننگے نماز پڑھنا جائز لکھا ہے۔ السراج الوہاج جلد ۱ص ۱۴۲ پر منی کو پاک لکھا ہے، ظفر الامانی ۱۴۱ پر چار سے زائد بیویاں رکھنا جائز لکھا ہے، دلیل الطالب صفحہ ۴۱۳ پر کافر کے ذبیحہ کو حلال اور کھانا جائز لکھا ہے۔ الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح صفحہ ۱۸۷ پر تراویح کے سلسلے میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ بدعتی گمراہ لکھا ہے اور بھی بہت ساری خرافات و مغلظات و کفریات نواب مذکور کی کتابوں میں موجود ہیں یہ مقام تفصیل کا متحمل نہیں ہے۔ مضمون نگار اب خود ہی بتائے کہ جب نواب بھوپالی کے نزدیک صحابی کا فعل حجت نہیں ہوسکتا تو بھلا ہمارے لئے نواب بھوپالی کا قول کیسے حجت ہوسکتا ہے نیز نواب مذکور کی التاج المکلل اور

واعظم شی نقل عنہ انہ احیی الموتی کاحیائہ الدجاجۃ ولعمری ان ھذہ القصۃ نقلھاتاج الدین السبکی و نقل ایضاعن ابن الرفاعی وغیرہ وانی لغبی جاھل حاسدضیع عمرہ فی فھم مافی السطور. (کشف الظنون، ۱/۲۵۶)

ترجمہ: ابن وردی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا کہ بہجۃ الاسرار میں ایسے اُمور ہیں جو صحیح نہیں ہیں اور ایسے شیخ عبدالقادر کی شان میں ایسے مبالغے ہیں جو ربوبیت کے لائق ہیں اور اسی مقالہ کے مثل ابن حجر عسقلانی سے بھی روایت کیا گیا ہے میں کہوں گا کہ وہ کون سے ناجائز مبالغے ہیں جوان کے شیخ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں میں نے تلاش کے باوجود اس میں کوئی ایسی نقل نہیں پائی جس کے متابع نہ ہوں اور اس میں اکثر وہ روایتیں ہیں جن کو امام یافعی نے اسنی المفاخر اور نشرالمحاسن اور روض الریاحین میں اور شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں نقل کیا ہے بڑی چیز جو شیخ سے نقل کی گئی ہے وہ ہے ان کا مردے مثلاً مرغی زندہ کرنا مجھے میری زندگی کی قسم اس قصہ کو علامہ تاج الدین سبکی نے نقل کیا ہے نیز یہ قصہ ابن رفاعی وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ بلاشبہ بیوقوف جاہل حاسد جس نے اپنی عمر کتاب میں لکھے ہوئے کو سمجھنے میں ضائع کی۔

آگے مضمون نگار نے صاحب بہجۃ الاسرار کے وضاع حدیث ہونے پر درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے:

''حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس (ابن الوردی) نے اس کے مصنف (ابوالحسن شطنوفی) کو وضع حدیث (حدیث گھڑنے) کا مرتکب قرار دیا ہے۔''

حوالے میں مضمون نگار نے امام ابن حجر کی کتاب لسان المیزان کا حوالہ پیش کیا ہے احقر نے جب لسان المیزان کا مطالعہ کیا تو کہیں بھی احقر کو یہ عبارت نظر نہیں آئی۔ جس طرح مضمون

جملہ مصنفات مجموعۂ مغلطات ہیں ان سے کسی طرح کا استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

آگے چل کر مضمون نگار نے عبدالرحمٰن واسطی کے حوالے سے امام شطنوفی کے کذاب ہونے کی سعی لاحاصل کی ہے مگر مضمون نگار نے نہ ہی عبدالرحمٰن واسطی کا صحیح تعارف پیش کیا اور نہ اصل عبارت نقل کی اور نہ ہی کتاب کا حوالہ دیا بلکہ ڈاکٹر لون کی کتاب کے حوالے سے انہوں نے یہ بہتان نقل کر دیا مضمون نگار اگر اصل حوالہ پیش کرتے تو ضرور اس کا بھی جواب دیا جاتا۔

مضمون نگار نے امام شطنوفی کے کذاب اور بہجۃ الاسرار کے غیر معتبر ہونے پر علامہ ابن رجب حنبلی کا حوالہ پیش کیا ہے ہم نے جب اصل سے مراجعت کی تو ابن رجب حنبلی کا موقف یہی پایا جو مضمون نگار نے لکھا ہے البتہ ہمیں اس پر کوئی حیرت نہیں ہوئی اس لئے کہ ابن رجب حنبلی نے بہجۃ اور صاحب بہجۃ پر جو جرح فرمائی ہے اس میں ابن تیمیہ ابن قیم اور ابن کثیر کی تعلیمات کا اثر کارفرما ہے کیوں کہ ان علمائے ثلاثہ کے عقائد اہلِ سنت کے عقائد سے میل نہیں کھاتے بہجۃ الاسرار بلکہ تصوف کی جملہ کتب میں جو عقائد درج ہیں وہ ان کے عقائد کے بالکل متصادم ہیں امام حنبلی ان سے نسبت تلمذ حاصل کرنے کے سبب اور ان کے زیر اثر رہنے کی بنیاد پر یہ بات کہہ گئے ہیں حالانکہ ان کی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے والے پر یہ بات بخوبی منکشف ہوجائے گی کہ وہ اپنے اساتذہ کے روش پر چلتے ہوئے یہ بات کہہ تو گئے ہیں مگر اس پر وہ خود قائم نہ رہ سکے ہیں اور بہجۃ الاسرار سے ہی کئی واقعات یہ کہہ کر **من احسن مافی ھذا الکتاب** وہ روایت جو اس کتاب میں بہتر ہے۔ اور مرثیہ کے ستائیس اشعار اپنی اس کتاب میں نقل فرمائے ہیں۔ اور رہا امام حنبلی کا یہ فرمانا کہ اکثر روایتیں مجاہیل سے لی گئی ہیں تو اس سے کتاب یا صاحب کتاب کا غیر معتبر ہونا ثابت نہیں ہوتا جمہور کے نزدیک مجہول راویوں کی روایت مقبول مانی جاتی ہے نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن رواۃ کو امام حنبلی نے مجہول سمجھا ہے وہ امام شطنوفی کے نزدیک مجہول نہ ہوں۔

علاوہ ازیں ساری تاویلات وتوضیحات سے قطع نظر ہم مضمون نگار کے اس حوالہ کو مان بھی لیں تب بھی بہجۃ الاسرار کا غیر معتبر اور امام شطنوفی کا کذاب ہونا تسلیم نہیں کیا جائے گا اس

لئے کہ اس معاملے میں امام حنبلی منفرد ہیں اور مضمون نگار کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ اگر کسی ایک محدث نے کسی کتاب یا صاحب کتاب پر جرح کردی تو بس اسی ایک جرح کی بنیاد پر کتاب یا صاحب کتاب کو غیر معتبر قرار نہیں دیا جاتا اگر ایسا ہوتا تو پھر صحاح ستہ بھی درجۂ اعتبار سے خارج ہوجاتیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نیز ایک طرف امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار کی تضعیف میں امام حنبلی کی جرح ہے تو دوسری طرف شطنوفی اور ان کی کتاب کی توثیق وتائید میں اکثر صوفیائے کرام اور محدثین عظام کی عبارتیں ہیں مضمون نگار کو امام حنبلی کی جرح تو نظر آ گئی مگر علامہ ابن حجر کی کتاب الدرر الکامنہ میں یہ عبارت:

کان الناس یکرمونہ ویعظمونہ وینسبونہ الی الصلاح....عالماتقیا مشکورالسیرۃ.

علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب حسن المحاضرۃ میں:

الامام الاوحد

نیز بغیۃ الوعاۃ میں یہ عبارت:

وکان کثیرمن الناس یعتقدہ و القضاۃ تکرمہ[بغیۃ الوعاۃ ۲۱۳]

شیخ عبدالحق کی زبدۃ الاسرار میں:

الشیخ الامام الاجل الفقیہ العالم المقری الا وحد البارع

صلاۃ الاسرار میں:

کتاب عزیز بھجۃالاسرار ومعدن الانوار معتبر و مقرر و مشھور و مذکور است و مصنف آں کتاب ازمشاھیرمشائخ و علماء است۔

نیز اسی کتاب میں شیخ عبدالوہاب متقی کے حوالہ سے یہ عبارت:

الحاصل: مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ امام شطنوفی اوران کی کتاب بہجۃ الاسرار علما کے نزدیک معتبر ومسلم الثبوت ہے اوراس پر مضمون نگار کے لگائے گئے الزامات باطل وبے بنیاد ہیں۔

ھٰذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ.

کتبــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۲۱/ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ

موبائل پر آیت سجدہ ودرود سننے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علما کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) کیا موبائل سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے؟

(۲) آیت درود "صلوا علیہ وسلموا تسلیما" اگر موبائل سے سنی تو کیا درود پڑھنا ضروری ہے؟ شریعت کی روشنی میں جوابات مرحمت فرمائیں۔

(حافظ) محمد مقبول رامپور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دونوں سوالوں کے جواب بالترتیب حاضر ہیں:

(۱) موبائل پر آیت سجدہ سننے کی دوصورتیں ہیں

ایک یہ کہ ریکارڈ کی ہوئی آواز ہو۔

بهجة الاسرار كتاب معتبر است۔

علامہ ذہبی کی طبقات المقرئین میں یہ عبارت:

الامام الاوحد...وقد حضرت مجلس اقرائه و استانست بسمته و سكوته

ابوالخیر محمد بن جزری کی نہایۃ الدرایات میں یہ عبارت:

استاذالمحقق البارع

امام عمر بن عبدالوہاب عرضی حلبی کی حاشیہ بہجۃ الاسرار میں یہ عبارت:

قدتتبعتها فلم اجد فيها نقلاً الاوله فيه متابعون وغالب مااورده فيها نقله اليافعى فى اسنى المفاخر وفى نشرالمحاسن وروض الرياحين وشمس الدين بن الزكى الحلبى ايضافى كتاب الاسراف.

کیوں نظر نہیں آئی؟

کیا مضمون نگار کے نزدیک یہ شخصیات مسلم نہیں؟

کیا امام شطنوفی کی جلالت علم کو یہ اقوال کافی نہیں ہیں؟

اور کیا ان مذکورہ بالا علما کی توثیق وتائید کے بعد بھی امام حنبلی کی جرح کو ترجیح دینا تنگ نظری نہیں ہے؟

مضمون نگار اگر تعصب کی عینک اتار کر کتب صوفیا ومحدثین میں تتبع کریں گے تو یقیناً امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار کی توثیق وتائید ہی پائیں گے۔

مزید برآں امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار سے متعلق خود مضمون نگار اور ڈاکٹر لون کا ذاتی نظریہ ان اکابر علما وصوفیا کے اقوال وآراء ونظریات کے سامنے کوئی وقعت وحیثیت نہیں رکھتا ہے۔اس لئے اس پر کوئی تبصرہ بے سود ہے۔

دوسری یہ کہ بات کرنے والا آیت سجدہ تلاوت کرے یا اس کے برابر میں کوئی شخص قرآن کی تلاوت کے دوران آیت سجدہ پڑھے اور اس کی آواز دوسری طرف موبائل سے بات کرنے والے کے کان میں پہنچے۔

احقر کے نزدیک دونوں صورتوں میں سجدۂ تلاوت واجب نہیں،اس لئے کہ ریکارڈ سے سننا اور موبائل سے سننا دونوں سماع معاد کے حکم میں ہیں اور سماع معاد پر سجدہ واجب نہیں۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''سجدہ سماع اول پر ہے نہ معاد پر اگرچہ خاص اس سامع کی نظر سے مکرر نہ ہو''[الکشف شافیا،فتاوی رضویہ ۲۲/۹]

(۲) اس کا حکم مثل سجدۂ تلاوت ہے علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس کو سجدہ تلاوت کے مثل مانا ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

وجوب الصلاة مرة فى كل مجلس كسجود التلاوة.

[فتاوى شامى ۲/۲۲۷]

لہٰذا سجدہ تلاوت میں حکم وجوب سماع اوّل پر ہے تو یہاں بھی اگر ریکارڈ شدہ آیت درود سنی یا موبائل کے ذریعہ سنی،دونوں صورتوں میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔

البتہ دونوں صورتوں میں درود پڑھ لینا مجرد عن الثواب نہیں ہے۔

کتبـــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

قیمتی موبائل کا استعمال اسراف نہیں ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ آج کل عموماً لوگ مہنگے موبائل استعمال کررہے ہیں کیا یہ فضول خرچی نہیں ہے؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

محمد مقصد خان لکمرا لہ بدایوں

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

قیمتی موبائل کے خریدنے میں اگر قصد معصیت نہ ہو تو اسکا خریدنا اور استعمال میں لانا جائز ہے، اور یہ اسراف نہیں ہے کیونکہ اسراف غیرحق میں صرف کرنے کا نام ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''اسراف کی تفسیر میں کلمات متعددوجہ پرآئے غیرحق میں صرف کرنا۔ یہ تفسیر سیدنا عبداللہ بن معسو د رضی اللہ عنہ نے فرمائی:

الفریابی وسعید بن منصور و ابوبکربن ابی شیبة والبخاری فی الادب المفردوابناء جریروالمنذر وابی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه والبیهقی فی شعب الایمان واللفظ لابن جریرکلهم عنه رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ ولاتبذرتبذیرا قال التبذیر فی غیرالحق وهوالاسراف.

اسراف دوصورتوں میں منحصر ہے معصیت اوراضاعت اگران دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے گی تو اسراف ہوگا۔

حضوراعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

(۱) مسجد میں موبائل یا بغیر موبائل دنیاوی بات کرنا جائز نہیں ہے۔ آیت کریمہ

وان المساجد للّٰہ فلاتدعوامع اللّٰہ احدا.

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو [ترجمہ کنزالایمان]

کی تفسیر میں ملاجیون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

هٰذہ الأیة وان کانت تحمل المعانی واختلف فیهاالآراء الاانهاعلی ظاهرها مما یستدل به علی انه لایجوزفی المسجدالتکلم بکلام الدنیا.....وقدقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم من تکلم بکلام الدنیافی خمسة مواضع احبط اللّٰہ تعالیٰ منه عبادة اربعین سنة الاول فی المسجدالخ

یہ آیت اگرچہ چندمعانی پرمحمول ہے اوراس میں آراء مختلف ہیں مگراس کا ظاہر یہی ہے کہ دنیاوی کلام مسجد میں جائز نہیں ہے .....اور فرمایا نبی کریم ﷺ نے پانچ مقامات پر دنیاوی بات کرنے والے کیا اللہ تعالیٰ چالیس سال کی عبادت باطل فرمادیتا ہے۔ جس میں سے پہلا مقام مسجد ہے۔ [تفسیرات احمدیہ، پارہ۲۹، ص۶۸۹]

غنیۃ المستملی میں ہے:

یجب ان تصان.....عن حدیث الدنیا.

مسجد میں دنیاوی بات سے بچنا واجب ہے۔ [فصل فی احکام المسجد ص۵۲۶]

''وہ قطب جن پر ممانعت کے افلاک دورہ کرتے ہیں دو ہیں ایک مقصد معصیت، دوسرا بیکار اضاعت اور حکم دونوں کا منع وکراہت''

آگے اس کی مثال میں فرماتے ہیں:

''معاصی میں صرف معصیت ہونا تو بدیہی ہے زید نے سونے چاندی کے کڑے اپنے ہاتھوں میں ڈالے یہ اسراف ہوا کہ فعل خود گناہ ہے اگرچہ تھوڑی دیر پہننے سے کڑے خرچ نہ ہو جائیں گے اور بلاوجہ محض اپنی جیب میں ڈالے پھرتا ہے تو اسراف نہیں کہ نہ فعل خود گناہ ہے نہ مال ضائع ہوا اور اگر دریا میں پھینک دئے تو اسراف ہوا کہ مال کی اضاعت ہوئی اور اضاعت کی ممانعت پر حدیث صحیح ناطق۔'' الخ [فتاوی رضویہ جلد ۱/ص ۱۸۰،۱۸۴]

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۹/ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

معتکف یا غیر معتکف کا مسجد میں موبائل سے دینی و دنیاوی بات کرنے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علما دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) کیا مسجد میں موبائل سے دنیوی بات کرنا صحیح ہے؟

(۲) معتکف کا مسجد میں موبائل سے دینی یا دنیاوی ضروری باتیں کرنا کیسا؟

محمد جاوید رضا خان کاشی پور

فتاویٰ عالمگیری باب فی آداب المسجد میں ہے:

الجلوس فی المسجد للحدیث لایباح بالاتفاق لان المسجد مابنی لامور الدنیا وفی خزانة الفقه ما یدل علی ان الکلام المباح من حدیث الدنیا فی المسجد حرام قال ولا یتکلم بکلام الدنیا.

مسجد میں بات کرنے کے لیے بیٹھنا بالاتفاق جائز نہیں اور خزانۃ الفقہ میں جو ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ دنیاوی جائز بات مسجد میں حرام ہے کہا اور دنیاوی بات نہ کرے۔ [جلد ۵/ ۳۲۱]

فتاویٰ رضویہ میں حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ کے حوالے سے ہے:

کلام الدنیا اذا کان مباحا صدقا فی المساجد بلاضرورة داعیة الی ذالک کاالمعتکف یتکلم فی حاجته اللازمة مکروه کراهة تحریم.

یعنی دنیا کی بات جبکہ فی نفسہ مباح اور سچی ہو مسجد میں بلاضرورت کرنا حرام ہے ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لیے بات کرے۔ [جلد ۶/ ۴۰۳]

(۲) دینی باتیں یا دنیاوی جائز ضروری باتیں مسجد میں کرسکتا ہے۔

درمختار کتاب الصوم باب الاعتکاف میں ہے:

وتکلم الابخیر وهو مالااثم فیه ومنه المباح عند الحاجة الیه لاعندعدمها

بہتر کلام کرے اور بہتر وہ ہے جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور اسی میں سے ضرورت کے وقت جائز بات کرنا ہے نا کہ بغیر ضرورت۔ [جلد ۳/ ۴۴۱،۴۴۲]

ردالمحتار میں اس عبارت کے تحت ہے:

کرہ تکلم الاتکلمابخیر.

سوائے خیر کے کوئی بات کرنا مکروہ ہے۔[جلد۳/۴۴۱]

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولایتکلم الابخیرھٰذایتناول المعتکف وغیرہ الا انہ فی المعتکف اشد

بہتر کلام کرے یہ حکم معتکف وغیر معتکف دونوں کے حق میں ہے مگر معتکف کے حق میں زیادہ مؤکد ہے۔[جلد۱/۲۱۴]

اور اگر بات دینی نہ ہو اور نا ہی ضروری ہو تو پھر معتکف کے لئے حکم کراہت ہے اگر چہ بات جائز ہی ہو۔

فتاوی شامی میں ہے:

فیکرہ للمعتکف التکلم بالمباح.

(معتکف کے لیے جائز بات کرنا بھی مکروہ ہے)[جلد۱/۲۱۴]

مراقی الفلاح میں معتکف کے لئے مسجد میں جائز بات کرنے کے تعلق سے فرمایا:

الکلام المباح مکروہ. [ص ۲۰۵]

کتبـــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

۱۵/شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

''نوازل امام فقیہ ابواللیث میں ہے:

''**نغمة المرأةعورة**''(عورت کی آواز عورت ہے)

کافی امام ابوالبرکات نسفی میں ہے:

''**لاتلبی جھرالان صوتھا عورة**'' (عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھے اس لیے کہ اس کی آواز عورت ہے)[فتاوی رضویہ،۹/۱۴۷]

جب عورت کی آواز بھی عورت ہے تو جس طرح اجنبیہ عورت کو دیکھنا جائز نہیں ہے اس سے بات کرنا بھی جائز نہ ہوگا ہاں اگر ضرورت ہو تو بقدر ضرورت بات کرنے کی اجازت ہے، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح اور ردالمحتار میں ہے:

فانا نجیز الکلام من النساء الاجانب ومحاورتھن عندالحاجة.

ہمارے نزدیک ضرورت کے وقت اجنبیہ عورتوں سے بات کرنے کی اجازت ہے۔[حاشیہ طحطاوی ص ۲۴۲،ردالمحتار،۲/۷۹]

اورردالمحتار ہی میں مذکور'**یجوز الکلام المباح مع امرأة اجنبية**' [۹/۵۳۰](اجنبیہ عورتوں سے جائز بات کرنا جائز ہے) ان عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف ضرورت متحقق ہونے کے وقت بقدر ضرورت اجنبیہ عورتوں سے گفتگو کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔

علاوہ ازیں موبائل آفس میں موجود لڑکیوں سے گفتگو کرنے میں ضرورت موجود نہیں کیوں کہ فون کاٹ کے دوبارہ لگانے پر کسی نہ کسی لڑکے سے بات ہو جاتی ہے۔

(۲)حدیث پاک میں ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ کل مایلھو بہ المرء المسلم باطل الارمیہ بقوسہ وتادیبہ فرسہ وملاعبتہ امرأتہ فانھن من الحق.

موبائل کے مسائل پر مشتمل تفصیلی فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں ؛

(۱) اجنبیہ عورتوں سے موبائل پر بات چیت کرنا کیسا اور (customercare) موبائل آفس میں موجودلڑ کیوں سے موبائل کے تعلق سے جانکاری حاصل کرنے میں کوئی حرج تونہیں؟

(۲) موبائل پر گیم کھیلنا کیسا؟

(۳) موبائل کے کیمرے سے کسی جاندار کی تصویر کھینچنا اوراس کو اپنے موبائل کی اسکرین پر رکھنا یا پھر اس کو اندر کسی فولڈر میں چھپا کر رکھنا کہ جب جی چاہے دیکھ لیں، کیسا ہے؟

(۴) موبائل میں گانے قوالیاں سننا فلمیں دیکھنا کیسا؟

(۵) کیا موبائل میں گانے فلمیں قوالیاں بھرنا جائز ہے؟ اوراس کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ بالا سوالات کے تفصیلی جوابات مرحمت فرمائیں اورعنداللہ ماجور ہوں۔

محمد نسیم القادری متعلم الجامعۃ الرضا بریلی شریف

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمده ونصلی علیٰ حبیبه الکریم

بالترتیب جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) اجنبیہ عورتیں چاہے وہ موبائل آفس میں ہوں یا کہیں بھی ان سے بلاضرورت بات چیت کرنا ناجائز ہے۔ کیوں کہ عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس سے مسلمان آدمی کھیلتا ہے باطل ہے مگر اس کا اپنی کمان سے تیراندازی کرنا اوراپنے گھوڑے کو تربیت دینا اوراپنی بیوی سے چھیڑ چھاڑ پس یہ کھیل حق ہیں) [سنن النسائی، باب الرمی فی سبیل اللہ، ص ۲۰۲]

ملاعلی قاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وفی معناها کل مایعین علی الحق من العلم والعمل اذاکان من الامور المباحة کالمسابقة بالرجل والخیل والابل والتمشیة لتنزه علی قصد تقویة البدن وتطریة الدماغ.

حدیث میں بیان کردہ کھیلوں میں ہر وہ کھیل داخل ہے جو علم وعمل کے لیے معاون بنتا ہو اورفی نفسہ جائز کاموں میں اس کا شمار ہوتا ہو جیسا کہ پیدل دوڑ، گھوڑ دوڑ، اونٹوں کی دوڑ، یا بدن کی تقویت اوردماغ کی تراوٹ کے ارادہ سے چہل قدمی۔ [مرقاۃ المفاتیح ۷/ ۳۹۶]

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''لذت لعب شرع کریم وعقل سلیم کے نزدیک فائدہ معتد بہا نہیں مگر جبکہ لہو مباح ہو اورتعب کے بعد اس سے ترویح قلب مقصود اب نہ وہ عبث رہے نا حقیقت لعب اگر چہ صورت لعب ہو۔

والہذا حدیث میں ہے، حضور سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الهوا والعبوا فانی اکره ان یرمی فی دینکم غلظة، رواه البیهقی فی شعب الایمان

(کھیلو کودو کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی تمہارے دین میں سختی دیکھے اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے)

امام ابن حجر مکی کف الرعاع پھر سیدی عارف باللہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

" اللهو المباح ماذون فیه منه ﷺ
(جائز کھیل کی نبی کریم ﷺ کی جانب سے اجازت ہے۔)
[فتاوی رضویہ قدیم جلد ۱/۲۰۱]

ان عبارات سے یہ نتیجہ نکلا کہ موبائل پر ہر وہ گیم کھیلنا جائز ہے جس میں دینی یا دنیوی فائدہ ہو یا بدن کی تقویت اور دماغ کی تراوٹ مقصود ہو اور اس میں خلاف شرع کوئی امر جیسے جاندار کی تصویر وغیرہ نہ ہو۔ اور ایسے گیم جس میں جاندار کی تصاویر ہوں اور اس گیم سے کوئی دنیوی یا دینی فائدہ بھی نہ ہو اور نہ ہی اس سے بدن یا دماغ کو تازگی میسر آئے اس میں اپنا وقت ضائع کرنا خالی از کراہت نہیں۔

اعلی حضرت فرماتے ہیں:

"ہر کھیل اور عبث فعل جس میں نہ کوئی غرض دین نہ کوئی منفعت جائزہ دنیوی ہو سب مکروہ و بے جا ہیں کوئی کم، کوئی زیادہ الخ۔ [فتاوی رضویہ قدیم ۹/۴۴]

(۳) موبائل کے کیمرے سے ہو یا کسی اور چیز کے ذریعہ کسی بھی جاندار کی تصویر کشی ناجائز و حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة ويقال لهم احيوا ما خلقتم

روز قیامت مصورین عذاب دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جو تم نے بنائی ہیں جان ڈالو) [بخاری شریف ۲/۸۸۱]

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر لانه متوعدا عليه

والامساک لامر ممنوع كمن امسک امرأة ليفجر بها في اثم الفجور حين لا يفجر لان الاعمال بالنيات.

میں کہوں گا کہ اس عبارت میں اس شخص کی آنکھ کی ٹھنڈک نہیں جس نے بکس میں تصویریں رکھی ہوں کہ جب چاہے انہیں دیکھ لے اس لئے کہ اگر چہ وہ چھپی ہوئی ہیں لیکن جب وہ بکس کھول کر نکالے گا نمایاں ہوں گی لہٰذا تحریم کا حکم ہوگا اور ممنوع چیز کو رکھنا بھی منع ہے جیسے کہ کوئی عورت کو بدی کے لئے روک لے تو اس پر بدی کا گناہ ہوگا اگر چہ وہ بدی نہ کر رہا ہو اور اعمال کا اعتبار نیت سے ہے [مرجع سابق ص ۵۶]

(۴) گانے سننا مروجہ قوالیاں سننا ناجائز و حرام ہے۔

درمختار میں ہے:

قال ابن مسعود صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء البنات.

حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ کھیل اور گانے کی آواز دل میں نفاق پیدا کر دیتی ہے جس طرح پانی گھاس اگا دیتا ہے) [جلد ۵/۳۵۲]

درمختار ہی میں بزازیہ کے حوالے سے ہے:

وفي البزازيه استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلاة والسلام استماع الملاهي معصية.

اور بزازیہ میں ہے کہ گانے کے آلات کی آواز جیسے بانسری بجنے کی آواز اور اس کے مثل سننا حرام ہے نبی کریم ﷺ کے فرمان "ملاہی کا سننا گناہ ہے" کی وجہ سے) [جلد ۹/۵۰۴]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

بھذا الوعید المذکور فی الاحادیث سواء صنعه فی ثوب او بساط او درھم او دینار او غیر ذالک.

ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے فرمایا حیوانات کی تصویر بنانا سخت حرام ہے اور بڑے گناہوں میں سے ہے اس لئے کہ اس پر شدید وعید آئی ہے جو احادیث میں مذکور ہے، چاہے کسی کپڑے پر تصویر بنائی جائے، یا بستر پر یا درہم و دینار پر یا اس کے علاوہ پر۔

[مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب التصاویر جلد۸/۳۲۳]

ردالمختار میں ہے:

فعل التصویر فھو غیر جائز طلقا لانه مضاھاۃ لخلق اللّٰه

تصویر بنانا مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ وہ تخلیق الٰہی سے مشابہ ہے۔

[جلد۲/۴۲۰]

لہٰذا جب تصویر کشی ہی حرام ٹھہری تو پھر اس کا اسکرین پر رکھنا کب روا ہوگا کہ اس میں ایک شیء حرام کی حفاظت ہے جو حرام ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''ناجائز تصویریں حفاظت سے رکھ چھوڑنا خود ہی منع ہے۔ [عطایا القدیر فی حکم التصویر۵۴]

رہا تصویر کا کسی فولڈر میں محفوظ کر لینا کہ جب جی چاہے دیکھ لیں یہ بھی ناجائز ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اقول ولاقرۃ عین فیه لمن یتمسک التصاویر فی صندوقه لینظر فیھا متی شاء فانھا وان کانت مستورۃ ما دامت فی الصندوق لکنه یفتحه ویخرجھا فتظھر فیاتی التحریم

قال رحمه اللّٰه تعالیٰ السماع والقول والرقص اللذی یفعله المتصوفه فی زماننا حرام لایجوز القصد الیه والجلوس علیه.

حلوانی، اللہ رحمت فرمائے ان پر، انہوں نے فرمایا کہ سماع اور قول اور ناچ وہ جسے (نام نہاد) صوفیہ کرتے ہیں ہمارے زمانے میں حرام ہے اس کی طرف ارادہ اور اس میں بیٹھنا جائز نہیں۔ [باب الغناء واللھو، جلد۵/۳۵۲]

عباراتِ بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ گانا اور قوالیوں کا سننا ناجائز و حرام ہے ۔اب رہا یہ کہ موبائل میں سنناتو موبائل ہو یا موبائل کے علاوہ میں ہر طرح حرام ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''شک نہیں کہ طبلہ، سارنگی، ڈھولک، ستار یا ناچ یا عورات کا گانا یا فحش گیت وغیرہ جن آوازوں کا فونو کے باہر سننا حرام ہے بلاشبہ ان کا فونو سے بھی سننا حرام ہے۔ [فتاوی رضویہ۹/۱۸]

اور رہا فلم کا دیکھنا تو اس کے ناجائز و حرام ہونے میں کوئی شک نہیں کہ وہ مجموعۂ مفاسد اور مفضی الی النار ہے اس میں ناچ گانے مردوزن کا اختلاط و عریانیت جیسے بے شمار امور ممنوعہ پائے جاتے ہیں۔

(۵) موبائل میں گانے فلمیں قوالیاں بھرنا ناجائز و حرام ہے کہ یہ اعانۃ علی المعصیۃ یعنی گناہ پر مدد کرنا ہے قرآن میں ہے:

ولاتعانوا علی الاثم والعدوان.

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [ترجمہ کنزالایمان سورہ مائدۃ آیۃ۲]

فتاوی عالمگیری کتاب الشہادات میں ہے:

الاعانة علی المعاصی والفجور والحث علیھا من جملة الکبائر.

گناہوں اور برائیوں پر مدد کرنا اور اکسانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

[جلد۳/۴۵۱]

اوراس کی آمدنی بھی ناجائزوحرام ہے۔فتاوی عالمگیری کتاب الاجارۃ میں ہے:

لا تجوز الاجارۃ علی شیء من الغناء والنوح والمزامیروالطبل وشیء من اللھو

گانا،نوحہ کرنا،ڈھول تاشے اورکھیل کود کے کسی بھی چیز پرمزدوری جائز نہیں۔ [جلد۴/۴۴۹]ھٰذا ماعندی والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

کتبــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ۲۸/ربیع النور ۱۴۳۴ھ

مسجد کے نیچے دوکان میں قرآن وغیرہ کارکھنا

کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں مسجد کی دوکان ہے جوکہ عام راستہ پرہے زیداس میں کتابیں اورقرآن پاک فروخت کرتاہے دوکان کے پیچھے سے زینہ ہے اوردوکان کے اوپر لیٹرین بنی ہے حجرے کاراستہ بھی ہے بکرکہتاہے کہ دوکان میں قرآن وغیرہ رکھے ہیں ان کی بے حرمتی ہورہی ہے جبکہ دوکان کارخ اورراستہ عام راستہ کی طرف ہے ان ساری چیزوں کاراستہ دوسرے رخ سے توکیااس طرح بے حرمتی ہورہی ہے بالدلیل جواب عنایت فرماکرعنداللہ ماجورہوں۔

المستفتی خلیل احمدمحلّہ وجے نگرکاشی پور

آزرحضرت ابراہیم کاچچاتھا،اورقیامت ملک شام میں واقع ہوگی

کیافرماتے ہیں علماءدین درج ذیل مسائل میں؛

(۱)کیاآزرحضرت ابراہیم علیہ السلام کاوالدتھااگرنہیں توپھرحضرت کے والدکانام کیاتھا؟

(۲)میدانِ قیامت ملکِ شام ہے یامیدانِ عرفات؟

حاجی اصغرحسین بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

آزرحضرت ابراہیم علیہ السلام کاچچاتھاباپ نہیں۔حضرت کے والدگرامی کانام نامی اسم گرامی تارخ یاتارح ہے۔حضورصدرالافاضل علیہ الرحمہ اپنی تفسیرخزائن العرفان میں آیت کریمہ"واذقال ابراھیم لابیہ آزر"کےتحت فرماتے ہیں:

"قاموس میں ہے کہ آزرحضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچاکانام ہےامام علامہ جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفاء میں بھی ایساہی لکھاہے چچاکوباپ کہناتمام ممالک میں معمول ہے"[پارہ۷،سورہ انعام آیت۷۵]

مفتی احمدیارخان نعیمی علیہ الرحمہ اسی آیت کریمہ کےتحت رقم طرازہیں:

"امام جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفاء میں نیزمفردات میں امام راغب نے تفسیرکبیرمیں امام رازی نے علامہ آلوسی نے تفسیرروح المعانی میں فرمایاکہ آزرحضرت ابراہیم کاچچاتھاآزربت پرست تھا۔آپ کے والدکانام

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں قرآن مجیداوراس کے علاوہ جوبھی کتب شرعیہ دینیہ دوکان میں موجود ہیں ان کی توہین وبے حرمتی لازم نہیں آرہی ہے۔

فقہ حنفی کی معتبرومستند کتاب ''محیط برھانی'' میں ہے:

لووضع فی البیت لابأس بالنوم علی سطحہ ....واذا حمل المصحف اوشیء من کتب الشریعۃ علی دابۃ فی جوالق ورکب صاحب جوالق علی الجوالق لا یکرہ.

اگر گھر میں قرآن رکھا ہوتو چھت پرسونے میں کوئی حرج نہیں....اور جب قرآن شریف یا کتب شرعیہ بورے میں کرکے سواری کے جانور پررکھدی جائیں اورسواراس بورے پربیٹھ جائے تو کوئی کراہت نہیں) [الفصل الخامس،۵/۱۵۴]وھٰکذافی الھندیہ،۵/۳۲۲]

حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

لوجعل المصحف فی الجوالق وھو یرکب علیہ لابأس بہ للحفظ ولغیر الحفظ یکرہ.

اگرقرآن بورے میں رکھااوروہ اس پرسوار ہوگیاتو کوئی حرج نہیں جب کہ یہ بیٹھنا حفاظت کی غرض سے ہورنہ مکروہ ہے)[کتاب الطھارۃ،باب الحیض،۱۴۸]   ھٰذاماعندی والعلم عنداللہ تعالی.

کتبــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۹/جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

تارح ہے جومومن وموحد تھے تفسیرابن کثیرنے بھی یہی کہاہے۔'' [تفسیرنعیمی پارہ۷سورہ انعام،ص۶۰۵]

علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالے مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ، میں علامہ امام فخرالدین رازی علیہ الرحمہ کے حوالے سے رقم طرازہیں:

الامام فخرالدین الرازی فقال فی کتابہ''اسرارالتنزیل''مانصہ'قیل ان آزرلم یکن والدابراھیم بل کان عمہ،واحتجواعلیہ بوجوہ منھا ان آباء الأنبیاء ماکانواکفاراً، الخ.

امام فخرالدین رازی نے اپنی کتاب اسرارالتنزیل میں فرمایا کہ کہاگیاکہ آزرحضرت ابراہیم کاباپ نہیں بلکہ چچاتھا۔اوراس پرچندوجوہ سے احتجاج کیاگیاہےان میں سے ایک یہ کہ انبیاء کے آباءکافرنہیں تھے۔[مسالک الحنفاء ، ص۲۳]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اہل تواریخ واہل کتابین(یہودونصاریٰ)کااجماع ہے کہ آزرباپ نہ تھاسیدخلیل علیہ السلام الجلیل کاچچاتھا''

[فتاوی رضویہ جدید،۳۰/۲۸۴]

مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''تحقیق یہ ہے کہ آزرسیدناابراہیم علیہ السلام کاباپ نہیں تھا،چچاتھا۔ان کے والدماجدکانام تارخ تھا۔[فتاویٰ شارح بخاری،ج۱ص۵۴۹]

نیزعلامہ عینی نے شرح بخاری میں تارح بالحاءاور تارخ بالخاءدونوں کونقل کیاہے[عمدۃ القاری شرح بخاری ۵۲/۱۱]

الحاصل: اکثر علماء اہلسنّت کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدمحترم حضرت تارخ یا تارح ہیں اورآزر چچا ہے۔

(۲) قیامت کا میدان ملک شام ہے۔حضور صدرالافاضل فرماتے ہیں:

''آخرحشر روزِ قیامت کا حشر ہے کہ آگ سب لوگوں کوسرزمین شام کی طرف لے جائے گی اور وہیں ان پر قیامت قائم ہوگی۔''

[تفسیر خزائن العرفان پارہ ۲۸ سورہ حشر آیت ۲]

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے:

''یحشر الناس احیاء الی الشام''

لوگ زندہ کر کے ملک شام کی طرف جمع کیے جائیں گے۔

[جلد ۱۰/ ۱۹۰ باب الحشر]

واللہ تعالیٰ اعلم باالصواب.

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۶/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

بالوں کے ٹرانسپلانٹیشن کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں سر پر اگر بال کم ہوں کچھ جگہ خالی ہوتو کیا بالوں کی ٹرانسپلانٹیشن یعنی خالی جگہ پر اپنے یا کسی اور کے بال لگواسکتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ ''الواصلۃ'' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ای التی تصل الشعر سواء کان لنفسها ام لغیرها''

واصلہ وہ ہے جو بال جوڑے خواہ اپنے یا اپنے غیر کے

اور

المستوصلۃ'' هی التی تطلب وصل شعرها.

مستوصلہ وہ ہے جو اپنے بال جڑوائے۔

[فتح الباری فی شرح البخاری، باب وصل الشعر، ۱۷/ ۳۵،۴۳]

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے

نقل ابوعبید عن کثیر من الفقهاء ان المنع فی ذالک وصل الشعر بالشعر

ابوعبید نے بہت سے فقہاء سے نقل کیا کہ بال کا بال سے جوڑ نا منع ہے۔[باب الوصل فی الشعر]

فیض القدیر شرح جامع صغیر میں ہے:

وقال القرطبی هٰذا نص فی تحریم وصل الشعر بشعر.

امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ نص بال کو بال سے ملانے کی حرمت میں ہے۔

[فیض القدیر شرح جامع صغیر، حرف اللام، ۵/ ۲۷۳]

احکام جراحۃ التجمیل فی الفقہ الاسلامی میں ہے:

اتفق الفقهاء علی تحریم وصل الشعر فی الجملة.

فقہانے بال ملانے کی حرمت پر بالکلیہ اتفاق کیا ہے۔[ج ۱،ص ۳]

مذکورہ بالا احادیث اور عبارات علماء سے صرف یہ مفہوم مستفاد ہو رہا ہے کہ بالوں کو بالوں سے ملانا حرام ہے۔

شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

محمد ناظم رضوی منصوری، قصبہ پیپل سانہ مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

بالوں کے ٹرانسپلانٹیشن (پیوندکاری) سے متعلق کوئی حکم بیان کرنے سے پہلے ہم اس سے متعلق احادیث کریمہ ونصوص محدثین وفقہاء کا جائزہ لیتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

عن اسماء بنت ابی بکران امرأۃجاءت الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فقالت انی انکحت ابنتی ثم اصابھاشکوی فتمرق رأسھا و زوجھا یستحثنی بھا افاصل رأسھافسب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم الواصلۃ والمستوصلۃ.

ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ میری بیٹی کے چیچک کی وجہ سے بال جھڑ گئے ہیں اور میں نے اس کا نکاح کردیا تو کیا میں اس کے بال جوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ بال جوڑنے والی اور جڑوانی والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لعن اللّٰہ الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ بال جوڑنے اور جڑوانے والی اور گودنے اور گودوانے والی پر اللہ کی لعنت ہے۔[البخاری باب الوصل فی الشعر ۲/۸۷۸، ۸۷۹]

البتہ محدثین کرام وفقہاء عظام کے آراء ونظریات سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ مطلقاً بالوں کا ملانا حرام نہیں بلکہ اپنے یا غیر کے بال دوسرے کے بال سے ملانا حرام ہے۔ ملاحظہ ہو۔

شرح نووی میں ہے:

اماالواصلۃفھی التی تصل شعر المرأۃ بشعر آخر .... وھٰذہ الاحادیث صریحۃ فی تحریم الوصل ولعن الواصلۃ والمستوصلۃ مطلقاً وھٰذاھوالظاھر المختار....وفی ھٰذاالحدیث ان الوصل حرام سواء کان لمعذورۃاوعروس اوغیرھما

واصلہ وہ ہے جو عورت کے بال دوسرے کے بال کے ساتھ ملائے اور یہ احادیث بال ملانے کی حرمت کے سلسلے میں صریح ہیں اور واصلہ اور مستوصلہ کی لعنت مطلق ہے یہی ظاہر پسندیدہ ہے اور اس حدیث میں وصل حرام ہے خواہ وہ معذورہ کے لئے یا دلہن یا ان دونوں کے علاوہ کے لئے ہو)[ج۷ ص ۲۳۶، باب تحریم فعل الواصلۃ]

حاشیۃ السندی علی ابن ماجۃ میں ہے:

الواصلۃھی التی تصل الشعر بشعر آخرسواء اتصل بشعرھااوبشعرغیرھا.

واصلہ وہ ہے جو دوسرے کے بال سے بال ملائے خواہ اپنے بال یا دوسرے کے)[۴/۱۷۵]

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ہے:

"الواصلۃ"ای التی تصل الشعرسواء کان لنفسھاام لغیرھا.

واصلہ وہ ہے جو بال سے بال سے ملائے خواہ اپنے یا دوسرے کے)[تحفۃ الاحوذی، ۵/۳۶۸، باب ماجاء فی مواصلۃالشعر]

احکا م جراحۃ التجمیل فی الفقہ الاسلامی میں ہے:

الواصلة في الاحاديث هي التي تصل شعرامرأةبشعراخرى لتكثربه شعر المرأة .... ان الوصل حرام لان اللعن لايكون على امرغيرمحرم و دلالة اللعن على التحريم من اقوى الدلالات......اتفق فقهاء الحنفيه والمالكية والحنابلة والظاهرية والشافعية على تحريم وصل شعر المرأة بشعر آدمي بقصدالتجمل والتحسين سواء اكان الشعرالذى تصل به شعرها ام شعرزوجهاام محرمهاام امرأة اخرى غيرهالعموم الاحاديث الواردة في النهي عن الوصل ولانه يحرم الانتفاع بشعرالادمي وسائر اجزائه لكرامته بل يدفن شعره وظفره وسائراجزاء ه.

واصلہ احادیث میں وہ عورت ہے جوعورت کے بال دوسری عورت کے بال سے ملائے تاکہ اس سے عورت کے بال زیادہ ہوجائیں.....وصل حرام ہےاس لئے کہ لعنت نہیں ہوتی ہے غیرحرام معاملہ پراورلعنت کی دلالت وصل کی حرمت پردلیلوں میں سب سے مضبوط ہے....فقہاء حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ، ظاہریہ اورشوافع عورت کے انسان کے بال کے ساتھ بال ملانے کی حرمت پرمتفق ہیں۔ زینت اورخوبصورتی کے ارادے سے خواہ وہ بال جووہ عورت جوڑرہی ہے اسی کا بال ہو یا اس کے شوہرکایااس کے محرم کایادوسری عورت کاان احادیث کے عمومیت کی وجہ سے جو بال ملانے کی نہی میں وارد ہوئیں ہیں اوراس لئے کہ نفع حاصل کرنا آدمی کے بال سےاوراس کے تمام اجزا سے اس کی بزرگی کے سبب ہے۔ بلکہ اس کے بال اورناخون اورتمام اجزاءدفن کئے جائیں گے)[ا؍ص۴]

يكره للمرأة ان تصل شعرغيرهامن بني آدم بشعرها لقوله عليه السلام لعن الله الواصلة والمستوصلة.

عورت کے لیےاپنے بال دوسرے آدمی کے بال کےساتھ ملانا مکروہ ہے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کےقول"**لعن الله الواصلة والمستوصلة**" کی وجہ سے)[**كتاب الاستحسان باب حكم الخلوة باالمرأة**]

فتاوی شامی میں تاتارخانیہ کےحوالے سے ہے:

لكن في التاتارخانيه واذاوصلت المرأة شعرغيرهابشعرهافهو مكروه

لیکن تاتارخانیہ میں ہے کہ جب عورت اپنے غیر کے بال اپنے بال کے ساتھ ملائے تومکروہ ہے۔[**كتاب الحظروالاباحة ۹/۵۳۵**]

مزیدواصلۃ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

الواصلة التي تصل الشعر بشعر الغير.

واصلہ وہ ہے جو بال غیر کے بال سے ملائے۔

[**كتاب الحظر والاباحة، ۹/۵۳۶**]

مذکورہ بالاعبارات محدثین وفقہاء کی روشنی میں صاف ظاہرہوگیاکہ اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے کے بالوں کوملانا حرام ہے۔

رہااپنے بالوں میں اپنے ہی بال ملانے کاحکم تواس سلسلے میں اس وقت کوئی صریح جزیہ فقیرکی نظرمیں نہیں آیا۔البتہ احادیث کے تناظرمیں بیان کردہ علماء کے ارشادات سے ماخوذحکم شرع (بالوں کادوسرے کے بالوں سے جوڑنا حرام ہے) سے یہی مستفادہورہاہے کہ اپنے بالوں کااپنے ہی بالوں سے جوڑنا حرام نہیں ہےمزید یہ کہ اپنے بالوں میں اپنے ہی بال جوڑنے سے متعلق شرعاًممانعت نہ ہوناہی جواز کے لیےکافی ہے۔

مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر میں ہے:

ویکرہ وصل الشعربشعرآدمی سواء کان شعرھا اوشعرغیرھا

آدمی کے بال کے ساتھ بال جوڑنا مکروہ ہے خواہ وہ عورت کے بال ہوں یا اس کے غیر کے)[فصل فی المتفرقات ،۸/ ۲۱۱]

شرح بھجۃ الوردیۃ میں ہے:

وصلھاشعرھابشعرآدمی حرام قطعالانہ یحرم الانتفاع بشیء منہ لکرامتہ سواء کان شعرھا اوشعرغیرھااذن فیہ الزوج او لالانہ بانفصالہ من الآدمی تجب مواراتہ کذافی الروضۃ.

عورت کا اپنے بال آدمی کے بال کے ساتھ جوڑنا حرام قطعی ہے اس لئے کہ حرام ہے نفع حاصل کرنا آدمی کی کسی جز سے اس کی بزرگی کی وجہ سے خواہ وہ بال عورت کا ہو یا اس کے غیر کا اس کے شوہر نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اس لئے کہ اس کا آدمی سے الگ ہونا واجب کردیتا ہے اس کی تکریم کو۔[۳/ ۴۵۵ ،فصل فی بیان شروط الصلاۃ]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وصل الشعربشعرالآدمی حرام سواء کان شعرھا أو شعر غیرھا کذافی الاختیارشرح المختار"

آدمی کے بال کے ساتھ بال جوڑنا حرام ہے خواہ وہ بال عورت ہو یا غیر کا۔[الفتاوی الھندیہ کتاب الکراھیۃ .۵/ ۳۵۸]

بدائع الصنائع میں ہے:

لہٰذا بالوں کی پیوندکاری (ٹرانسپلانٹیشن TRANSPLANTAION) اگر اپنے ہی بالوں سے ہے یعنی اپنے بال اپنے ہی بالوں میں جوڑے جائیں تو احقر کے نزدیک جائز ہے۔

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ ورسولہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ۸/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

داڑھی منڈے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ منبر رسول پر داڑھی منڈے کو بٹھانا کیسا ہے؟ اوراس کے بارے میں نورانی چہرہ والا کہنا کیسا ہے؟ بینواوتوجروا

المستفتی محمد ناظم قاضی باغ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

ایک مشت داڑھی رکھنا ازروئے شرع واجب ہے اس سے کم کرنے والا شرعاً فاسق و گنہگار ہے۔اس کو منبر پر بٹھانا اس کے مکروہ چہرہ کو نورانی کہہ کر اس کی تعریف کرنا کسی بھی طور پر اس کی تعظیم وتکریم کرنا ناجائز وحرام مستوجب غضب الٰہی اورعذاب شدید کا باعث ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انھکوا الشوارب واعفوا اللحی

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ نے فرمایا مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

[صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی، ١/٨٧٥]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

حلق کردن لحیہ حرام است وروش افرنج و ہنود وجو القیان است کہ ایشانرا قلندریہ گویندو گزاشتن آں بقدر قبضہ واجب است۔

داڑھی منڈانا حرام ہے اور انگریزوں، ہندوؤں اور قلندروں کا طریقہ ہے اور ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔ [کتاب الطہارۃ باب السواک، ج ١ ص ١١٣]

شعب الایمان للبیہقی میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ ان اللّٰہ عزوجل یغضب اذا مدح الفاسق فی الارض.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں جو حضرت انس سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں:

قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ العرش.

کرنے کے لئے ایک مسلمان لڑکا لگا رکھا تھا۔ اس گوشت کو جن مسلمانوں نے کھایا ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

شہاب الدین محلّہ کٹورہ تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ غیر مسلم کی دوکان سے گوشت بنوانا اس وقت جائز ہوگا جب کہ ذابح (ذبح کرنے والا) مسلمان ہو اور ذبح کے وقت سے لیکر گوشت بنوانے والے مسلمان کے ہاتھوں میں گوشت پہنچنے کے وقت تک گوشت کسی لائق اعتبار مسلمان آدمی کے نگاہ کے سامنے رہے۔ ورنہ اس گوشت کا خریدنا بنوانا کھانا اور کھلانا، سب ناجائز وحرام ہوگا اور کھانے اور کھلانے والوں پر توبہ ضروری۔

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ میں ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا۔'' [فتاوی رضویہ جدید ٢٠/٢٨٢]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''اگر ذبح کر کے اسے (یعنی کافر کو) دے دیا اور کوئی مسلمان دیکھتا نہ رہا اس نے گوشت بنایا اور مسلمانوں کو دیا تو اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا ''**فان الکافر لا یقبل قولہ فی الدیانات**'' دین کے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کی وجہ سے عرشِ الٰہی کانپ جاتا ہے۔
[شعب الایمان للبیھقی ج۴ ص ۲۳۱، باب فی حفظ اللسان]

اس کی تعظیم تو درکنار علمانے تو اس کی توہین کا حکم فرمایا ہے۔ صاحب تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق فاسق کی توہین کو واجب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

الفاسق....وجب علیھم اھانته شرعاً.

لوگوں پر ازروئے شرع فاسق کی توہین ضروری ہے۔
[۲/۱۵۷، باب الاحق بالامامة]

لہٰذا جس شخص نے بھی داڑھی منڈے کو منبر پر بٹھایا اور نورانی چہرہ والا کہا اسے چاہیے توبہ کرے اور آئندہ ایسی خلاف شرع بات زبان پر نہ لائے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمه اتم.

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی
مورخہ ۲۲/ذی الحجة ۱۴۳۳ھ

غیر مسلم سے گوشت بنوانا

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں ایک مسلمان نے لڑکی کی شادی میں ایک غیر مسلم جس کی جھٹکے کے گوشت بیچنے کی دوکان ہے اس سے مرغہ کا گوشت بنوایا اس نے اپنے گوشت رکھنے کے سارے برتن چھریاں کراکری کا استعمال کیا مرغہ ذبح

امور میں کافر کی بات قابل قبول نہیں'' [فتاوی رضویہ جدید، ۲۰/۳۰۹]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی
مؤرخہ ۱۲/شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

روٹی چومنے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں لوگ روٹی کو چومتے ہیں اس کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ مع حوالہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد ذیشان کٹ گھر مرادآباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

روٹی کی تعظیم وتکریم جائز بلکہ مستحب ہے نبی محترم ﷺ نے روٹی کی تعظیم وتکریم کا حکم عطا فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

لاتقطعوا الخبز بالسکین اکرموہ فان اللّٰہ اکرمه.

روٹی کو چھری سے مت کاٹو اس کی تکریم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکرم بنایا ہے۔ [مسند الفردوس للدیلمی، ۱/۴۸۸]

اور روٹی چومنے سے متعلق درمختار میں ہے:

اما تقبیل الخبز فحرر الشافعیة انه بدعة مباحة وقیل حسنة وقالو ایکره دوسه لابوسه.

رہا روٹی چومنا تو شوافع نے بدعت مباحہ لکھا ہے اور کہا گیا ہے کہ بدعت حسنہ ہے اور انہوں نے کہا کہ اس کا کچلنا مکروہ ہے نہ کہ چومنا۔[باب الاستبراء، ۵۵۲/۹]

عقود الدریة فی تنقیح الفتاوی لابن عابدین میں ہے:

کون تقبیل الخبز بدعة فصحیح ولکن البدعة لاتنحصر فی الحرام بل تنقسم الی الاحکام الخمسة ولا شک انه لایمکن الحکم علی هٰذا بالتحریم لانه لادلیل علی تحریمه ولا بالکراهة لان المکروه ماورد فیه نهی خاص ولم یرد فی ذالک نهی والذی یظهر ان هٰذا من البدع المباحة فان قصد بذلک اکرامه لاجل الاحادیث الواردة فی اکرامه فحسن. [۴۳۶/۷]

روٹی چومنا بدعت ہے صحیح ہے لیکن بدعت حرام میں منحصر نہیں ہے بلکہ بدعت پانچ احکام میں منقسم ہوتی ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس پر حرام کا حکم ممکن نہیں اس لئے کہ اس کے حرام اور مکروہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں اس لئے مکروہ وہ ہے جس کے سلسلے میں کوئی نہی خاص وارد ہو اور اس سلسلے میں کوئی نہی وارد نہیں ہوئی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بدعت مباحہ ہے پس اگر روٹی چومنے سے اس کی تعظیم کا ارادہ کرلے ان احادیث کے سبب جو روٹی کی تعظیم میں وارد ہیں اچھا ہے۔

واللّٰہ تعالی اعلم.

کتبـــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

فیجوز الاستمتاع بالسرة وما فوقها والرکبة وماتحتها والمحرم الاستمتاع بما بینهما.

ناف اور ناف کے اوپر اور گھٹنا اور اس کے نیچے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور ان دونوں کے درمیان فائدہ اٹھانا حرام ہے)[باب الحیض، ۱۴۹/۱]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''کلیہ یہ ہے کہ حالت حیض ونفاس میں زیر ناف سے زانو تک عورت کے بدن سے بلاکسی ایسے حائل کے جس کے سبب جسم عورت کی گرمی اس کے جسم کو نہ پہنچے تمتع جائز نہیں یہاں تک کہ اتنے ٹکڑے بدن پر شہوت سے نظر بھی جائز نہیں اور اتنے ٹکڑے کا چھونا بلاشہوت بھی جائز نہیں اور اس سے اوپر نیچے کے بدن سے مطلقاً ہر قسم کا تمتع جائز یہاں تک کہ سحق ذکر کرکے انزال کرنا۔[فتاوی رضویہ جدید،۳۵۳/۴]

(۲) علماء کرام نے اس عمل کو مکروہ قرار دیا ہے

محیط برہانی میں ہے:

''اذاادخل الرجل ذکره فی فم امرأته فقدقیل یکره لانه موضع قراء ة القرآن فلایلیق به ادخال الذکر فیه''

جب مرد اپنے آلہ کو اپنی بیوی کے منھ میں داخل کرے تو کہا گیا ہے کہ مکروہ ہے اس لیے کہ منھ قرآن پڑھنے کی جگہ ہے۔ پس اس وجہ سے آلہ کا منھ میں داخل کرنا مناسب نہیں ہے۔[۱۳۴/۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فی النوازل اذا ادخل الرجل فی فم امرأته قدقیل یکره.

نوازل میں ہے کہ جب مرد اپنے آلہ کو اپنی بیوی کے منھ میں داخل کرے

(اورل سیکس) ہم بستری کا غلط طریقہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں

(۱) کیا شوہر اپنی حائضہ بیوی کی شہوت کی تسکین کے لئے اس کی شرمگاہ میں اپنی انگلی کا استعمال کرسکتا ہے؟

(۲) اورل سیکس (یعنی میاں بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو چوسنا) شرعاً کیسا ہے؟

(۳) بیوی اگر حالت حیض میں ہو تو کیا وہ شوہر کی منی اپنے ہاتھ سے نکال سکتی ہے؟

شریعت کی روشنی میں جوابات عنایت فرمائیں۔

(مفتی) محمد کاشف رضا بنگلور

۱۲/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبه الکریم

(۱) یہ عمل ازروئے شرع جائز نہیں ہے کیوں کہ شوہر کے لئے حائضہ بیوی کی شرمگاہ یا ناف سے گھٹنے تک کسی حصہ کا چھونا جائز نہیں ہے۔

بحرالرائق میں ہے:

یحرم علیه الاستمتاع بمابین السرة والرکبة.

مرد کو ناف اور گھٹنے کے درمیان فائدہ اٹھانا حرام ہے۔ [باب الحیض، ۱/۳۴۴]

حاشیۃ الطحاوی علی الدرالمختار میں ہے:

تو کہا گیا ہے کہ مکروہ ہے۔ [۵/۵۷۲]

(۳) ہاں یہ عمل جائز ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

یجوزان یستمنی بیدزوجته او خادمته"

اپنی بیوی یا خادمہ (لونڈی) کے ہاتھ سے منی نکلنا جائز ہے۔

[کتاب الحدود، ۶/۳۹] واللہ تعالیٰ اعلم بالصّواب.

کتبــه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۶/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

سیکس ڈول

(SEX DOLL)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کی بابت کہ قضائے شہوت کے مصنوعی طریق اختیار کرنا کیسا ہے؟ مشت زنی اور زنا کے علاوہ یورپی تہذیب کے اثرات سے نت نئے ذرائع سامنے آرہے ہیں۔ یورپی کمپنی کا ایک پروڈکٹ Sex Doll ہے یعنی مصنوعی لڑکی جو کہ ویب سائٹ پر فروخت کے لیے پیش کی جارہی ہے جو کہ جسامت اور قد و قامت میں مثل انسان ہے اور ویب سائٹ پر دی گئی Promo Vedio کے مطابق تمام حرکات وسکنات میں بھی مثل جسم انسانی ہے۔ ایسے آلات کا بنانا، فروخت کرنا، خریدنا اور استعمال کرنا عندالشرع کیسا ہے؟

گلزار احمد قادری، پاکستان

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اس مصنوعی لڑکی کا استعمال از روئے شرع ناجائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے لیے بیوی اور باندی کو تسکین قلب ونفس کا ذریعہ بنایا ہے مرد کے لیے ان دونوں کے علاوہ کسی اور سے استمتاع جائز نہیں۔ فتاوی شامی میں ہے:

فلو ادخل ذکرہ فی حائط او نحو حتی امنی او استمنی بکفہ بحائل یمنع الحرارۃ یاثم ایضا ویدل ایضا علی ما قلنا فی الزیلعی حیث یستدل علی عدم حلہ بالکف بقولہ تعالیٰ والذین ھم لفروجھم حافظون الآیۃ وقال فلم یبح الاستمتاع الابھما ای بالزوجۃ والامۃ" فافاد عدم حل الا ستمتاع ای قضاء الشھوۃ بغیرھما۔ [کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف، ۳/۳۷۱]

اگر مرد نے اپنے ذکر کو دیوار یا اس کے مثل کسی چیز میں داخل کیا یہاں تک کہ منی نکل آئی یا حرارت کو روکنے والی کسی چیز کے ہوتے ہوئے ہاتھ سے منی نکالی تو وہ گنہگار رہوگا زیلعی میں ہاتھ سے منی نکالنے کے جائز نہ ہونے پر قرآن کی آیت:

والذین ھم لفروجھم حافظون

اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں

سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ بیوی اور باندی کے سوا کسی سے استمتاع جائز نہیں ہے تو اس بحث نے استمتاع یعنی بیوی اور باندی کے سوا شہوۃ پوری کرنے کے حلال نہ ہونے کا نفع دیا۔

کرنے اور لذت کی تحصیل کا معاملہ ہے ہرگز ہرگز سوائے بیوی اور باندی کے کسی بھی چیز سے شہوۃ اور لذت حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے:

واما اذا فعلہ لاستجلاب الشھوۃ فھو آثم.

اور جب مشت زنی شہوۃ کو حاصل کرنے کے لیے کی تو گنہگار ہوگا۔ [مرجع سابق]

لہٰذا اس مصنوعی گڑیا کا استعمال اور اس کا بنانا اور اس کی خرید وفروخت از روئے شرع بالکل ناجائز ہے۔

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ.

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۳/ربیع النور ۱۴۳۴ھ

مچھر مارنے کی مشین کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ مچھروں کو مارنے کے لئے ایک مشین مارکیٹ میں آئی ہے جس میں کرنٹ ہوتا ہے اور وہ بجلی سے چارج ہوتی ہے اس کا استعمال مچھر کو مارنے کے لئے کیا جاتا ہے از روئے شرع اس کا استعمال کیسا؟

جواب عنایت فرمائیں۔

محمد انیس عالم رضوی پاکبڑا مرادآباد

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ علماء نے شہوت کے اس حد تک برانگیختہ ہوجانے پر کہ زنا یا کسی اور امر حرام کے ارتکاب کی نوبت آجانے کا قوی اندیشہ ہو مشت زنی کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

وکذاالاستمناء بالکف وان کرہ تحریمالحدیث ناکح الیدملعون ولوخاف الزنایرجی ان لا وبال علیہ.

اور یوں ہی ہاتھ سے منی نکالنا اگرچہ حدیث مشت زنی کرنے والاملعون ہے کے سبب مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر زنا کا اندیشہ ہو تو امید ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

اس کے حاشیہ میں امام شامی فتح کے حوالے سے فرماتے ہیں:

فان غلبتہ الشہوۃ ففعل ارادۃ تسکینھا بہ فالرجاء ان لایعاقب

اگر مرد پر شہوۃ کا غلبہ ہو اور وہ تسکین شہوۃ کی غرض سے جلق کرلے تو امید ہے کہ عذاب نہیں دیا جائے گا۔

مزید فرماتے ہیں:

وفی السراج ان اراد بذلک تسکین الشھوۃ المفرطۃ الشاغلۃ للقلب وکان عزبالازوجۃ لہ ولا امۃ اوکان الاانہ لایقدرعلی الوصول الیھابعذرقال ابوالليث ارجوان لاوبال علیہ.

سراج میں ہے کہ اگر جلق کے ذریعہ حد سے بڑھی ہوئی اور دل کو بہکانے والی شہوۃ کی تسکین مقصود ہو اور وہ کنوارا ہو اس کی کوئی بیوی اور باندی نہ ہو یا ہو مگر کسی عذر کے سبب ان سے مطلب براری ممکن نہ ہو تو فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ اس پر کوئی وبال نہ ہوگا۔

لیکن اس کو اس مصنوعی گڑیا پر محمول نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ یہ گڑیا مجموعۂ منکرات و مفسدات ہے۔ شہوۃ کو برانگیختہ کرنے اور لذت اندوزی کا آلہ ہے اور جہاں تک شہوۃ کو حاصل

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اس آلہ کا کام ہے مچھروں کو جلا دینا ہے اور کسی بھی جاندار کو جلانے سے شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وسلم فِي سَفَرٍ ، فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ ، فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا ، فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ ، فَجَعَلَتْ تُعَرِّشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا ؟ رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا وَرَأَى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا ، فَقَالَ مَنْ حَرَّقَ هَذِهِ ؟ قُلْنَا نَحْنُ ، قَالَ إِنَّهُ لاَ يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلاَّ رَبُّ النَّارِ.

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والدگرامی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ قضائے حاجت کو تشریف لے گئے ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لئے تو چڑیا پر بچھانے لگی اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے آپ نے فرمایا اسے اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے تڑپایا ہے اس کے بچے اسے واپس کردو اور پھر آپ نے ایک چیونٹیوں کا بل دیکھا جسے ہم نے جلا دیا تھا فرمایا کہ اسے کس نے جلایا؟ ہم نے کہا کہ ہم نے جلایا ہے فرمایا کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا آگ پیدا کرنے والے کے سوا کسی کے لئے مناسب نہیں ہے۔

[سنن ابوداود، کتاب الادب، باب فی قتل الذر، ۲/۷۱۴]

اس حدیث مبارک سے صاف ثابت ہے کہ جاندار کو جلانے کا اختیار صرف اللہ کو ہے بندے کو اس کی اجازت نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وأما فی شرعنا فلا یجوز احراق الحیوان بالنار الا فی القصاص بشرطه

ہماری شریعت میں جاندار کو جلانا جائز نہیں ہے البتہ قصاص میں اس کی شرط کے ساتھ اجازت ہے)[فتح الباری شرح صحیح بخاری، ۳۵۸/۶]

درمختار میں ہے:

فی المبتغی یکره احراق جراد وقمل وعقرب ولا بأس بأحراق حطب فیما نمل

مبتغی میں ہے کہ ٹڈی اور گھن اور بچھو جلانا مکروہ ہے اور اگر لکڑی میں ہوتو اس لکڑی کو جلانے میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ شامی نے اس کراہت کو کراہت تحریمی قرار دیا ہے " **یکره احراق جراد**" کے تحت فرماتے ہیں:

ای تحریما

(یعنی ٹڈی وغیرہ کو جلانا مکروہ تحریمی ہے)[کتاب الخنثی، ۴۸۲/۱۰]

محیط برہانی میں ہے:

وفی فتاوی أهل سمرقند إحراق القمل والعقرب بالنار مکروه، جاء فی الحدیث لا یعذب بالنار إلا ربها.

فتاوی اہل سمرقند میں ہے ٹڈی اور بچھو کو جلانا مکروہ ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ آگ سے عذاب نہیں دے گا مگر آگ کا پیدا کرنے والا۔

۲۵ سوالات کے تفصیلی جوابات

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں ؛

(۱): اہلسنّت وجماعت کسے کہتے ہیں؟

(۲): سنّی کی پہچان کیا ہے؟

(۳): محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ اللہ کے ولی ہیں لگ بھگ سبھی مسلمان آپ سے محبت کرتے ہیں مگر آپ کے طریقے پر چلنے والوں کو ''وہابی'' کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہی لوگ آپ کے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

(۴) کتابوں میں پڑھنے اور سننے کو ملتا ہے کہ چاروں امام (امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنھم) حق پر ہیں ان میں سے کسی ایک امام کی پیروی کرنا واجب ہے مگر ان کے ماننے والوں میں شدید اختلاف کیوں؟

(۵) محفل میلاد کا انعقاد کرنا کیسا؟

(۶) نماز سے فارغ ہونے کے بعد، محفل میلاد اور قرآن خوانی کے بعد ایک طرف ترچھا ہو کر کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنا کیسا؟

(۷) بزرگوں کے نام پر صدقہ، خیرات کرنا کیسا ہے۔؟

(۸) احباب وعام مسلمین کو کھانا کھلانا نیاز یا فاتحہ کے طور پر کیسا ہے۔

(۹) کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور آپس میں بانٹ کر کھانا۔ کہاں سے ثابت ہے۔

(۱۰) شب برأت کے دن حلوہ پکانا، کھلانا، آتش بازی کرنا اور موم بتی جلانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱) اذان وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کیسا؟

[الفصل الثالث والعشرون، ۵/۲۵۴]

مذکورہ بالاحدیث مبارک اورفقہی عبارات سے صاف ظاہرہے کہ کسی جاندارکوجلانا جائزنہیں ہے کیوں کہ جلاکرعذاب دیناصرف اللہ کے لئے ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مچھر مہلک جانور ہے اس کے کاٹنے سے انسان کے جسم میں ڈینگو بخار،ملیریا اور ٹائی فائڈ جیسی بہت ساری مہلک بیماریاں پیداہوسکتی ہیں اوران بیماریوں کے سبب انسان کا بچنامشکل ہوجاتا ہے۔لیکن مچھروں کو بھگانے اور مارنے کے اور بہت سارے طریقے موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے اس طریقہ کارکواپنانا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہونا چاہئے۔

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ۔

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ۲۳/جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

(۱۲) فرض نماز کی اذان کے بعد صلاۃ پڑھنا کیسا؟

(۱۳) جمعہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے اندرسنت ہے یادروازے پراور مسجد کے اندر اذان پڑھنا کیسا؟

(۱۴) تکبیر بیٹھ کرسننا چاہئے یا کھڑے ہوکر؟

(۱۵) وتر کی نماز فرض، واجب،سنت کیا ہے اس کی قضاپڑھی جانی چاہئے یانہیں؟

(۱۶) نماز پڑھنے کے لئے جب کھڑے ہوں تواپنے اور دوسرے مقتدی کے پاؤں کے درمیان کیا چارانگلیوں کا فاصلہ رکھاجائے گا؟

(۱۷) بعد نماز دعا کے لئے قبلہ سے منھ پھیرلینااور دعا مانگنا کیسا؟

(۱۸) فجر کی نماز کے بعد پابندی کے ساتھ مصافحہ کرنا کیسا؟

(۱۹) داڑھی منڈانا کیسا ہےاور داڑھی منڈے کے پیچھے نماز ہوجائے گی یانہیں

(۲۰) شریعت میں داڑھی کی مقدار کیا ہے؟

(۲۱) مونچھیں بالکل صاف کردینا کیسا ہے؟

(۲۲) قربانی کا گوشت غیرمسلم دوستوں کودے سکتے ہیں یانہیں؟

(۲۳) مرنے کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کوغسل دے سکتے ہیں یانہیں؟

(۲۴) قبر کے اندر عہد نامہ رکھنا کیسا؟

(۲۵) میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہوکراذان پڑھنا کیسا؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی جوابات عنایت فرمائیں۔ بینواتوجروا

محمدمقبول انصاری

کوارٹرنمبر ۶۹۶، پنت نگرضلع اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے ترتیب وار جوابات تحریر کیے جا رہے ہیں:

(۱) اہلسنّت وجماعت کی تعریف

جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے طریقہ پر ہیں اصطلاح شرع میں انہیں اہلِ سنت و جماعت کہا جاتا ہے۔

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اھل السنۃ والجماعۃ وھم الذین طریقتھم کطریقۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واصحابہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم. [کتاب المناقب باب ثواب ھذہ الامۃ ج ۱۱ ص ۴۱۱]

اہل سنت وہ ہیں کہ ان کا طریقہ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ کی طرح ہے۔

(۲) سنّی کی پہچان

موجودہ دور میں سنّی کی پہچان یہ ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرے قرآن وحدیث اور صحابہ و دیگر اسلاف سے جو عقائد ثابت ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کو جھوٹ وغیرہ عیوب و نقائص سے پاک و منزہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال و نظیر کو محال ماننا نبی کو علوم غیبیہ کا عالم ماننا، حاضر و ناظر تسلیم کرنا اللہ کے حکم سے مختار کونین جاننا، اور وہ شعائر جو قرآن وحدیث یا صحابہ واسلاف سے ثابت ہوں جیسے متبرک مقامات واوقات کا احترام، جشن عید میلاد النبی مجلس میلاد نبی اور اولیاء کرام کا اعراس کا انعقاد اور نیاز و فاتحہ کرنے اور بہت سے شعائر جو اسلاف سے اب تک چلے آرہے ہیں ان کو جائز اور باعث برکت سمجھنا، مزید یہ کہ علامہ فضل حق

وظفر بھم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومائتین وألف.

یعنی خارجی ایسے ہوتے ہیں جیسا ہمارے زمانے میں پیروان محمد بن عبد الوہاب نجدی سے واقع ہوا جنہوں نے نجد سے خروج کر کے حرمین محترمین پر تغلب کیا اور وہ اپنے آپ کو کہتے تو حنبلی تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مسلمان بس وہی ہیں اور جو ان کے مذہب پر نہیں وہ سب مشرک ہیں اس وجہ سے انہوں نے اہلسنّت کا قتل اور ان کے علماء کا شہید کرنا مباح ٹھہرالیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی اور ان کے شہر ویران کئے اور لشکر مسلمین کو ان پر فتح بخشی ۱۲۳۳ھ میں۔

[النیر الشھابی علی تدلیس الوھابی، ص ۶، ۷]

اور دیوبندی مولوی حسین احمد مدنی اپنی کتاب الشہاب الثاقب میں لکھتے ہیں

''محمد بن عبد الوہاب نجدی .....خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا... الحاصل وہ ایک ظالم و باغی خونخوار فاسق شخص تھا الخ'' [الشہاب الثاقب ص ۵۴]

اور مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

''محمد بن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔''

[فتاوی رشیدیہ ۲۴۱، ۲۴۲]

الحاصل: وہابی محمد بن عبد الوہاب نجدی کے متبعین کو کہا جاتا ہے نا کہ غوث پاک کے طریقہ پر چلنے والوں کو۔

رہا یہ کہنا کہ وہ غوث پاک کے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں تو ایسا بھی نہیں ہے غوث پاک تو مسلکاً حنبلی تھے یعنی مسائل میں امام احمد بن حنبل کی تقلید کرتے تھے اور ان وہابیوں کے نزدیک تو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید جائز نہیں یہی نہیں بلکہ ان کی تقلید کرنے والا ان کے نزدیک کافر و مشرک ہے۔ تو بھلا وہ غوث پاک کے طریقہ پر کہاں ہوئے ان کا طریقہ تو محمد بن عبد الوہاب

خیرآبادی، علامہ فضل رسول بدایونی ،علامہ کفایت اللہ کافی، حضوراعلیٰ حضرت، حضور صدرالافاضل وغیرہم علمائے اہلسنّت کے عقائدونظریات وتعلیمات کو مانے موجودہ دور میں اسی کوسنّی کہتے ہیں۔اوریہی سنی ہونے کی پہچان ہے۔

(۳) وہابی غوث پاک کے طریقہ پرنہیں

یہ بات سراسر غلط ہے کہ غوث پاک کے طریقہ پر چلنے والوں کو وہابی کہا جاتا ہے۔وہابی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائدونظریات کی تقلید کرتے ہیں اورمحمد بن عبدالوہاب نجدی جس کے تعلق سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

> ’’یہ ناپاک ترکہ اسی بے باک اخبث امام اول دین مستحدث یعنی ابن عبدالوہاب نجدی علیہ ماعلیہ کا ہے کہ اپنے موافقان ناخردمندنفرے چندبے قیدوبندآزادی پسندکے سوا تمام عالم کے مسلمانوں کوکافرومشرک کہتااورخوداپنے باپ دادااساتذہ مشائخ کوبھی صراحۃ کافرکہہ کرپوری سعادت مندی ظاہرکرتا.....اگرچہ بظاہرادعائے حنبلیت رکھتامگرمذاہب ائمہ کومطلقاً باطل جانتااورسب پرطعن کرتااوراپنے اتباع ہرکندہ ناتراشیدہ کومجتہد بننے کاحکم دیتا۔‘‘

اعلیٰ حضرت ابن عبدالوہاب نجدی سے متعلق مزیدفتاوی شامی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

> **کما وقع فی زماننافی اتباع عبدالوهاب الذین خرجو ا من نجد وتغلبواعلے الحرمین وکانواینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقد واانهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشرکون،واستباحوابذلک قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتی کسر اللّٰه تعالےٰ شوکتهم وخرب بلادهم**

نجدی کا طریقہ ہے۔یہ الگ بات کہ ظاہراًان کی نماز کا طریقہ تھوڑابہت حنبلی مسلک سے ملتا جلتا ہے لیکن یہ حنبلی نہیں ہیں۔

(۴) مقلدین کاآپس میں کوئی ذاتی اختلاف نہیں

ائمہ اربعہ کے مقلدین وپیروکارحضرات کے درمیان کوئی اختلاف نہیں البتہ مسائل میں ضروراختلاف ہے اوروہ بھی فروعی مسائل میں نا کہ مسائل عقائدمیں اورمسائل میں اختلاف توصحابہ کے درمیان بھی رہاہے یہ کوئی معیوب بات نہیں۔

(۵) محفل میلادکاانعقادباعث برکت ہے

جائزومستحسن اورباعث برکت ہے۔حضوراعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

> ’’حضور **نعمة الله** ہیں قرآن عظیم نے ان کا نام **نعمة اللّٰه** رکھا۔**ان الذین بدلوانعمة الله کفرا** کی تفسیرمیں سیدناعبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: **نعمة الله** محمد ہیں۔ولہٰذاان کی تشریف آوری کاتذکرہ امتثال (بمطابق) امرالٰہی ہے۔قال تعالیٰ **واما بنعمة ربک فحدث** اپنے رب کی نعمتوں کاخوب چرچاکرو۔حضورکی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے ......رب کی نعمتوں کا چرچامجلس میلادمیں ہوتاہے ...مجلس مبارک کی حقیقت مجمع المسلمین کوحضوراقدس کی تشریف آوری وفضائل جلیہ کمالات جمیلہ کاذکرسنانا ہے‘‘
>
> [المیلادالنبویہ فی الالفاظ الرضویہ]

منکرین مجلس میلاد کے مسلّم پیشواحضرت علامہ ابوالحسنات محمدعبدالحی محدث لکھنوی کے فتاوی پرمشتمل کتاب جومکتبہ تھانوی دیوبند سے چھپی ہےاورجس پرمدرسہ دیوبند کےایک مدرس عالم کامقدمہ بھی موجودہے۔اس میں علامہ عبدالحی نے مجلس میلاد پرتفصیلی گفتگوفرمائی ہے

اوراس کے مستحب و مستحسن باعث برکت ہونے کا حکم فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

''سرورانبیاء کی ولادت کا ذکر جو لاکھوں برکتوں اور مسرتوں کا سبب ہے وہ بغیر کسی وقت کی خصوصیت کے ہر مسلم کے رگ وریشہ میں جاگزین ہے''

آگے فرماتے ہیں:

''اور لوگوں کا خود بخود جمع ہو کر مجلس ومحفل کی صورت اختیار کرلینا بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو یا ایک دوسرے کو دعوت دینا کہ فلاں جگہ مجلس میلاد منعقد ہوگی سب لوگ اس میں شریک ہوں اس کا مرتبہ یہ ہے کہ اس قسم کا ذکر خود صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین تبع تابعین کے دور میں نہیں تھا....مگر یہ چونکہ نیک کام ہے اور بظاہر سبب گناہ نہیں اور خوشی کے موقع پر اجتماع کی نظیریں شریعت سے ثابت ہیں بلکہ گاہ گاہ حضرت بلال آں حضرت کے مواعظ کا گلی کوچوں اور بازاروں میں اعلان کیا کرتے تھے اس لئے علماء اس کی اجازت دیتے ہیں اوراس کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔جس کا فاعل مستحق ثواب ہوگا.......البتہ مہینہ دن تاریخ اوروقت متعین کرنے کی صورت میں یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ جس زمانہ میں بھی یہ عمل مستحب طریقہ پر کیا جائے گا تو باعث ثواب ہوگا حرمین شریفین بصرہ یمن شام اور دوسرے شہروں کے رہنے والے ماہ ربیع الاول کا چاند دیکھ کر خوشیاں مناتے ہیں مال کثیر خیرات کرتے ہیں۔ ذکر ولادت بیان کرنے اور سننے اور مجالس منعقد کرنے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔[فتاوی عبدالحی ص،۹۵،۹۶]

مزید تفصیل کے لئے علماء اہلسنّت کی تصانیف ملاحظہ فرمائیں خصوصاً حضرت علامہ بیدل سہارنپوری علیہ االرحمہ کی کتاب لاجواب ''انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ'' اور صدر الافاضل کے استاذ گرامی حضور علامہ محمد گل علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب'' ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد مصطفیٰ'' ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت انس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!ہم اپنے مردوں کی جانب سے صدقہ دیتے ہیں اوراُن کے لئے دعا مانگتے ہیں تو کیا اس کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے؟تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ثواب پہنچتا ہے اور مردے اس سے خوش ہوتے ہیں، جیسا کہ تم میں سے کوئی خوش ہوتا ہے جب اسے کوئی طبق ہدیہ کیا جاتا ہے)[حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل فی زیارۃ القبور، ۶۲۱،عمدۃ القاری،کتاب الوضوء،۵۹۹/۲]

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

رجل تصدق عن المیت ودعالہ قالوایجوزذالک ویصل الی المیت لماجاء فی الاخبار ان الحی اذاتصدق عن المیت بعث اللّٰہ تعالی تلک الصدقۃ الیہ علی طبق من النور.

[فتاوی قاضی خاں ملحق بفتاوی عالمگیری، فصل فی الصدقۃ،۲۸۴/۳]

کسی شخص نے میت کی جانب سے صدقہ دیا اوراُس کے لئے دُعا بھی مانگی تو یہ جائز ہے اوراس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ زندہ اگر میت کی جانب سے صدقہ کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نور کے طبق اُس کے پاس بھیجتا ہے۔

نیز عالمگیری میں ہے:

رجل تصدق عن المیت ودعالہ یجوزو یصل الی المیت.

یعنی اگر کوئی شخص میت کی جانب سے صدقہ دے اور اُس کے لئے دُعا مانگے، جائز ہے اور میت کو پہنچتا ہے۔[فتاوی عالمگیری،۴۰۸/۴]

(۸)مسلمانوں کوکھانا کھلانا موجب ثواب ہے

مسلمانوں کوکھانا کھلانا موجب ثواب اور باعث برکت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

(۶) نماز وغیرہ کے بعد کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھنا

جائز اور باعثِ برکت ورحمت ہے۔قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یأیھاالذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما.

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر اے ایمان والوان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

[ترجمہ کنزالایمان، پارہ ۲۲،سورہ احزاب]

اس آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ ایمان والوکو درود اور خوب خوب سلام پڑھنا ہے اب جس کا جس طرح، جہاں، جب دل چاہے درود وسلام پڑھے۔کسی خاص نوعیت پر سلام پڑھنے کے لئے کسی دلیل خاص کی ضرورت نہیں علاوہ ازیں اس کی ممانعت پر دلیل شرعی نہ ہونا اور مسلمانوں کی اکثریت کا اس پر بنیت حسن عامل ہونا ہی اس کے جائز اور مستحسن ہونے کے لیے کافی ہے۔مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ منیفہ " اقامة القیامة علی طاعن القیام لنبی تھامة" ملاحظہ فرمائیں۔

(۷) بزرگوں کے نام پر صدقہ، خیرات کرنے کا ثبوت

اموات مسلمین کے لئے صدقہ وخیرات کرنا جائز بلکہ سنت اور باعث ثواب ہے۔جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

عن انس قال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا نتصدق عن موتانا وندعولھم فھل یصل ذالک الیھم فقال نعم انہ لیصل لیفرحون بہ کما یفرح احدکم بالطبق اذاأھدی الیہ.

ان رجلاًسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاسلام خیرقال تطعم الطعام وتقرء السلام علی من عرفت ومن لم تعرف

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام میں کونسا کام بہتر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اس کو جسے پہچانو اور جسے نہ پہچانو۔

[صحیح بخاری، ۱/ ۶،باب اطعام الطعام من الاسلام]

اور نیاز وفاتحہ میں چونکہ قرآن شریف وغیرہ کی تلاوت ہوتی ہے اس لئے عامل دواجر کا مستحق ہے ایک قرآن کی تلاوت اور دوسرا کھانا کھلانا۔البتہ اہل میت کا تقریب کے طور پر دعوت کر کے لوگوں کو کھلانا شرعاً منع ہے۔

(۹) کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور آپس میں بانٹ کر کھانے کا ثبوت

کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور اسے بانٹنا بخاری شریف کی حدیث پاک سے ثابت ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب سے نکاح فرمایا تو ام سلیم نے بطور ہدیہ کھجور، گھی اور پنیر کا حلوہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بارگاہ رسالت میں بھیجا حضرت انس جب وہ حلوہ لے کر سرکار کی بارگاہ میں حاضر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب لوگوں کو بلالاؤ جب سب آگئے تو حضرت انس فرماتے ہیں:

فرأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وضع یدیہ علی تلک الحیسة وتکلم بھاماشاء اللّٰہ ثم جعل یدعو عشرة عشرة یاکلون منہ ویقول لھم اذکروااسم اللّٰہ ولیأکل کل رجل ممایلیہ.

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اس کھانے پر اپنا دست اقدس رکھا اور جو اللہ کو منظور تھا آپ نے اس کے ساتھ کلام فرمایا پھر آپ نے

دس دس آدمیوں کو کھانے کے لئے بلایا اوران سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کراپنے سامنے سے کھاؤ۔[بخاری،۶/۲ ۷۷،کتاب النکاح،باب الهدية للعروس]

مذکورہ بالا حدیث سے کھانا سامنے رکھ کر پڑھنا بھی اوراس کا بانٹنا بھی ثابت ہوگیا۔

(۱۰)شب براءت کے دن حلوہ پکانا،کھلانا،آتش بازی کرنااورموم بتی جلانے کاحکم

شب براءت میں حلوہ پکانااورموم بتی جلانا بلاشبہ جائز ہے۔البتہ آتش بازی ضرور ناجائزوحرام ہے۔

حضوراعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''حلوہ وغیرہ پکانافقراء پرتقسیم کرنااحباب کوبھیجنا جائز ہے اللہ کے فضل ونعمت پرخوشی کرنے کاقرآن مجید میں حکم ہے جائزخوشی ناجائزنہیں آتش بازی اسراف وگناہ ہے۔''[فتاوی رضویہ جدید،۲۳/۲۴۴ ۷]

حضورصدرالافاضل علیہ الرحمہ شب برأت میں حلوہ بنانے کے جواز پرتفسیر مدارک سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تفسیر مدارک میں ہے

وعن عمربن عبدالعزيزانه كان يشترى اعدال السكرويتصدق بهافقيل له لماتتصدق بثمنهاقال لان السكراحب الى فاردت ان انفق مماحب.

حضرت عمربن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہماشکرکی بوریاں خریدکرصدقہ فرمایاکرتے تھے ان سے کہاگیاکہ آپ اس کی قیمت کیوں صدقہ نہیں کردیتے؟فرمایا:شکرمجھے پسند ہے تومیں چاہتاہوں کہ وہی چیز خرچ

کی آنکھوں میں کوئی بیماری ہوگی۔

امام سخاوی فرماتے ہیں کہ حضرت خضرعلیہ السلام نے فرمایا:

من قال حين يسمع المؤذن يقول اشهدان محمدرسول الله ﷺ مرحبا بحبيبى وقرة عينى محمدبن عبدالله صلى الله عليه وسلم ثم يقبل ابهاميه ويجعلهماعلى عينيه لم يرمدابدا.

جوشخص مؤذن سے اشهدان محمد رسول اللہ سن کر ''مرحبابحبيبى وقرة عينى محمدبن عبدالله ﷺ'' پھر دونوں انگوٹھوں کو چوم کرآنکھوں پررکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

[المقاصدالحسنه، ص ۳۸۴]

انگوٹھا چومنے سے انکارکرنے والوں کے مسلم پیشوا ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

''اس تقبیل کوبعض کتب فقہ میں مستحب لکھاہے''[فتاوی عبدالحی،مترجم،۱۰۰]

مزیدتفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے رسالہ منیفہ ''منيرالعين فى تقبيل الابهامين، اور''نهج السلامة فى حكم تقبيل الابهامين فى الاقامة''کا مطالعہ کریں۔

(۱۲)اذان کے بعدصلاۃ پڑھنےکاشرعی ثبوت

اذان کے بعدجوصلاۃ پڑھی جاتی ہے اسے اصطلاح شرع میں ''تثویب'' کہتے ہیں۔ جمہورعلماء کے نزدیک صلاۃ پڑھنا جائز بلکہ مستحسن اورموجب ثواب فعل ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

''اسے فقہ میں تثویب کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کونماز کی اطلاع اذان سے دے کرپھر دوبارہ اطلاع دینااوروہ شہروں کے عرف پرہے جہاں جس

کروں جو مجھے پسند ہے۔

ثابت ہوا شے مرغوب ومحبوب کا خرچ کرنا اس آیت کی تعمیل ہے۔حلوہ مسلمانوں کو مرغوب ومحبوب ہے اس کو اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں تو اس آیت کے مصداق ہیں''اور اللہ سے اجر پائیں گے۔''[فتاوی صدر الافاضل ۲۳۵،]

علامہ عبدالحی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

''اس بارہ میں کوئی نص اثبات یا نفی کی صورت میں وارد نہیں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر پابندی رسم ضروری سمجھے گا تو کراہت لازم ہوگی ورنہ کوئی حرج نہیں اور یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے تمام مباحات،مندوبات اور بدعات میں۔''[فتاوی عبدالحی مترجم،۱۰۱]

اور مخصوص اوقات میں روشنی سے متعلق حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

تزئین مذکور شرعاً جائزاست قال تعالیٰ قل من حرم زینة اللّٰه التی اخرج لعباده همچناں روشنی بقدر حاجت ومصلحت نیز۔

مذکورہ زیب وزینت شرعاً جائز ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فرما دیجئے کہ اس زینت وزیبائش کو کس نے حرام ٹھہرا دیا ہے جو اس نے بندوں کے لیے ظاہر فرمائی ہے اسی طرح ضرورت ومصلحت کے مطابق روشنی کرنا بھی جائز ہے۔) [فتاوی رضویہ جدید،۲۳/ ۲۵۸]

(۱۱)اذان میں نبی اکرم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے والا کبھی اندھا نہیں ہوگا

یہ امر مستحسن ومستحب ہے۔نام گرامی سن کر انگوٹھیں چومنے والا نہ کبھی اندھا ہوگا نہ ہی اس

طرح اطلاعِ مکرر رائج ہو وہی تثویب ہے۔[فتاوی رضویہ جدید۵/ ۳۶۱]

فقہ کی مشہور ومعروف کتاب مستطاب فتاوی ہندیہ میں ہے:

التثویب حسن عند المتأخرین فی کل صلاة الافی المغرب ......وهورجوع المؤذن الیٰ الاعلام بالصلاة بین الاذان والاقامة وتثویب کل بلدة علی ما تعارفوه.

صلاۃ پکارنا علماء متاخرین کے نزدیک سوائے مغرب کے ہر نماز میں اچھا ہے۔ اور تثویب مؤذن کا اذان اور اقامت کے درمیان نماز کے لئے دوبارہ اعلان کرنے کا نام ہے اور کل شہر کی تثویب وہ ہے جس سے لوگ متعارف ہوں۔ [ج، ۱ ص ۵۶ الباب الثانی فی الاذان] وهكذا فی اکثر کتب الفقه.

علاوہ ازیں دیوبندی مکتبہ فکر کی مسلمہ شخصیت علامہ عبدالحی لکھنوی کی کتاب معین المفتی والسائل میں بھی تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے۔علامہ فرماتے ہیں:

التثویب بعد الاذان احدثه علماء الکوفة ولم یرابویوسف به بأساً لمن یشغل لمهمات الامور کالامیروالقاضی واستحسنه المتأخرون فی جمیع الصلوات کذافی الکفایة.

اس عربی عبارت کا ترجمہ دیوبندی مفتی عتیق مظاہری استاد حدیث دارالعلوم جامع الہدیٰ گل شہید مراد آباد نے اس طرح کیا ہے

اذان کے بعد تثویب کو علماء کوفہ نے ایجاد کیا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی حرج نہیں ہے جو اہم امور میں مشغول ہیں جیسا کہ امیر اور قاضی اور متاخرین نے اس کو تمام نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ کفایہ میں ہے۔

[معین المفتی والسائل، ص ۱۷۱]

تثویب (صلاۃ) کی اگر مزید تفصیل درکار ہو تو حضور اعلیٰ حضرت کے فتاوی رضویہ اور آپ کے شہزادے حضور مفتی اعظم ہند کی کتاب ''القول العجیب فی جواز التثویب'' کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱۳) جمعہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر سنت ہے

خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر سنت ہے۔سنن ابوداؤد میں حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے:

قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبریوم الجمعة علی باب المسجد.

[سنن ابوداود،کتاب الصلاۃ باب النداء یوم الجمعة،ص ۱۵۵]

علامہ ابن رجب شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وقدخرج ابو داؤد ھٰذا الحدیث من طریق ابی اسحاق....ففی ھٰذہ الروایة زیادة ان ھٰذا الاذان لم یکن فی نفس المسجدبل علیٰ بابه بحیث یسمعه من کان فی المسجدومن کان فی الخارج لیترک اھل الاسواق البیع ویسرعوا الی السعی الی المسجد.

(ابوداؤد نے ابواسحاق کے طریق سے اس حدیث کی تخریج کی .... تو اس روایت میں یہ زیادہ ہے کہ اذان مسجد کے اندر نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کے دروازے پر ہوتی تھی تاکہ جولوگ مسجد میں ہیں اور جو خارج مسجد ہیں اذان سنیں بازار والے خرید وفروخت چھوڑ کر جلد مسجد میں آنے لگیں[فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن رجب الحنبلی، کتاب الصلاۃ باب الاذان یوم الجمعة،۲۰۴/۶]

اذااقیمت الصلاۃ فلاتقوموا حتی ترونی.

جب نماز قائم ہو تو جب تک مجھے نہ دیکھ لو کھڑے مت ہو۔

[صحیح البخاری،باب متی یقوم الناس ، ۸۸/۱]

ملاعلی قاری اس حدیث شریف کی شرح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ولعله علیه السلام کان یخرج من الحجرة بعدشروع المؤذن فی الاقامة ویدخل فی محراب المسجدعندقوله حی علی الصلاۃ ولذاقال ائمتناویقوم الامام والقوم عندحی علی الصلاۃ

غالباً نبی اکرم ﷺ حجرہ سے موذن کے اقامت شروع کر دینے کے بعد نکلتے تھے اور موذن کے قول حی علی الصلاۃ کے وقت مسجد کی محراب میں داخل ہوتے تھے اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ امام اور قوم حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح،باب الاذان،۳۱۸/۲]

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

عن ابی حنیفة یقومون اذاقال حی علی الفلاح.

ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح کہے۔

[فتح الباری لابن حجر،باب متی یقوم الناس،۴۵۱/۲]

تحفۃ الملوک لزین الدین الرازی الحنفی میں ہے:

السنة قیام الامام والقوم عند قول المؤذن حی علی الفلاح.

امام اور قوم کا موذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا سنت ہے۔

اوراندرونِ مسجداذانِ خطبہ بلکہ ہراذان ممنوع ومکروہ خلاف سنت ہے۔
فتاوی عالمگیری میں ہے:

وینبغی ان یؤذن علی المأذنة اوخارج المسجد ولا یؤذن فی المسجدکذافی فتاوی قاضی خان.

اذان مئذنہ یاخارج مسجد دینا چاہیے مسجد میں اذان نہیں دینا چاہئے ایساہی فتاوی قاضی خان میں ہے)[الباب الثانی فی الاذان، ۱/ ۵۵]
حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ویکرہ ان یؤذن فی المسجد کمافی القھستانی.

مسجد میں اذان مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے۔
[باب الاذان،ص۱۹۷]
حضوراعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''فتاوی امام اجل قاضی خاں وفتاوی خلاصہ وبحرالرائق شرح کنزالدقائق وشرح نقایہ للعلامۃ عبدالعلی البرجندی وفتاوی عالمگیریہ وحاشیۃ العلامۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح وفتح القدیرشرح ہدایہ وغیرہامیں اس کی منع وکراہت کی تصریح فرمائی الخ''[فتاوی رضویہ جدید،۶/۳۶۳]

مزیدتفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کارسالہ منیفہ'' اوفی اللمعة فی اذان یوم الجمعة''اور''شمائم العنبرفی النداء بازاء المنبر''ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۴)تکبیربیٹھ کرہی سنناچاہیے

تکبیربیٹھ کرسنناچاہیے کہ سنت ہے،کھڑے ہوکرسننامکروہ وممنوع خلاف سنت ہے۔
حدیث شریف میں ہے:

[جلد ۱ ص ۶۸،باب موضع تکبیرالامام]
امام کاسانی فرماتے ہیں:

ان المؤذن اذاقال حی علی الفلاح فان کان الامام معھم فی المسجدیستحب للقوم ان یقوموافی الصف

مؤذن جب حی علی الفلاح کہے تواگرامام مقتدیوں کے ساتھ ہومسجد میں توقوم کے لئے صف میں کھڑاہوجانامستحب ہے۔ [بدائع الصنائع]
مجمع الانہرشرح ملتقی الابحرمیں ہے:

اذاقال المؤذن فی الاقامة حی علی الصلاة قام الامام والجماعة عندعلمائناالثلاثة للاجابة ....وفی الوقایةو یقوم الامام والقوم عندحی علی الصلاة.

جب مؤذن اقامت میں حی علی الصلاۃ کہے توامام اورجماعت ہمارے تینوں علما کے نزدیک جواب دینے کے لئے.....اوروقایہ میں ہے کہ امام اورقوم حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہوجائیں۔ [۲۱۱/۱]
محیط برہانی میں ہے:

یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثةرحمھم الله.

ہمارے تینوں علماکے نزدیک امام اورقوم مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوجائیں۔ [آداب الصلاة،۲/ ۱۶]
کتاب المبسوط للشیبانی میں ہے:

اذا کان الامام معھم فی المسجدفانی احب الیھم ان یقوموافی الصف اذاقال المؤذن حی علی الفلاح.

جب امام مسجد میں مقتدیوں کے ساتھ ہوتو مجھے محبوب ہے کہ وہ مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت صف میں کھڑے ہوجائیں۔

[باب افتتاح الصلاۃ، ج ۱/ص ٦]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

اذادخل الرجل عند الاقامة یکره له الانتظارقائماولکن یقعده ثم یقوم اذابلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح ...... کان القوم مع الامام فی المسجدفانه یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علی الفلاح عندعلمائناالثلاثة وهو الصحیح.

جب کوئی شخص داخل ہواقامت کے وقت تواس کوکھڑے ہوکرانتظارکرنامکروہ ہے بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو.....اوراگرقوم امام کے ساتھ ہومسجد میں ہوتو ہمارے تینوں علما کے نزدیک امام اورقوم مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہو جائیں۔ [۱/۵۷،الفصل فی کلمات الاذان والاقامة]

ردالمحتار میں ہے:

یکره له الانتظارقائماولکن یقعدثم یقوم اذابلغ المؤذن حی علی الفلاح

کھڑے ہوکرانتظارکرنامکروہ ہے بیٹھ جائے پھرجب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے توکھڑاہو۔[باب الاذان،۲/۷۱]

علاوہ ازیں کتابوں میں کہیں حی علی الصلاۃ اورکہیں حی علی الفلاح پرکھڑے ہونے کا ذکر ہے۔اس سے متعلق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں

اقول ولاتعارض عندی بین قول الوقایة واتباعهایقومون عندحی علی الصلاةوالمحیط والمضمرات ومن

ہیں ایک روایت میں فرض دوسری میں سنت مؤکدہ اورتیسری میں واجب آخری قول صحیح ہے(یعنی وجوب کا)ایساہی محیط سرخسی میں ہے۔

[باب صلاۃ الوتر ،۱/۱۱۱]

نمازوتر اگروقت پرادانہ ہوئی تواس کی قضاواجب ہے۔امام بیہقی فرماتے ہیں:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذااصبح احدکم ولم یوترفلیوتر.

اورحضرت ابوسعیدخدری سے مروی حدیث کچھ اس طرح ہے:

عن ابی سعیدالخدری قال قال رسول الله ﷺ من نام عن وتره اونسیه فلیصله اذااصبح اوذکره.

ان احادیث کوذکرکرنے کے بعدامام بیہقی فرماتے ہیں:

وفی کل ذالک دلالة علی قضاء الوتر.

[معرفة السنن والآثار للبیهقی باب وقت الوتر ،رقم ،۱۴۲۱]

ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

مذهب ابی حیفة انه یجب قضاء الوتر.

ابوحنیفہ کامذہب ہے کہ وتر کی قضاءواجب ہے۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح،باب الوتر:۳/۳۰۱]

امام کاسانی فرماتے ہیں:

لزمه قضاء الوترکمایلزمه قضاء العشاء. [بدائع الصنائع]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ویجب القضاء بترکه ناسیااوعامداوان طالت المدة.

[باب صلاۃ الوتر ،۱/۱۱۱]

معهما عند حی علی الفلاح فانااذاحملنا الاول علی الانتهاء والآخر علی الابتداء اتحد القولان ای یقومون حین یتم المؤذن حی علی الصلاة ویأتی علی الفلاح.

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک صاحب وقایہ اوران کے متبعین کا حی علی الصلاۃ پر قیام کے قول اور صاحب محیط ومضمرات اوران کے متبعین کا حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے قول میں کوئی تعارض نہیں ہم پہلے کو انتہا اور دوسرے کو ابتدا پر محمول کرلیں تو دونوں قول متحد ہوجائیں گے یعنی جب مؤذن حی علی الصلاۃ پوری کرلے اور حی علی الفلاح شروع کرے تو سب کھڑے ہوں۔ [۳۸۰/۵]

(۱۵) وتر کی نماز واجب ہے اوراس کی قضا بھی واجب

مجمع الزوائد للہیثمی میں ہے:

عن عبداللہ بن مسعود عن النبی ﷺ قال الوتر واجب علی کل مسلم.

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر ہر مسلمان پر واجب ہے۔ [مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۲۸۳/۲، رقم ۳۴۴۰]

فتاویٰ کی مشہور ومعتبر کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

عن ابی حنیفة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه فی الوتر ثلاث روایات فی روایة فریضة وفی روایة سنة مؤکدة وفی روایة واجب وهی آخر أقواله وهو الصحیح کذافی محیط السرخسی

ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ وتر سے متعلق تین روایتیں

(۱۶) نماز میں دوسرے مقتدی سے مل کر کھڑے ہونا چاہیے

حالت نماز میں ہر مقتدی کو دوسرے مقتدی کے کاندھے سے کاندھا اورقدم سے قدم ملانا چاہیے اور چار انگلیوں کا فاصلہ رکھنا ثابت نہیں، احادیث رسول وآثار صحابہ اور اقوالِ فقہاء سے یہی ثابت ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

قال النعمان بن بشیر رأیت الرجل منایلزق کعبه بکعب صاحبه

نعمان بن بشیر نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر آدمی اپنے ٹخنوں کو اپنے ساتھی کے ٹخنوں سے ملائے ہوئے ہے۔

[۱۰۰/۱ باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف]

مزید بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

عن انس عن النبی ﷺ قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظهری وکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه.

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ صفوں کو برابر کرو میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں اورہم سبھی لوگ اپنے کاندھے اور ٹخنے اپنے برابر والے کے کاندھے اورٹخنوں سے ملادیتے تھا۔ (مرجع سابق)

بخاری کی اوّل الذکر عبارت کی شرح فرماتے ہوئے شارح بخاری فرماتے ہیں:

''الزاق منکب بمنکب وکعب بکعب'' کے معنی یہ مراد لئے ہیں کہ خوب مل کر کھڑے ہوں اور یہ اتصال صفوف میں مبالغہ پر محمول ہے انسان کے جسم کی ساخت ایسی ہے کہ مونڈھوں سے مونڈھے اچھی طرح ملانے کے بعد بھی ٹخنوں سے ٹخنے ملانے میں کافی تکلف ومشقت اُٹھانی پڑے گی.... بالکل چپکنا مرادنہیں ہوتا ہے.....تو اب ''الزاق کعب بکعب''

کا مطلب ہوا کہ ایک کے ٹخنے دوسرے سے اتنے قریب ہوتے جو نمازی کے حال کے مناسب ہے۔" [نزهة القاری شرح بخاری ۳/۱۸۳]

امام علاء الدین سمرقندی فرماتے ہیں:

روی عن رسول اللہ ﷺ انہ قال فی تسویة الصفوف ألصقوا الکعاب بالکعاب والمناکب بالمناکب.

رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے آپ نے صفوں کو سیدھا کرنے کے سلسلے میں فرمایا ٹخنوں سے ٹخنے ملاؤ اور مونڈھوں سے مونڈھے ملاؤ۔

[تحفة الفقهاء، ۱/۱۱] وهکذا فی بدائع الصنائع ایضاً.

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وردکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه.

وارد ہوا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے اور قدم کو دوسرے کے مونڈھے اور قدم سے ملاتا تھا۔ [ص، ۳۰۶، کتاب الصلاة]

حبیب الفتاوی میں ردالمحتار کے حوالہ سے ہے:

ومعنی المحاذاة بالقدم المحاذاة بعقبه

قدم سے قدم ملانے کا مطلب ایڑی سے ایڑی کو ملانا ہے۔ [ص ۳۶۰]

مذکورہ بالا تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ شرع میں ہر ایک مقتدی کا اپنے برابر والے مقتدی سے بغیر مشقت اس طرح مل کر کھڑا ہونا کہ دونوں کے بیچ خلا نہ رہے ضروری ہے قدم سے قدم چپکانا ضروری نہیں چار اُنگل کا فاصلہ رکھنا بھی مشروع نہیں ہے۔

(۱۷) بعد نماز دعا کے لئے قبلہ سے منھ پھیر لینا سنت ہے

بعد نماز قبلہ سے منھ پھیر لینا اور دعا کرنا دونوں باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

النبی ﷺ ینحرف من صلاته عن یمینه وعن شماله.

حضرت حارثی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ نبی ﷺ اپنی نماز سے (فراغت کے بعد) دائیں اور بائیں پھرتے تھے۔ [معرفة السنن والاثار للبیهقی الباب الانصراف المصلی]

ہم ان ہی احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ اس موضوع پر اور بھی احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔ جن سے صاف ظاہر کہ نبی ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دائیں یا بائیں یا سامنے متوجہ ہوتے اور پھر دعا فرماتے تھے۔

(۱۸) نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا جواز

مصافحہ مطلق سنت مستحبہ ہے چاہے کسی وقت ہو۔ ہاں خاص فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کی عادت مسنون نہیں البتہ نفس مصافحہ کے سبب سنت کا ثواب عامل ضرور پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام وفقہاء عظام نے فجر اور عصر ہی نہیں بلکہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کے جواز بلکہ اس کے مسنون ہونے کو ثابت فرمایا ہے۔ کہ اس میں نفس مصافحہ ملحوظ وموجود ہے۔

علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ بخاری شریف کی شرح "فتح الباری" میں امام نووی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

قال النووی "واما تخصیص المصافحة بمابعد صلاتی الصبح والعصر فقد مثل ابن عبدالسلام فی "القواعد" البدعة المباحة منها قال النووی واصل المصافحة سنة وکونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال لا یخرج ذالک عن اصل السنة. [فتح الباری، کتاب الاستئذان باب المصافحة]

امام نووی نے فرمایا صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کی تخصیص کو ابن عبدالسلام نے اپنی کتاب قواعد میں "بدعت مباحہ" بتایا ہے اسی لئے امام

عن البراء قال كنااذاصلينا خلف رسول الله ﷺ احببناان نكون عن يمينه يقبل علينابوجهه قال فسمعته يقول رب قني عذابك يوم تبعث اوتجمع عبادك.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے تو آپ ﷺ کے داہنے طرف کھڑے ہونا زیادہ پسند کرتے کیونکہ آپ (بعد نماز) ہماری طرف متوجہ ہوتے اور حضرت براء کہتے ہیں کہ پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا وہ کہہ رہے تھے اے رب مجھے اس دن کے عذاب سے محفوظ رکھ جس دن تو اپنے بندوں کو اُٹھائے گا اور جمع فرمائے گا۔

[۱/۲۴۷ باب جوازالانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال]

اس حدیث سے صاف ظاہر کہ نماز کے بعد نبی علیہ السلام قبلہ سے انحراف فرماتے اور دعا فرماتے۔ اسی کتاب مستطاب کی دوسری حدیث میں اس طرح ہے

عن عبدالله لايجعلن احدكم للشيطان من نفسه جزءاً لايرىٰ الا ان حقاً عليه ان لاينصرف الاعن يمينه اكثرمارأيت رسول الله ﷺ ينصرف عن شماله.

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی طرف سے شیطان کے لیے کوئی حصہ مقرر نہ کرے ضروری ہے اس کے لئے کہ وہ داہنی طرف پھر جائے اور بسا اوقات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف بھی پھرتے دیکھا ہے۔ [مرجع سابق]

اس حدیث سے نبی ﷺ کا نماز کے بعد دائیں بائیں دونوں طرف پھرنا ثابت ہے۔ مزید امام بیہقی فرماتے ہیں:

عن ابى الاوبرالحارثى قال سمعت اباهريرة يقول كان

نووی نے فرمایا کہ مصافحہ کی اصل سنت ہے اور لوگوں کا بعض حالتوں میں اس کی محافظت کرنا (یعنی پابندی کرنا) اسے اصل سنت سے نہیں نکال دے گا۔

صاحب ردالمختار امام نووی کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال الشيخ ابوالحسن البكرى "وتقييده بمابعدالصبح والعصرعلى عادة كانت فى زمنه والافعقب الصلوات كلهاكذالك كذافى رسالة الشرنبلالى فى المصافحة ونقل مثله عن الشمس الحانوتى.

شیخ ابوالحسن بکری نے فرمایا: امام نووی نے مصافحہ کو صبح اور عصر کے بعد کی قید کے ساتھ اس لئے بیان کیا کہ ان کے زمانے میں یہی معمول تھا ورنہ مصافحہ تو تمام نمازوں کے بعد ایسا ہی ہے (یعنی سنت ہے) ایسا ہی شرنبلالی کے رسالہ میں جو مصافحہ کے بیان میں ہے اور ایسا ہی شمس حانوتی سے منقول ہے۔ [ردالمحتار، کتاب الحظروالاباحة باب الاستبراء ۹/۵۴۷]

نیز درمختار میں عصر کے بعد مصافحہ کو "**بدعت مباحہ حسنہ**" قرار دیا ہے [مرجع سابق]

علامہ طحطاوی بھی ہر نماز کے بعد مصافحہ کو سنت قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

المصافحة فهى سنة عقب الصلاة كلهاوعندكل لقى

مصافحہ تمام نمازوں کے بعد اور ملاقات کے وقت سنت ہے۔

[حاشیہ مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، ۵۳۰]

امام نووی شارح جامع صغیر نے بدعت کی پانچ قسمیں فرماتے ہوئے فجر وعصر کے بعد مصافحہ کو "**بدعت مباحہ**" قرار دیا ہے لکھتے ہیں

البدعة خمسة انواع ...مباحة كالمصافحة عقب صبح وعصر.

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں (چوتھی) مباحہ جیسے صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا۔[فیض القدیر شرح جامع صغیر،۱،۵۶۸]

علامہ ابن حجر اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

ومن البدع المباحة المصافحة بعدالصلاة.

نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز بدعتوں میں سے ہے۔

[فتاوی حدیثیہ،۱/۱۵۰]

علاوہ ازیں منکرین کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنے رسالہ نذور میں بھی فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کو ''بدعت حسنہ'' (اچھی بدعت) تحریر کیا ہے

همه اوضاع ازقرآن خوانی و فاتحه خوانی وخورانیدن طعام سوائے کندن چاه وامثاله دعاواستغفارواضحیه بدعت است بدعتِ حسنه بالخصوص است مثل معانقه روزعیدومصافحه بعدنماز صبح یاعصر۔

کنواں کھودنے اور دعا و استغفار اور قربانی اور اس کے مثل (جو احادیث سے ثابت ہوں) کے علاوہ قرآن خوانی فاتحہ خوانی کھانے کھلانا سب طریقے بدعت ہیں۔ خاص کر عید کے دن گلے ملنا فجر وعصر کے بعد مصافحہ کرنا بدعت حسنہ ہیں)[رسالہ نذور بحوالہ فتاوی رضویہ جدید،۸/۶۱۴]

حاصل کلام: مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا من حیث الاصل سنت اور من حیث الخصوص جائز اور نیک نیتی کے سبب محمود و مستحسن ہے،یعنی مصافحہ چونکہ مطلقاً سنت ہے اس لئے سنت اور خاص اسی وقت چونکہ حدیث سے ثابت نہیں اس لئے جائز کہ اس کے منع پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ اور نیک ارادے سے مصافحہ کرنا اچھا اور پسندیدہ ہے۔

فلایجوز حلقها ولانتفها ولاقص الکثیر منها کذا فی التنقیح

داڑھی کا مونڈنا اکھیڑنا اور زیادہ تراشنا (کہ حد شرع سے کم ہو جائے) جائز نہیں ہے ایسا ہی تنقیح میں ہے۔[فیض القدیر شرح جامع صغیر ۱/۲۵۶]

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''ریش ایک مشت یعنی چار اُنگل تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز ہے'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۲/۵۸۱]

مزید فرماتے ہیں:

''داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب'' [مرجع سابق،۶/۶۰۳]

اور حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں:

''داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں سے ہے اور اس کا کاٹنا قدر قبضہ پہنچنے سے قبل حرام ہے.....اس کا عامل اور مصر فاسق معلن ہوا اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی کمافی عامۃ المتون والشروح ولفتاوی من کراھۃ امامۃ الفاسق اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے'' [فتاوی صدر الافاضل ۴۲۴]

(۲۰) داڑھی کی شرعی مقدار

داڑھی کی کم سے کم مقدار ایک مشت یعنی چار اُنگل ہے۔سنن ابو داؤد میں حضرت مروان بن سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

رأیت عبداللّٰه بن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهمایقبض علی لحیته فیقطع مازادعلی الکف.

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ داڑھی کو مٹھی

(۱۹) داڑھی منڈانا حرام اور اس کے مرتکب کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی

داڑھی کا مقدار سے کم رکھنا یا بالکل منڈا دینا ناجائز وحرام باعث عذاب شدید ہے اس کا مرتکب فاسق ہے اسے امام بنانا گناہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث شریف میں ہے:

قال ذكر رسول الله ﷺ المجوس فقال انهم يؤفرون سبالهم ويحلقون لحاهم فخالفوهم.

نبی اکرم ﷺ نے مجوس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں مونڈتے ہیں تو تم ان کی مخالفت کرو۔

[السنن الكبرى للبيهقي، ۱/۱۵۱]

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عشر خصال عملها قوم لوط بها أهلكوا .... قص اللحية.

(قوم لوط دس عادتوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے ان میں سے ایک داڑھی منڈانا ہے۔[فيض القدير شرح جامع صغير، ۴/۴۱۱]

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

وكان من عادة الفُرس قص اللحية فنهى الشرع عن ذالك وقد ذكر العلماء في اللحية عشر خصال مكروهة بعضها اشد قبحا من بعض احداها.....حلقها

فارسیوں کی عادت تھی داڑھی منڈانا شریعت نے اس سے منع فرمایا اور علماء نے داڑھی کے سلسلے میں دس مکروہ عادتیں بیان کی ہیں جن میں سے بعض بعض سے بُری ہیں انہیں میں سے ایک داڑھی منڈانا ہے۔[۱/۴۱۴]

علامہ مناوی فرماتے ہیں:

میں لیکر ایک مشت سے زائد کو کاٹ دیتے۔ [سنن ابو داؤد كتاب الصيام باب القول عندالافطار، ص ۳۲۱]

فیض القدیر شرح جامع صغیر میں علامہ مناوی فرماتے ہیں:

وكان بعض السلف يقبض على لحيته فيأخذ ماتحت القبضة.

بعض سلف اپنی داڑھی پکڑ کے مٹھی کے نیچے کی کاٹ دیتے۔ [جلد ۵، صفحہ ۲۵۳ رقم ۶۹۳۳]

ملا علی قاری علیہ الرحمہ امام محمد غزالی کی کتاب مستطاب احیاء العلوم کے حوالے سے شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

ان قبض الرجل على لحيته وأخذ ماتحت القبضة فلا بأس به وقد فعله ابن عمر وجماعة من التابعين واستحسنه الشعبي وابن سيرين.

آدمی کا اپنی داڑھی کو مٹھی میں لینا اور مٹھی سے زائد کو کاٹ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے عبداللہ بن عمر اور تابعین کی جماعت نے ایسا ہی کیا اور شعبی وابن سیرین نے بھی اس کو اچھا جانا۔[مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، ۸/۲۸۵، كتاب الباس باب الترجل]

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وكان أبو هريرة يقبض على لحيته فيأخذ مافضل.

حضرت ابو ہریرہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے کر زائد کو کاٹ دیتے۔[عمدة القاري شرح بخاری، ۱۵/۹۱، كتاب اللباس باب اعفاء اللحى]

مذکورہ بالا عبارات سے صحابہ اور تابعین کا ایک مشت داڑھی رکھنا ثابت ہے اس سے کم کا کہیں ثبوت نہیں اسی لئے علماء کرام خصوصاً احناف کے نزدیک ایک مشت داڑھی رکھنا واجب

ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

گزاشتن آں بقدر قبضہ واجب است

داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے۔[اشعۃ اللمعات]

(۲۱) مونچھیں بالکل صاف کردینا بہتر نہیں

مونچھ سے متعلق حدیث میں ''احفوا الشوارب وقصوا الشوارب'' دونوں الفاظ وارد ہوئے ہیں علامہ ابن حجر ان دونوں سے متعلق فرماتے ہیں:

فان القص یدل علی اخذ البعض والاحفاء یدل علی اخذ الکل وکلاھما ثابت فیتخیر فیما شاء

قص سے مراد بعض (بالوں) کا لینا اور احفاء سے کل (بالوں) کا لینا اور یہ دونوں ثابت ہیں تو جسے چاہو اختیار کرو۔

[فتح الباری شرح البخاری، ۱۶/۴۷۹]

یعنی اگر چاہو تو بالکل صاف کرلو اگر چاہو تو کچھ باقی رکھو۔

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

فقال الطحاوی ذھب قوم من أھل المدینۃ الی ان قص الشارب ھو المختار علی الاحفاء قلت ارادبالقوم ھؤلاء سالما و سعیدبن المسیب وعروۃ بن الزبیر وجعفربن الزبیر وعبیداللّٰہ بن عبداللّٰہ بن عتبۃ وأبابکربن عبدالرحمن بن االحارث فانھم قالوا المستحب ھو ان یختارقص الشارب علی احفائہ والیہ ذھب حمیدبن ھلال والحسن البصری ومحمدبن سیرین وعطاء بن ابی رباح وھومذھب مالک أیضاً وقال عیاض ذھب کثیرمن السلف الیٰ منع

قص الشارب فسنۃ ایضاً .... واما حدمایقصہ فاالمختارانہ یقص حتی یبدوطرف الشفۃ ولایحقّہ من اصلہ واما روایات احفوا الشوارب فمعناھااحفوا ماطال علی الشفتین.

مونچھ تراشنا بھی سنت ہے اور اس کی حد میں مختار یہ ہے کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہونے تک تراشے اور بالکل نہ تراشے اور مونچھ کو تراشنے کی روایتوں کا معنی دونوں ہونٹوں سے جو بال لمبے ہوں انہیں تراشنا ہے۔

[شرح النووی علی المسلم، ۱/۱۴۴]

فیض القدیر میں ہے:

حلقہ بالکلیۃ فمکروہ علی الاصح عندالشافعیۃ و صرح مالک بانہ بدعۃ.

مونچھ بالکل منڈانا مذہب صحیح میں مکروہ ہے شوافع کے نزدیک اور امام مالک نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔[ج۱،ص/۲۵۵]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ فرماتے ہیں:

لیکن بودن مذھب حنفی افضلیت حلق شارب محل تردد است بآنکہ ظاھر از کتب ایشاں آنست کہ سنت قص اوست وساختن اومثل حاجب وگفتہ اندکہ بہ ناخذوعلیہ الفتوے۔

لیکن مذہب حنفی میں مونچھ منڈانا محل غور ہے علماء احناف کی کتب سے ظاہر یہ ہے کہ مونچھ پست کرنا سنت ہے اور کہا گیا ہے کہ اسی کو لیتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔[شرح سفر السعادۃ ۴۹۴ فصل درقص شارب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم]

فقہ حنفی کی معتبر ومستند کتاب بدائع الصنائع میں ہے:

الحلق ......وقال الطحاوی و خالفهم فی ذالک آخرون فقالوا بل یستحب احفاء الشوارب ونراه افضل من قصها قلت اراد بقوله الاخرون جمهور السلف منهم اهل الکوفة و مکحول و محمد بن عجلان و نافع مولیٰ بن عمرو ابو حنیفة و ابو یوسف و محمد رحمهم اللّٰه فانهم قالوا المستحب احفاء الشوارب و هو افضل من قصها''

امام طحاوی نے فرمایا: مدینہ والوں میں ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ مونچھ پست کرنا بالکل ختم کرنے سے بہتر ہے میں کہوں گا کہ یہاں ''قوم'' سے مراد سالم، سعید بن مسیّب، عروۃ بن زبیر، جعفر بن زبیر، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ اور ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مونچھ بالکل ختم کرنے سے پست کرنا مستحب ہے اور اسی طرف حمید بن ہلال، حسن بصری، محمد بن سیرین اور عطاء بن ابی رباح گئے ہیں اور یہی مذہب امام مالک کا بھی ہے اور حضرت عیاض نے فرمایا کہ بہت سے اسلاف مونچھ منڈانے کی ممانعت کی طرف گئے ہیں.....اور طحاوی نے فرمایا کہ اس سلسلے میں ان لوگوں کی بہت سے لوگوں نے مخالفت کی کہا ان لوگوں نے کہ مونچھوں کا بالکل ختم کردینا مستحب ہے اور وہ مونچھ پست کرنے سے زیادہ افضل ہے میں کہوں گا کہ ان کے ''قوم الاخرون'' سے مراد جمہور سلف ہیں ان میں سے اہل کوفہ، مکحول، محمد بن عجلان، نافع مولیٰ بن عمر، ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد ہیں اللہ رحم فرمائے ان سب پر ان لوگوں نے فرمایا کہ مستحب مونچھ بالکل صاف کردینا ہے اور وہ پست کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ [عمدۃ القاری شرح البخاری، ۱۵/۸۸، باب قص الشارب]

نیز امام نووی مونچھ منڈانے سے متعلق فرماتے ہیں:

قوله ''اخذ من شاربه'' اشارة الی القص وهو السنة فی الشارب لا الحلق وذکر الطحاوی فی شرح الآثار'' ان السنة فیه الحلق ونسب ذالک الی أبی حنیفة وأبی یوسف و محمد رحمهم اللّٰه و الصحیح ان السنة فیه القص لما ذکرنا أنه تبع للحیة و السنة فی اللحیة القص لا الحلق کذا فی الشارب.

ان کے قول'' اخذ من شاربه'' کا اشارہ قص یعنی مونچھ کا پست کرنا ہے نا کہ حلق یعنی منڈانا اور امام طحاوی نے شرح آثار میں مونچھ کا منڈانا سنت بیان کیا ہے اور اسے امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے اور صحیح مونچھ کا پست کرنا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ مونچھ داڑھی کے تابع ہے اور داڑھی کا تراشنا سنت ہے نا کہ منڈانا، ایسا ہی مونچھ میں ہے۔ [۲/۴۲۲، کتاب الحج]

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''لبوں کی نسبت یہ حکم ہے کہ لبیں پست کرو کہ نہ ہونے کے قریب ہوں البتہ منڈانا نہ چاہیے اس میں علماء کو اختلاف ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۲۲/۶۰۶]

الحاصل: عباراتِ بالا کی روشنی میں ثابت ہوا کہ مونچھ منڈانا سنت نہیں بلکہ مونچھ کا تراشنا یعنی پست کرنا سنت ہے۔

(۲۲) قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں

غیر مسلموں کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے

الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات'' [فتاوی رضویہ جدید،۲۰/۴۵۷]

صدرالشریعہ فرماتے ہیں:

''یہاں کے کفار کو قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہئے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں اور حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں'' [فتاوی امجدیہ،۳/۳۱۸]

(۲۳) مرنے کے بعد میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینے کا حکم

ضرورتاً بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے لیکن شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔

فتاویٰ نوازل السمرقندی میں ہے:

والمرأة تغسل زوجها عندالضرورة لبقاء الزوجیة من زوجه وھی العدة والزوج لایغسل زوجته.

عورت اپنے شوہر کو بوقت ضرورت غسل دے سکتی ہے شوہر کی جانب سے نکاح باقی رہنے کی وجہ سے اور وہ عدت ہے اور شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا ہے۔[ص ۱۲۰: باب غسل المیت]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

یجوز للمرأة أن تغسل زوجها اذالم یحدث بعد موته مایوجب البینونة من تقبیل ابن زوجها أوابیه وان حدث ذالک بعد موته لم یجزلها غسله وأماهو فلایغسلها عندنا کذافی السراج الوهاج.

عورت کے لئے اپنے شوہر کو غسل دینا جائز ہے جب کہ نکاح کو ختم کردینے والی کوئی بات ظاہر نہ ہو جیسے اپنے شوہر کے بیٹے یا باپ کو بوسہ دینا اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو عورت کے لیے شوہر کو غسل دینا جائز نہ ہوگا اور رہی بات شوہر کو تو وہ ہمارے نزدیک بیوی کو غسل نہیں دے

بیوی کو غسل دینے کے لئے کوئی عورت موجود نہ ہو تو شوہر بیوی کو تیمّم کرائے۔

[مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، ص،۵۷۲]

(۲۴) قبر کے اندر عہدنامہ رکھنے سے عذاب قبر دور ہوتا ہے

عہدنامہ قبر میں رکھنا جائز و مستحسن باعثِ برکت اور موجب نجات ہے۔ فتاویٰ بزازیہ لابن البزازالکردری میں ہے:

وذکر الامام الصفار لوکتب علی جبهة المیت أوعلیٰ عمامته أو کفنه عهدنامه یرجی ان یغفرالله تعالیٰ للمیت و یجعله آمنامن عذاب القبرقال نصیرھٰذه روایة فی تجویزوضع عهدنامه مع المیت.

امام صفار نے بیان کیا کہ اگر میت کی پیشانی ،عمامہ یا کفن پر عہدنامہ لکھ دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اسے عذاب قبر سے محفوظ فرمائے گا۔

[فتاوی بزازیہ مع الهندیه، کتاب الاستحسان،۶/۳۷۹،۳۸۰]

فتاویٰ رضویہ میں علامہ امام فقیہ ابن عجیل کے حوالے سے ہے:

''امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہدنامہ کی نسبت فرمایا''اذاکتب ھٰذا الدعاءُ وجعل مع المیت فی قبره وقاه الله فتنة القبر وعذابه'' (جب اس دعا کو لکھ کر میت کے ساتھ رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ میت کو فتنہ قبر اور عذاب قبر سے محفوظ و مامون فرمائے گا) [فتاوی رضویہ جدید،۹/۱۰۹]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت کا رسالہ منیفہ

'' الحرف الحسن فی الکتابة علی الکفن ''ملاحظہ فرمائیں۔

سکتا ہے ایسا ہی سراج وہاج میں ہے۔

[الفتاوی الھندیة، ۱/ ۱۶۰، الباب فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل]

النہر الفائق میں ہے:

لایغسل الرجل امرأته

مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے گا [۱/۳۸۴]

درمختار میں ہے:

یمنع زوجھا من غسلھا ومسھا لا من النظر

ممنوع ہے شوہر کا بیوی کو غسل دینا اور چھونا البتہ دیکھنا منع نہیں۔

ردالمختار میں ہے:

المرأة تغسل زوجھا لأن اباحة الغسل مستفادة بالنکاح فتبقی مابقی بالنکاح والنکاح بعد الموت باق الی أن تنقضی العدة.

عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اس لیے کہ غسل کا جوازِ نکاح سے مستفاد ہے تو جب تک نکاح باقی ہے حکم جواز باقی ہے اور نکاح شوہر کی موت کے بعد عورت کی عدت پوری ہونے تک باقی رہتا ہے۔ [الدر المختار مع ردالمحتار، ۳/ ۹۰، ۹۱، باب صلاة الجنازة]

البتہ بوقت ضرورت شوہر بیوی کو بجائے غسل کے تیمّم کرا سکتا ہے جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے:

الرجل فأنه لایغسل زوجته لانقطاع النکاح واذالم توجد امرأة لتغسیلھا ییممھا

مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا نکاح منقطع ہونے کے سبب اور جب

(۲۵) دفن کے بعد قبر پر اذان پڑھنا فعل مستحسن ہے

جائز و مستحسن ہے اور حدیث سے اس کی اصل نکلتی ہے۔

علاوہ ازیں اس کے جائز ہونے کو اتنا کافی ہے کہ اس میں اللہ اور رسول کا ذکر مقدس ہے اور اللہ اور اس کے رسول کا ذکر جب ہو جہاں ہو فائدہ سے خالی نہیں۔

مزید برآں کہ شرع میں اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہ ہونا بھی اس کے جواز کے لئے بہت ہے۔ پھر بھی ہم یہاں چند عبارات فقہاء و علماء بیان کرتے ہیں:

فتاوی شامی میں ہے:

قدیسن الأذان لغیر الصلاة کمافی اذان المولود .... وعندانزال المیت القبر قیاساً علی خروجه للدنیا

اذان نماز کے علاوہ بھی چند مقامات پر سنت ہے جیسا کہ بچہ کے کان میں......اور میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کی پیدائش پر قیاس کرتے ہوئے۔ [ردالمحتار علی درالمختار، باب الاذان، ۲/ ۵۰]

حاشیہ بیجوری میں امام ابن حجر علیہ الرحمہ کے حوالہ سے ہے:

قال ابن حجر وردته فی شرح العباب لکن ان وافق انزاله القبر اذان خفف عنه فی السوال.

ابن حجر نے فرمایا: میں نے شرح عباب میں اذان کے مسنون ہونے کا رد کیا ہے لیکن اگر میت کو قبر میں اُتارنے کے بعد اذان پڑھی جائے تو سوالات قبر میں آسانی ہوگی۔ [فتاوی نعیمیہ، ۱/۷۲]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ جو دیابنہ و اہل حدیث کے نزدیک بھی مسلم ہیں، فرماتے ہیں:

عمل مشائخ است که اذان برقبر بعددفن می گویند

(دفن کے بعد قبر پر اذان پڑھنا بزرگوں کا معمول ہے)[ملفوظات عزیزی فارسی ص۸۴]

مزید تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت کے رسالہ مبارکہ ''ایذان الاجر فی اذان القبر'' کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ مقام تفصیل کا متحمل نہیں۔

هٰذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ ورسوله ﷺ.

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ: ۱۰ شعبان ۱۴۳۳ھ

ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور اس سے حاصل شدہ بچہ کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے جواز وعدم جواز کا شرعی حکم کیا ہے

(۲) کیا شوہر کے علاوہ کسی اجنبی کا مادہ منویہ عورت کے مادہ سے ملا سکتے ہیں

(۳) اس سے حاصل شدہ بچہ کے نسب سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

حافظ محمد گلفام رضا

متعلم مدرسہ مرکز اہل سنت دارالسلام

محلّہ علی خاں کاشی پور

[حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، ۲/۲۲۷، باب العدة]

وماقیل لایلزم من ثبوت النسب منه وطؤه لان الحبل قدیکون بادخال الماء الفرج بدون جماع مع انه نادر''

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ نسب ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عمل زوجیت کیا ہو بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت بغیر وطی کئے اپنی اندام نہانی میں مرد کا مادہ منویہ داخل کرلیتی اور حاملہ ہوجاتی ہے البتہ یہ صورت شاذ ونادر ہی پیش آتی ہے۔

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۴/۲۶۲، باب ثبوت النسب]

(۳) اس مادے کو خود شوہر اپنی بیوی کے اندام نہانی میں داخل کرے اس لئے کہ اجنبی مرد کا عورت کو دیکھنا اور چھونا بغیر ضرورت شرعی جائز نہیں ہے۔

(۴) منی نکالنے کے لئے خود اپنے ہاتھ کا استعمال نہ کرے یہ جائز نہیں فقہاء نے نبی اکرم ﷺ کے فرمان ''ناکح الیدملعون'' (جلق کرنے والے پر لعنت ہے) کے پیش نظر اس عمل کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے:

وکذاالاستمناء بالکف وان کره تحریمالحدیث ناکح الیدملعون ...الخ

اور یوں ہی ہاتھ سے منی نکالنا اگرچہ حدیث مشت زنی کرنے والا ملعون ہے کے سبب مکروہ تحریمی ہے۔

[کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف، ۳/۳۷۱]

(۵) بذریعہ عزل اسے حاصل کرے یا پھر عورت کے ہاتھ سے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔فتاوی شامی میں ہے:

یجوزان یستمنی بیدزوجته اوخادمته

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

(۱) ٹیسٹ ٹیوب بے بی مرد وعورت کے مادوں کو باہم مختلط کر کے اولاد کی تحصیل کے جدید طریقہ کا نام ہے۔ محققین محتاطین علماء نے بحالت مجبوری چند درج ذیل شرائط کے ساتھ اس کی اجازت عطا فرمائی ہے۔

(۲) دونوں مادے میاں بیوی کے ہی ہوں اس لئے کہ اللہ تعالی نے اولاد کے حصول کا ذریعہ میاں بیوی کو ہی بنایا ہے قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء.

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت پھیلا دیے۔ [ترجمہ کنز الایمان، پارہ ۴، سورہ نساء، آیت ۱]

(۲) شوہر کے مادے کو خود بیوی اپنی اندام نہانی میں داخل کرے۔ اس کا جواز درج ذیل فقہی جزئیہ سے ثابت ہے:

فی البحر المحیط اذا عالج الرجل جاریتہ فیما دون الفرج فانزل فاخذت الجاریۃ ماء ہ فی شئ فاستدخلتہ فی فرجھا فی حدثان ذلک فعلقت الجاریۃ وولدت فالولد ولدہ ورالجاریۃ ام ولدہ.

بحر محیط میں ہے کہ جب کسی آدمی نے اپنی باندی سے بیرون شرمگاہ مباشرت کی اسے انزال ہوا باندی نے وہ مادہ منویہ لے کر کسی چیز میں رکھ لیا اور اپنی اندام نہانی میں ڈال لیا حمل ٹھہر گیا بچہ پیدا ہوا تو بچہ اسی کا ہوگا اور باندی اس کی ام ولد ہوگی۔

اپنی بیوی یا خادمہ کے ہاتھ سے منی نکالنا جائز ہے۔

[کتاب الحدود، ۶/ ۳۹]

(۲) شوہر کے علاوہ اور کسی کا مادہ منویہ عورت کے مادہ سے ملا کر رحم میں ڈالنا ناجائز وحرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لایحل لامرئ یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر ان یسقی ماء ہ زرع غیرہ.

اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے شخص کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے پانی سے کسی دوسری کھیتی کو سیراب کرے۔ [سنن ابو داود، کتاب النکاح، ۱/ ۲۹۳]

(۳) شوہر کے علاوہ کسی اجنبی کے مادہ کے ذریعہ بچہ کی پیدائش ہو جائے تو اگر چہ یہ عمل زنا کے مترادف ہونے کے سبب ناجائز وحرام ہے لیکن بچہ زانی کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ شوہر ہی بچہ کا باپ کہلائے گا۔

حدیث شریف میں ہے:

فانہ لایلحق بہ ولا یرث

بچہ زانی سے منسوب نہیں ہوگا اور نہ اس کا وارث ہوگا۔

[سنن ابو داود، کتاب الطلاق، ۱/ ۳۰۸]

بخاری شریف میں ہے:

الولد للفراش وللعاھر الحجر.

بچہ شوہر سے منسوب ہوگا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

[الصحیح البخاری، کتاب الفرائض، ۲/ ۹۹۹،]

ھٰذا ماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ. ھٰذالفتوی ماخوذ من

الکتب الفقهیه المعدوده خصوصًاالکتاب المستطاب بلغة الاردیة ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی اورشرعی نقطۂ نظر'' لمفتی السیدضیاء الدین شیخ الجامعة النظامیه حیدرآباد)

کتبــه

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۴/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

کسی سنی کو بدمذہب کہنا اور کسی مسلمان پر بہتان باندھنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں زیدحافظ وقاری حاجی اوراہل سنت پیغام رضا کا مہتمم ہے دیوبندیوں کوسنی بنانے کی غرض سے ان سے بات کرتا ہے ورنہ نہیں۔کچھ دیوبندی سنی ہوبھی چکے ہیں زیدکی سسرال سنی کے یہاں ہے جوکہ ہندوستان کے مشہورسنی عالم ہیں شیدائے اعلیٰ حضرت ہیں۔زیدنے سنیوں کی عیدگاہ کودیوبندیوں سے واپس لیا۔ساری مسجدوں میں نمازکے بعدصلاۃ پڑھوانا شروع کرائی۔ردوہابیت زیدکامحبوب مشغلہ ہے۔کچھ لوگ خودکوسنی کہتے ہیں ان سے کسی بات پر بحث ہوئی توزیدنے کہاتم سے اچھے وہ لوگ ہیں جوہم سے ڈرتے ہیں اورہماری حقانیت قبول کرتے ہیں ہم کومسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کا موقع دیتے ہیں۔زیدنے مؤذن کی اجازت کے بغیرتکبیرپڑھ دی تو بکرنے کہاتم نے تکبیرکیوں پڑھی؟توزیدنے کہاروزآپ پڑھتے ہیں آج میں نے پڑھ دی کیاہوا؟بکرنے

صحیح العقیدہ مسلمان ہے۔البتہ زیدکامؤذن کی اجازت کے بغیرتکبیرپڑھنا ازروئے شرع درست نہیں ہے۔فقہ حنفی کے مشہورومعتبرمجموعۂ فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ان اذن رجل واقام آخران غاب الاول جاز من غیر کراهة وان کان حاضراویلحقه الوحشة باقامة غیره یکره وان رضی به لایکره عندناکذافی المحیط''

(اگرکسی شخص نے اذان پڑھی اوردوسرے نے اقامت تواگراذان پڑھنے والاآدمی جماعت کے وقت حاضرنہیں توبغیرکراہت جائزہے اوراگرحاضر ہے اوراسے دوسرے شخص کے اقامت پڑھنے سے ملال ہے تومکروہ ہے اوراگروہ راضی ہے توہمارے نزدیک مکروہ نہیں ایساہی محیط میں ہے۔)

[فتاوی ہندیہ ۱/۵۴،باب الاذان]

اورجولوگ زیدپرجھوٹاالزام لگاتے ہیں اورجھوٹی باتیں گڑھ کرلوگوں میں بیان کرتے ہیں شریعت میں اسے بہتان کہتے ہیں۔نبی ﷺ فرماتے ہیں:

''وان لم فیه ماتقول فقدبهته''

(جوباتیں تم بیان کررہے ہواگروہ اس کے اندرنہیں ہیں تویہ بہتان ہے)[مسلم شریف]

اوربہتان بدترین جرم اورگناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

''وَالَّذِینَ یُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِینَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِینًا''

(اورجوایمان والے مردوں اورعورتوں کوبے کئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اورکھلاگناہ اپنے سرلیا)[ترجمہ کنزالایمان،سورہ احزاب،آیت ۵۸]

کہا کہ آپ کے لئے جائز ناجائز سب حلال ہے کیا؟ تو زید نے کہا آپ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتے ہیں اور شریعت کا لحاظ نہیں رکھتے ہم آپ کی بات کو نہیں تسلیم کرتے ہم جائز و ناجائز کی تمیز رکھتے ہیں۔

کیا ان ساری باتوں کی بنیاد پر زید کے سنی ہونے میں کوئی شک ہے؟ جو لوگ زید پر الزام لگاتے ہیں اور اس سے متعلق جھوٹی باتیں گڑھ کر لوگوں میں بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

نیز یہ بھی بتائیں کہ بکر مسجد کی دکان میں کرائے پر رہتا ہے اس سے سارے نمازیوں کو تکلیف ہے وہ آئے دن فساد کرتا رہتا ہے اور اپنے ماموں کو ماں، بہن اور بیٹی کی گالیاں بھی دیتا ہے کیا ایسی حالت میں بکر کو مسجد کی دکان کرائے پر دینا چاہئے یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں عنداللہ ماجور ہوں

المستفتی: الحاج قاری محمد حنیف نوری

سربراہ اعلیٰ دارالعلوم اہل سنت پیغام رضا سڑلونظر پور ضلع مرادآباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

استفتاء میں درج مضمون اگر سچائی وصداقت پر مبنی ہے تو واقعی زید کے سنی ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کی کوشش کرنا،

دیوبندیوں کو سنی بنانے میں کوشاں رہنا اور مراسم اہل سنت کو جاری رکھنے کے لئے جدوجہد کرنا نیز رد وہابیت کو اپنا مشغلہ بنالینا یہ ساری باتیں گواہی دے رہی ہیں کہ زید ایک سنی

حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”حضرت فضیل نے فرمایا کہ کتے اور سور کو بھی ناحق ایذا دینا حلال نہیں تو مومنین ومومنات کو ایذا دینا کس قدر بدترین جرم ہے“ [تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، آیت ۵۸]

لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ زید سے متعلق جھوٹی باتوں کو بیان نہ کریں اور علماء ومفتیان کرام کی بارگاہوں میں حاضر ہو کر صلح کی سبیل پیدا کریں اہل سنت میں یہ آپسی اختلاف سنیت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ وطفیل اہل سنت کے مابین اتفاق واتحاد اور محبت پیدا فرمائے۔

اور رہا بکر کا معاملہ تو اگر بکر واقعی نمازیوں کو تنگ کرتا ہے، فتنہ وفساد پیدا کرتا ہے اور اپنے ماموں کو گالیاں دیتا ہے تو وہ فاسق، سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔

قرآن میں ہے

”وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ“

(اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے) (ترجمہ کنزالایمان، سورہ بقرہ، آیت ۱۹۱)

بخاری شریف میں ہے:

”سباب المسلم فسوق“

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

ایسے شخص کو مسجد کی دکان کرائے پر دینا کسی بھی حال میں درست نہیں ہے اہل کمیٹی کو چاہئے کہ جو شخص نمازیوں کی تکلیف کا سبب بنتا ہو فتنہ وفساد پیدا کرتا ہو ایسے شخص کو فوراً مسجد کی دکان سے نکال دیں۔

اور منکوحہ غیر کا نکاح پڑھانا حرام ہے۔قرآن میں ہے:

”وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ“

(اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں) [ترجمہ کنزالایمان، سورہ نساء، آیت ۲۴]

اگر بکر نے جان بوجھ کر یہ نکاح پڑھایا ہے تو بکر سخت گنہگار ہے بکر پر لازم ہے کہ علی الاعلان توبہ کرے۔اور اس نکاح سے براءت کا اعلان کرے۔

کتبہ ـــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

مؤرخہ ۲۵/ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے اور نماز میں ان کی اقتدا کرنے والے شخص کا حکم شرعی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں کہ زید جو ایک حافظ اور حاجی ہے خود کو اہل سنت سے بتاتا ہے مگر دیوبندیوں سے خوب تعلقات ہیں سسرال بھی دیوبندیوں میں ہے ان کی اقتدا میں نماز بھی ادا کر لیتا ہے اور ان کے یہاں دعوتوں میں بھی شریک ہوتا ہے کچھ دن قبل خود اعلان کیا کہ دیوبندیوں سے بچو اور ان کے کفن دفن نماز جنازہ سے سنیوں کو روکا مگر خود ہی ایک دیوبندی عالم کی شادی میں شریک ہو گیا۔وہابیوں نے زید کا بھی اور ہم سنیوں کا بھی خوب مذاق اڑایا۔جب زید سے کہا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اس نے جواباً کہا کہ چپ رہو ان سنیوں سے میرے لئے وہابی اچھے ہیں۔ایک دن مغرب کی

شک نہیں اور اگر ایسا نہیں بلکہ وہ ان کے عقائد کفریہ سے دور ہے اور ان کے عقائد خبیثہ کو کفر ہی جانتا ہے اور ان کو کافر سمجھتے ہوئے بھی ان کے ساتھ میل جول رکھتا ہے اور ان کی اقتدا میں نماز ادا کرتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ سخت گناہگار ہے لیکن کافر نہیں،

البتہ دیوبندیوں سے میل جول رکھنے پر تنبیہ کرنے والوں کو یہ کہہ کر جھڑک دینا **”ان سنیوں سے میرے لئے وہابی اچھے ہیں“** مسلمانوں پر کافروں کو ترجیح دینا اور کفر کو پسند کرنا ہے اور یہ کھلا ہوا کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”مسلمانوں کے ایمان کو اس کافر اکفر کے ایمان سے کم کہنا صریح کفر ہے، یہ کفر کو ایمان پر تفضیل دینا ہے، کافر میں ایمان کہاں اور وہ بھی مسلمانوں کے ایمان سے افضل“ [فتاویٰ رضویہ قدیم، ۱۹۱/۶]

صدر الشریعہ فرماتے ہیں

”شخص مذکور برائے آنکہ کفر را پسند کرد و کفر را بر اسلام ترجیح داد کافر باشد“

(شخص مذکور اس وجہ سے کہ اس نے کفر کو پسند کیا اور کفر کو اسلام پر ترجیح دی کافر ہو گیا) [فتاویٰ امجدیہ ۴۳۳/۴]

اور زید کا داڑھی کٹوانا بھی از روئے شرع گناہ ہے اور ایسے شخص کو شریعت میں فاسق کہتے ہیں اور فاسق کی اذان و اقامت مکروہ ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”یکرہ اذان الفاسق“

[فتاویٰ عالمگیری، ۵۴/۱]

نیز اس کی تعظیم کرنا اسے عزت دینا بھی جائز نہیں ہے۔

اور زید کا پائجامہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا از راہ تکبر ہے تو خلاف سنت ہونے کے ساتھ مکروہ

نماز میں زید کا پائجامہ ٹخنوں کے کافی نیچے تھا نماز کے بعد جب زید معلوم کیا کہ کیا اتنا نیچا پائجامہ پہننا جائز ہے تو جواب میں کہا کہ میرے لئے سب جائز ہے سائل نے کہا تمہارے لئے سب جائز ہو گیا اور ہم ان پڑھوں کے لئے سب ناجائز بتاتے ہو تو زید مسجد سے یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا کہ میرے لئے جائز ناجائز حرام حلال سب جائز ہے آپ اپنا دیکھئے۔ مسجد کے بہت سے نمازی اس واقعہ کے گواہ ہیں۔ اور زید داڑھی کٹواتا ہے کیا اس کی اذان واقامت درست ہے ؟ اور زید جب کسی عالم کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہ آئے دین کے غدار اور نبی ﷺ کی شان میں کہتا ہے کہ ان سے غلطی ہوئی تو اللہ نے ان پر کفارہ واجب کیا۔ ان ساری باتوں کی بنیاد پر کیا زید کافر ہو گیا؟

نیز امام صاحب نے ایک ایسی عورت کا نکاح پڑھایا جس نے امام صاحب کے پوچھنے پر کئی لوگوں کے سامنے اپنے مطلقہ ہونے کا اقرار کیا۔ زید کا کہنا کہ وہ مطلقہ نہیں ہے۔ اور اس بات کو لے کر زید امام صاحب کی مخالفت بھی کر رہا ہے تو کیا امام صاحب کی مخالفت کرنا از روئے شرع جائز ہے؟ جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

مصلیان جامع مسجد سڈلو نظر پور ضلع مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

استفتاء میں درج باتیں اگر واقعی حق ہیں اور سائلین اپنی ان باتوں میں سچے ہیں تو زید کے لئے شریعت کا بہت سخت حکم ہے۔

زید کا دیوبندیوں سے میل جول رکھنا ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنا اگر اس حد تک ہے کہ وہ ان کے عقائد کفریہ سے متفق ہے اور انہیں مسلمان جانتا ہے تو پھر اس کے کافر ہونے میں کوئی

تحریمی بھی ہے اس پر تنبیہ کرنے والے کے جواب میں زید نے جو یہ کہا ہے کہ **”میرے لئے جائز و ناجائز حلال حرام سب جائز ہے“** تو یہ جملہ کفر پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی حرام کو حلال اور حلال کو حرام جاننا شریعت میں کفر ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ”حلال کو حرام، حرام کو حلال ٹھہرانا ائمہ حنفیہ کے مذہب راجح میں مطلقاً کفر ہے، جبکہ ان کی حلت وحرمت قطعی ہو جیسے جائز کسب وتجارت واجارت کی حلت مشرکین و ودادو انقیاد واتحاد کی حرمت،..... اور اگر وہ حرام قطعی حرام لعینہ ہے، جیسے مذکورات جب تو اسے حلال ٹھہرانا باجماعِ ائمہ حنفیہ کفر ہے، اللہ عزوجل کفار کا بیان فرماتا ہے:

لایحرمون ماحرم اللہ ورسولہ.

جسے اللہ ورسول نے حرام فرمایا کافر اسے حرام نہیں ٹھہراتے۔ متن عقائد میں مسئلہ مصرحہ ہے، نیز فتاوی خلاصہ وغیرہا میں ہے:

”من اعتقد الحرام حلالا او علی القلب یکفر ھذا اذا کان حراما بعینہ و الحرمۃ قامت بدلیل مقطوع بہ اما اذا کانت باخبار الاحاد لا یکفر“

جس نے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام مان لیا تو وہ کافر ہو جائے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ وہ حرام لذاتہ ہو اور اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اگر ثبوت خبر واحد سے ہو تو کافر نہیں ہوگا۔

بزازیہ وشرح وہبانیہ ودرمختار میں ہے:

یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی

(حرام قطعی کے تصدق سے کافر ہوجائے گا)[فتاوی رضویہ قدیم، ج ٦ ص ١٠٩]

صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے مطلقا کہا ہے کہ میرے لئے سب ناجائز وحرام حلال ہے لہٰذا نصوص بالا کی روشنی میں زید پر حکم کفر عائد ہوگا۔

اور زید کا کسی بھی عالم کو دیکھ کر یہ کہنا کہ **"یہ آئے دین کے غدار"** اگر بسبب علم ہے تو کفر ہے اور اگر ذاتی رنجش کی وجہ سے ہے تو سخت گناہ اور اگر بلاوجہ ہے تو اس پر اندیشۂ کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"پھر اگر عالم کو اس لئے برا کہتا ہے کہ وہ عالم ہے جب تو صریح کافر ہے اور اگر بوجہ علم اس کی تعظیم فرض جانتا ہے مگر اپنی کسی دنیوی خصومت کے باعث برا کہتا ہے گالی دیتا تحقیر کرتا ہے تو سخت فاسق فاجر ہے اگر بے سبب رنج رکھتا ہے تو مریض القلب خبیث الباطن ہے اور اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ خلاصہ میں ہے "**من ابغض عالما من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر**" جو کسی عالم سے بغیر سبب ظاہری کے عداوت رکھتا ہے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ [فتاوی رضویہ قدیم، ۹/۱۴۰، کتاب الحظر والاباحہ]

اور نبی ﷺ کی شان میں زید کا یہ کہنا کہ **"ان سے غلطی ہوئی تو اللہ نے ان پر کفارہ واجب کیا"** سراسر جھوٹ اور اللہ اور اس کے رسول پر کھلا افتراء ہے، اس لئے کہ ہمارے نبی ﷺ بلکہ جملہ انبیاء کرام تمام گناہوں سے پاک ومنزہ ہیں۔

امام اعظم فرماتے ہیں:

"**الانبياء عليهم الصلاة والسلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر**"

(تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہیں) [فقہ اکبر، ص ۸]

تجديدالاسلام) وتجديدالنكاح"

(متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔) [باب المرتد، ۶/۳۹۱]

مزید امام صاحب سے معافی طلب کرے۔ اور آئندہ ایسے اقوال وافعال خبیثہ کفریہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کی کوشش کرے۔

اور اگر زید ایسا نہ کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ زید کا بائیکاٹ کریں اس سے اپنے تعلقات ختم کرلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"**وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ**"

(اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔) [کنز الایمان پارہ ۲۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

هذاماعندی والعلم عندالله تعالیٰ۔

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۳/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

ملاعلی قاری فقہ اکبر کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ای معصومون من جمیع المعاصی" (یعنی انبیاء کرام تمام گناہوں سے پاک ہیں) [شرح فقہ اکبر ۶۸] اور جب نبی گناہوں سے پاک ہیں تو پھر نبی علیہ السلام کے کسی گناہ پر اللہ تعالیٰ کا کفارہ واجب کرنا چہ معنی دارد۔لہٰذا زید کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر افتراء باندھنا سخت گمراہی و بددینی بلکہ کفر ہے۔

اور رہا امام صاحب کے نکاح پڑھانے کا مسئلہ تو جب امام صاحب نے معلوم کرلیا تو اب وہ بری الذمہ ہوگئے اب ان پر کوئی الزام نہیں ہے اس بنیاد پر یا کسی اور بلا وجہ شرعی کے زید کو امام صاحب کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔امام تو قوم کا رہبر ہوتا ہے اس کی مخالفت تو دور اگر کسی ادنی سے مسلمان کی بھی کوئی مخالفت کرتا ہے اور اسے تکلیف پہنچاتا ہے تو از روئے حدیث وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقداذی اللّٰہ عزوجل"

(جس نے کسی مسلمان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو اذیت دی) [المعجم الصغیر للطبرانی، ۱/۲۸۴]

حاصل کلام:۔استفتاء میں درج زید کے اقوال وافعال میں چند ناجائز،حرام فسق اور گمراہی پر مبنی ہیں اور چند کفر پر،لہٰذا زید پر لازم وفرض ہے کہ فوراعلی الاعلان توبہ، تجدید ایمان،تجدید بیعت اور تجدید نکاح کرے۔درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

"مایکون کفرااتفاقایبطل العمل والنکاح واولادہ اولادزناومافیہ خلاف یؤمربالاستغفاروالتوبۃ(ای

باب المیراث

میراث میں ماں باپ کا حق

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں اولاد کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ میں ماں باپ کا کیا حصہ ہے قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی عبدالجبار محلّہ قانون گویان کاشی پور اودھم سنگھ نگر
۱۸/جون ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اگر میت نے ماں باپ کے ساتھ اولاد بھی چھوڑی ہے تو ماں اور باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔قرآن پاک میں ہے:

ولابویہ لکل واحدمنھماالسدس مماترک ان کان لہ ولد.

اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو۔ [کنزالایمان، پارہ۴ سورہ النساء، آیت ۱۱]

اور اگر اولاد نہیں چھوڑی ہے تو ماں کو تہائی اور اگر ماں باپ کے ساتھ دو یا زیادہ بہن بھائی بھی چھوڑے ہیں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا جیسا کہ قرآن میں ہے:

فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابوہ فلامہ الثلث فان کالہ اخوۃ فلامہ السدس.

پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی پھر اگر اس

کے کئی بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا۔[مرجع سابق]

ماں کو کل مال کا تہائی اس وقت دیا جائے گا جب ماں کے ساتھ میت مذکر کی بیوی یا میت مؤنث کا شوہر نہ ہو اور اگر ان میں سے کوئی بھی ہوگا تو ماں کو ان کا حصہ نکالنے کے بعد تہائی ملے گا کل مال سے نہیں۔

[تفسیر خزائن العرفان، پارہ۴ سورہ النساء، آیت ۱۱، حاشیہ ۳۱]

اور میت نے باپ کے ساتھ اگر اولاد چھوڑی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اولاد میں کوئی بیٹا یا پوتا نیچے تک چھوڑا ہے تو باپ کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر اولاد میں بیٹی یا پوتی نیچے تک چھوڑی ہے تو باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور ساتھ میں اصحاب فرائض پر تقسیم ہونے کے بعد جو بچے گا وہ بھی بطور عصبہ ملے گا۔ اور اگر میت نے اولاد نہیں چھوڑی مگر دوسرے اصحاب فرائض وغیرہ چھوڑے تو باپ کو اصحاب فرائض پر تقسیم ہونے کے بعد جو بچے گا بس وہی بطور عصبہ ملے گا یا میت نے باپ کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا تو باپ کو بطور تعصیب سب مال ملے گا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

الاب ولـه ثلاثة احوال الفرض المحض وهو السدس مع الابن اوابن الابن وان سفل والتعصيب المحض وذالک ان لايخلف غيره فله جميع المال بالعصوبةوكذااذااجتمع مع ذى فرض ليس بولدولاولدابن كزوج وام وجدة فيأخذذوالفرض فرضه والباقى للاب بالعصوبة والتعصيب والفرض معاوذالک مع البنت وبنت الابن فله السدس فرضا....والباقى له بالتعصيب.

باپ کی تین حالتیں ہیں میت کے بیٹے یا پوتے نیچے تک کی موجودگی میں بطور فرض چھٹا حصہ، اور ایسے ہی میت نے جب باپ کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا تو باپ کو کل مال ملے گا بطور تعصیب یا اولاد کے علاوہ

آدھا حصہ ملے گا۔

قرآن شریف میں ہے:

وان كانت واحدة فلهاالنصف.

اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا حصہ

بیوی کو آٹھواں حصہ

فان كان لكم ولدفلهن الثمن

(پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا (بیویوں کا) تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں)

ماں کو چھٹا حصہ نیز باپ کو چھٹا حصہ

ولابويه لكل واحد منهماالسدس مماترک ان كان له ولد.

(اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو)[ترجمہ کنز الایمان پارہ۴ رکوع ۱۳]

اور جو باقی بچے گا وہ بھی باپ کو بطور عصبہ ملے گا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

'التعصيب والفرض معاوذالک مع البنت.

باپ کو میت کی لڑکی کے ساتھ فرض حصہ اور بچا ہوا حصہ۔

[۴۴۸/۶ کتاب الفرائض]

اور میت کے بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا وہ باپ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے۔ جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

ويسقط الأخوة والأخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق

لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ کی موجودگی میں بھائی اور بہنیں محروم

دیگراصحاب فرائض جیسے شوہر یاماں دادی کوچھوڑا توباپ کو اصحاب فرائض سے تقسیم کے بعد جو بچے گا وہ ملے گا، اوراگر باپ لڑکی یاپوتی کے ساتھ ہو توچھٹا حصہ بطورفرض اور تقسیم کے بعد جو بچے گا باپ وہ بھی پائے گا۔)[فتاوی عالمگیریہ کتاب الفرائض،۶/ ۴۴۸]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم باالصّواب .

کتبـــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ۲ /شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

میت کے وارثین میں ایک لاکھ روپئے کی تقسیم

کیا سفرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ میں زید کا انتقال ہوگیااس نے اپنے ورثاء میں ایک بیوی اورایک بچہ، ماں، باپ اور چار حقیقی بھائی چھوڑے ایک لاکھ روپیہ نقد چھوڑا اس روپیہ میں اوراس کے ماں باپ کی جائداد میں اس کی بیوی اور بچہ کا کیا حصہ نکلتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

حافظ عرفان مؤذن مدینہ مسجد چونا گلی کاشی پوراودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم   نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں ازروئے شرع شریف اگر بچہ سے مرادلڑکی ہے تو کل رقم سے لڑکی کو

رہیں گی۔[الباب الثانی فی ذوی الفروض،۶/ ۴۵۰]

درمختار میں ہے:

ویسقط بنوالاعیان وھم الأخوۃ والأخوات لأب وأم بثلاثۃ بالابن وابنہ وان سفل وبالاب اتفاقا،الخ.

بھائی اور بہنیں میت کے لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ تینوں کی موجودگی میں بالاتفاق وراثت سے محروم ہوجائیں گے۔[فصل فی العصبات،۱۰/ ۵۳۰]

لبِّ لباب یہ ہے کہ کل رقم کے چوبیس (۲۴) حصے ہوں گے۔ پانچ ۵ حصے میت کے باپ کو چار بطورفرض اورایک بطور عصبہ، چار (۴) حصے میت کی ماں کو، تین (۳) حصے میت کی بیوی کو، بارہ (۱۲) حصے میت کی لڑکی کو۔یعنی ایک لاکھ روپئے میں لڑکی کو پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) بیوی کو بارہ ہزار پانچ سو(۱۲۵۰۰) ماں کو سولہ ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے اورقریب سڑسٹھ پیسے، اور باپ کو بیس ہزار آٹھ سو تینتیس روپے اورقریب چونتیس پیسے۔اوراگر بچہ سے مرادلڑکا ہو تو کل رقم کے چوبیس (۲۴) حصے ہوں گے۔چار حصے میت کے باپ کو، چار (۴) حصے میت کی ماں کو، تین (۳) حصے میت کی بیوی کو، بقیہ تیرہ حصے میت کے لڑکے کو بطور عصبہ ملیں گے۔یعنی ایک لاکھ روپئے میں بیوی کو بارہ ہزار پانچ سو(۱۲۵۰۰) باپ کو سولہ ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے اورقریب سڑسٹھ پیسے، اور ماں کو بھی باپ کے برابر۔اور باقی جو بچے وہ سب لڑکے کو ملیں گے۔

اورصورتِ مسئولہ میں میت کی بیوی اورلڑکی کا کوئی حصہ ماں باپ کی جائداد میں نہیں نکلے گا۔

ھٰذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالی

کتبـــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ۱۳ /ربیع النور ۱۴۳۳ھ

جائیداد کا حق دار کون؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ تین سگے بھائی ہیں جس میں ایک کا انتقال ہوگیا ہے مرحوم کے ایک بیوی اور آٹھ بچے ہیں ۵ لڑکے اور ۳ لڑکیاں ہیں جس میں ایک لڑکا اپاہج ہے مرحوم کی جائداد کا حقدار کون ہے مرحوم کے بھائی یا بچے؟

حاجی محمد یعقوب انصاری

محلہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں مرحوم کی جائداد میں بھائیوں کا کوئی حق نہیں ہے مرحوم کی جائداد کے حق دار بیوی، لڑکے، لڑکیاں اور دیگر وارثین ہوں تو وہ ہیں۔ میت کے لڑکوں کی موجودگی میں میت کے بھائی محروم ہوجاتے ہیں۔

درمختار میں ہے:

ویسقط بنوالاعیان وهم الأخوة والأخوات لأب وأم بثلاثة بالابن وابنه وان سفل وبالاب اتفاقا، الخ.

بھائی اور بہنیں میت کے لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ تینوں کی موجودگی میں وراثت سے محروم ہوجائیں گے۔

[فصل فی العصبات، ۱۰/۵۳۰]

مآخذ و مراجع

القرآن الکریم

(الف)

کتاب	مصنف	سن
احیاء العلوم	امام محمد بن محمد غزالی	۵۰۵
اصول الشاشی	اسحاق بن ابراہیم خراسانی شاشی	۳۲۵
الاعلام للزرکلی	شیخ خیرالدین بن محمود زرکلی	۱۳۹۶
احکام جراحۃ التجمیل	الدکتور محمد عثمان شبیر	
اقامۃ القیامہ	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
اوفی اللمعہ	ایضا	ایضا
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	شیخ یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر	۴۶۳
اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲
الانتقاد الرجیح	محمد صدیق حسن بھوپالی	۱۳۰۷

(ب)

کتاب	مصنف	سن
بدور الاہلہ	بھوپالی	ایضا
بنایہ شرح ہدایہ	امام بدرالدین ابومحمد عینی	۸۵۵
البحر الرائق	امام زین الدین بن ابراہیم بن نجیم	۹۷۰
بدائع الصنائع	علاءالدین ابوبکر مسعود کاسانی	۵۸۷

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ویسقط الأخوة والأخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق[الباب الثانی فی ذوی الفروض،۶/۴۵۰]

محیط برھانی لاامام برھان الدین ابن مازہ میں ہے:

الأخوة لایرثون مع الابن

بھائی لڑکے کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے۔[۱۰/۹]

واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ۲۲/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

بہارشریعت	صدرالشریعہ مولانا امجدعلی اعظمی	۱۳۶۷
البدایہ والنہایہ	أبوالفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر	۷۷۴
بغیۃ الوعاۃ	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱

(ت)

ترجمہ کنزالایمان	امام احمدرضامحدث بریلوی	۱۳۴۰
تفسیرقرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی	۶۷۱
تفسیرات احمدیہ	شیخ احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون	۱۱۳۰
تفسیرخزائن العرفان	صدرالافاضل سیدمحمد نعیم الدین مرادآبادی	۱۳۶۷
تفسیرنعیمی	مفتی احمد یارخاں نعیمی	۱۳۹۱
التلخیص المعین	شیخ محمد بن صالح عثیمین	
تحفۃ الفقہاء	امام علاءالدین محمد بن احمد سمرقندی	۵۳۹
تنویرالابصار	شیخ محمد بن عبداللہ تمرتاشی	۱۰۰۴
تیسیرشرح جامع صغیر	حافظ محمد عبدالرؤف مناوی	۱۰۳۱
تاریخ الاسلام	شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸
التاج المکلل	محمد صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی	۱۳۰۷
تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی	محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳
تبیین الحقائق	امام فخرالدین عثمان بن علی زیلعی	۷۴۳
تحفۃ الملوک	شیخ محمد بن ابی بکر رازی	۶۶۶

(ج)

الجوہرۃ النیرۃ	شیخ ابوبکر بن علی بن ابو المفاخر	۸۰۰
جامع العلوم والحکم	عبدالرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب	۷۹۵
جامع صغیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱

(ح)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	شیخ سید احمد طحطاوی	۱۳۰۲
حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح	ایضا	ایضا
حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ	شیخ محمد بن عبدالہادی سندھی	۱۱۳۸
حبیب الفتاوی	مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی	۱۳۹۵
الحرف الحسن	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
الحاوی للفتاوی	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱
حسن المحاضرۃ	ایضا	ایضا

(د)

درمختار	علاء الدین محمد بن علی حصکفی	۱۰۸۸
دلائل النبوۃ	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸
درر الحکام	شیخ محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱
دلیل الطالب الی ارجح المطالب	محمد صدیق حسن بھوپالی	۱۳۰۷

السراج الوہاج	محمد صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی	۱۳۰۷
سیر اعلام النبلاء	شیخ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸
السنیۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیۃ	مولوی اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲

(ش)

شمائم العنبر	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲
شرح نووی علی المسلم	شیخ یحییٰ بن شرف نووی	۶۷۶
شرح بہجۃ الوردیۃ	ابو یحییٰ زکریا بن محمد انصاری	۹۲۶
الشہاب الثاقب	حسین احمد مدنی	۱۳۷۶
شعب الایمان	شیخ احمد بن حسین ابوبکر بیہقی	۴۵۸

(ص)

صحیح بخاری	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری	۲۶۱
صلاۃ الاسرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲

(ط)

طبقات المقرئین	شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸
طرح التثریب	ابو الفضل عبدالرحیم عراقی	۸۰۶

الدرر الکامنہ	حافظ احمد بن علی حجر عسقلانی	۸۵۲

(ذ)

ذخیرۃ الحفاظ	شیخ محمد بن طاہر مقدسی	۵۰۷
ذیل طبقات الحنابلہ	شیخ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن رجب حنبلی	۷۹۵
ذخیرۃ العقبیٰ	شیخ محمد گل جلال آبادی ثم مرادآبادی	۱۳۳۰

(ر)

الرفع والتکمیل	ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی	۱۳۰۴
ردالمحتار	علامہ سید محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی	۱۲۵۲

(ز)

زبدۃ الاسرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲

(س)

سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵
سنن ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹
سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳
سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ محمد بن زید ابن ماجہ	۲۷۳
سنن کبریٰ للبیہقی	شیخ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸
سنن دارقطنی	شیخ ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی	۳۸۵

(ظ)

ظفر الامانی	محمد صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی	۱۳۰۷

(ع)

العقود الدریہ	علامہ سید محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی	۸۵۵
عطایا القدیر	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰

(غ)

غنیۃ المستملی	ابراہیم بن محمد حلبی کبیری	۹۵۶

(ف)

فتاویٰ بزازیہ	شیخ محمد بن محمد الکردری الشہیر بالبزازی	۸۲۷
فتاویٰ نعیمیہ	مفتی اقتدار احمد خاں	
فتاویٰ امجدیہ	صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی	۱۳۶۷
فتاویٰ عبدالحی	ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی	۱۳۰۴
فتاویٰ قاضی خاں	علامہ حسن بن منصور قاضی خاں	۵۹۲
فتاویٰ شارح بخاری	مفتی شریف الحق امجدی اعظمی	۱۴۲۱
فتح الباری شرح بخاری	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
الفتح الکبیر للسیوطی	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱

فیض القدیر	حافظ محمد عبد الرؤوف مناوی	۱۰۳۱
فتاوی بحر العلوم	مفتی عبد المنان اعظمی	۱۴۳۴
فتاوی حدیثیہ	احمد بن محمد بن حجر ہیتمی	۹۷۴
فتح الباری شرح بخاری	شیخ عبد الرحمٰن بن رجب حنبلی	۷۹۵
فتاوی نوازل	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی	۳۷۵
فتاوی عالمگیری	جماعت علماء اہل سنت ہندوستان	
فتاوی صدر الافاضل	سید محمد نعیم الدین مراد آبادی	۱۳۶۷
فتاوی رضویہ	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
فتاوی رشیدیہ	مولوی عبد الرشید گنگوہی	۱۳۲۳
فیروز اللغات اردو	مولوی فیروز الدین	

(ق)

القول العجیب فی جواز التثویب	مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں	۱۴۰۲

(ک)

الکشف شافیا	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
کشف الظنون	شیخ مصطفیٰ بن عبد اللہ کاتب چلپی	۱۰۶۷

(گ)

گلستاں	شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی	۶۹۱

المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبد اللہ حاکم نیساپوری	۴۰۵
موطا امام مالک	امام مالک بن انس مدنی	۱۷۹
مبسوط سرخسی	شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی	۴۸۳
مجمع الانہر	شیخ عبد الرحمٰن بن سلیمان کلیبو لی	۱۰۷۸
معین المفتی والسائل	ابو الحسنات علامہ عبد الحی لکھنوی	۱۳۰۴
مشکوۃ شریف	امام محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی	۷۴۱
محیط برہانی	برہان الدین محمود بن احمد مرغینانی بن مازہ	۶۱۶
المعجم الکبیر للطبرانی	شیخ سلیمان بن احمد طبرانی	۳۶۰

(ن)

نزہۃ القاری شرح بخاری	مفتی شریف الحق امجدی اعظمی	۱۴۲۱
النہر الفائق	سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم حنفی	۱۰۰۵
نہج السلامۃ	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
النیر الشہابی	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
نور اللغات	مولوی نور الحسن نیر کاکوروی	
نہایۃ الدرایات لجزری	شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد جزری	۸۳۳
نوادر الاصول	ابو عبد اللہ محمد بن علی حکیم ترمذی	۲۹۵

(ہ)

ہدایہ	شیخ برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی	۵۹۳

(ل)

اللالی المصنوعہ	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	٩١١
لسان المیزان	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی	٨٥٢
لغات کشوری	مولوی سید تصدق حسین	

(م)

ماہنامہ برہان دہلی	سعید اکبر آبادی صاحب	
مسالک الحنفاء	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	٩١١
مسند الفردوس	ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شہرویہ دیلمی	٥٠٩
المیلاد النبویہ	امام احمد رضا محدث بریلوی	١٣٤٠
المقاصد الحسنہ	شیخ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی	٩٠٢
منیر العین	امام احمد رضا محدث بریلوی	١٣٤٠
مجمع الزوائد	حافظ علی بن ابوبکر ہیثمی	٨٠٧
مراقی الفلاح	حسن بن عمار شرنبلالی	١٠٦٩
مرقاۃ المفاتیح	شیخ علی بن سلطان محمد القاری	١٠١٤
معرفۃ السنن والآثار	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	٤٥٨
ملفوظات عزیزی	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	١٢٣٩
ملتقی الابحر	ابراہیم بن محمد حلبی کبیری	٩٥٦
مثنوی شریف	علامہ جلال الدین محمد رومی	٦٧٢
ملفوظات اعلیٰ حضرت	مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں	١٤٠٢

گــــــــــــزارش

قارئین! یہ اللہ کا فضل واحسان اس کے حبیب ﷺ کا کرم ہے کہ میں دین کی خدمت میں کوشاں ہوں میری یہ کوشش کس حدتک کامیاب ہے یہ اللہ اوراس کا حبیب ہی بہتر جانتا ہے مجھے بارگاہ الٰہی سے جو یہ دین کی خدمت کی توفیق عطا کی گئی ہے یہ سب میرے والدین مرحومین کی دعاؤں کا ثمرہ ونتیجہ ہے جوانہوں نے ہرنماز کے بعد سجدہ ریز ہوکر بارگاہ الٰہی میں مانگی تھی۔اور ساتھ ہی ساتھ میری مشفقہ بہن جنہوں نے ماں کی وفات کے بعد اپنی زندگی کا اہم دور بچپن میری پرورش وتربیت کے لئے وقف کردیا۔قارئین سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد میرے والدین کی مغفرت کے لئے ،اور میری بہن اوران کے شوہر واولاد کی لمبی کامیاب عمر کے لئے ضرور دعافرمائیں نیز مجھے اور میرے اہل خانہ کو بھی دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔

دعاگو

محمدذوالفقارخان نعیمی ککرالوی غفرله ولوالدیه

انبیاء کرام
گناہوں سے پاک ہیں

فیضانِ رحمت

ثبتِ النعیمی

حق کی پہچان

صدر الافاضل
ثبتِ النعیمی